بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ

البتہ تحقیق ان کے قصوں میں عبرت ہے عقل والوں کے لئے

یازدہ نجوم

یعنی

خمسہ مسائل در یازدہ رسائل

امام اہلسنّت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۹۳ ھ — ۱۳۸۶

کے موعودہ دوسو مسائل میں سے پانچ مسائل جو گیارہ رسائل پر مشتمل ہیں۔ اور ماہنامہ النجم لکھنؤ کے صفحات کی زینت بن چکے ہیں۔

تفصیل

مختصر سوانح مؤلف کتاب — صفحہ نمبر

تحفۃ الالمعیۃ لصاحب الاستقلال فی تفسیر آیۃ اولی الامر کا
رسالہ صفحہ ۲۱۳ کے بعد ہے۔

مختصر سوانح

امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

◎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

امام اہل سنت حضرت مولانا الحاج عبدالشکور فاروقی مجددی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو قصبہ کاکوری (جو لکھنؤ سے سات میل کے فاصلے پر ہے) میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولوی حافظ محمد ناظر علیؒ تھا۔ جو حضرت مولانا حافظ سید عبدالسلام نقشبندی ہسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید رشید تھے۔ امام اہل سنت نے ابتدائی تعلیم ہسوہ میں حاصل کی۔ پھر لکھنؤ میں حضرت مولانا سید عین القضاۃ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے۔ اور بقیہ کتب درسیہ سب ان ہی سے پڑھیں جو اب شامل درس نہیں ہیں۔ مثل بست باب اصطرلاب وغیرہ۔

امام اہلسنت ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۱۷ھ کے شروع تک حضرت مولانا سید عین القضاۃ کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرتے رہے اور آپ کے شفیق استاد نے آپ کو بڑی فراخدلی سے مستفید و مستفیض فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلۂ نقشبندیہ سے تین طرح سے فیض پہنچا۔ آپ کے والد ماجد اور استاد گرامی نقشبندی مجددی تھے۔ پھر آپ بیعت بھی نقشبندی سلسلہ میں ہوئے۔ آپ کے مرشد ارشد کا اسم شریف حضرت مولانا شاہ عبداللہ ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔

امام اہل سنت اپنی علمی تشنگی دور کر کے طب کی طرف متوجہ ہوئے کچھ دنوں تک مطب بھی کیا۔ مگر استاد محترم کے ایما پر اسے جلد ہی چھوڑ دیا اور مولانا محمد علی مونگیری نے

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت مدرس بُلا لیا۔ یہاں دل نہ لگا تو دہلی چلے گئے۔ اور وہاں مرزا حیرت کے مطبع میں بحیثیت مترجم و مصنف کام کرنے لگے۔ مگر مرزا حیرت کے عقائد کی خرابی کے باعث ان سے بھی نہ نبھ سکی۔

سوئے اتفاق کہ اسی زمانے میں لکھنو اور اس کے مضافات میں ایک شیعہ مولوی صاحب نے (جن کا نام مقبول احمد تھا) علی الاعلان تبرے کی مجلسیں پڑھنا اور سُنیوں کو مناظرے کا چیلنج دینا شروع کر دیا جس پر لکھنوی علماء کے سرخیل حضرت مولانا عین القضاۃ نے بغرض دفاع لکھنو بلا لیا۔ پھر آپ نے دشمنان صحابہؓ کے خلاف اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ تالیف و تصنیف، بحث و مناظرہ، تحریر و تقریر میں مشغول ہونے کے علاوہ "النجم" ہفتہ وار جاری کیا۔ اور اس خاص موضوع پر اس کثرت سے لکھا کہ پوری دنیائے اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ "النجم" کا ہر مضمون ایک پوری کتاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور سینکڑوں لاجواب اور مسکت کتابیں تصنیف فرمائیں۔ محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار صفحات سے متجاوز لٹریچر چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ چند ممتاز و مخصوص تصنیف و توالیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ترجمہ قرآن مجید ۲۔ ترجمہ اسد الغابہ (نو جلدوں میں) ۳۔ ترجمہ ازالۃ الخفا ۴۔ ترجمہ انصاف ۵۔ ترجمہ فقہ اکبر ۶۔ ترجمہ تطہیر الجنان ۷۔ ترجمہ شمائل ترمذی ۸۔ نفحہ عنبریہ ۹۔ کتاب الصلوٰۃ ۱۰۔ سیرت خلفائے راشدینؓ ۱۱۔ علم الفقہ۔ (۶ جلدوں میں) ۱۲۔ سیرت خیر البریہ ۱۳۔ سیرت الحبیب الشفیع ۱۴۔ موسویہ۔ ۱۵۔ خطبہ شوقیہ ۱۶۔ ہدایت اہل امریکہ ۱۷۔ القول الحکم ۱۸۔ آیات محکمات (فارسی) ۱۹۔ قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ۲۰۔ تحریف کی خانہ ساز حقیقت کا جواب ۲۱ تنبیہ الحائرین ۲۲۔ ابو الائمہ کی تعلیم ۲۳۔ تحقیق آل و اہل بیت ۲۴۔ نصرت غیبیہ ۲۵۔ ترجمہ تاریخ طبری ۲۶۔ قاطع اللسان ۲۷۔ شرح حدیث ثقلین ۲۸۔ کتاب الشادنی ۲۹۔ مقدمہ مجالس ۳۰۔ مذہب شیعہ کے دو سو مسائل (علیحدہ علیحدہ

رسائل کی شکل میں)، تفسیر آیات قرآنیہ (الگ الگ رسائل کی صورت میں جنہیں یکجا شائع کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے) مناظروں کی روئیدادیں تقریروں کے مجموعے اور اخباری مضامین اور چھوٹے چھوٹے رسائل کا تو کوئی حد و حساب ہی نہیں۔

حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمۃ بیش بہا اور نادر المثال علمی خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء یوم دوشنبہ بعد نماز عصر چھ بجکر ۳۲ منٹ پر اس جہان فانی کو خیرباد کہہ گئے ؎

صورت از بے صورتی آمد بروں
باز شد انا الیہ راجعون

ٹھیک سوا سات بجے دار المبلغین لکھنؤ سے جنازہ اٹھا۔ کثرت ہجوم نے کسی انتظام کو پورا نہ ہونے دیا۔ ایک میل کے لمبے راستے میں سوائے عورتوں اور مردوں کے سروں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہر طبقہ و خیال کے لوگ شریک جنازہ تھے ساڑھے آٹھ بجے امین آباد پارک میں مولانا عبدالسلام نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور دس بجے شب کے قریب محلہ چکنڈی میاں حبیب شاہؒ کے مزار کے اندر سپرد خاک کیے گئے ؎

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

حکیم محمد موسیٰ امرتسری عفی عنہ لاہور
۶ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط

(ترجمہ) تحقیق دشمنی خود اُن کے مُنہ سے ظاہر ہو گئی اور جو کچھ انکے سینوں نے پوشیدہ رکھا ہے بہت بڑھ کر ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تعالے

مذہب شیعہ کے دوسو منتخب مسائل کے سلسلہ کا پہلا رسالہ ہدایت مقالہ موسوم

اَلْاَوَّلُ مِنَ الْمأَتَیْنِ

علی

اَلْمُنْحَرِفِ عَنِ الثَّقَلَیْنِ

ملقب بہ

اِقَامَۃُ الْبُرْهَانِ

علی

اَنَّ الشِّیْعَۃَ اَعْدَاءُ الْقُرْاٰنِ

نمبر اوّل

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ تشیع کی بنیاد عداوت
قرآن پر ہے اور کسی شیعہ کا ایمان قرآن پر نہیں ہو سکتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ المصطفیٰ وعلیٰ آلہ اولی المجد والعلیٰ

حق تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہم اہل سنت وجماعت پر یہ ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں اپنی مقدس کتاب قرآن مجید کا شیدا بنایا اور اس پاک کتاب کی جو جو خدمتیں لینا تھیں بلا شرکت غیرے ہمیں سے لیں۔ اس کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا۔ اس وعدہ کے پورا کرنے کا بھی آلہ ہمیں کو بنایا۔ قرآن مجید کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیں کو کھڑا کیا۔ اور ہمارے ہی ہاتھوں سے ان کی تمام کوششوں کو رائگاں کرا دیا۔ یہ نعمت ہمیں بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کے طفیلی بننے سے ملی اس خوان نعمت کے اصلی مہمان تو وہی تھے اُن کے سوا اس خوان نعمت سے جس کو جو کچھ ملا ان کے طفیل میں ملا۔

فکن طفیلیہم علیٰ ادب فلا ادری شانعا سوی الادب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مذہب شیعہ کے دو سو مسائل کا سلسلہ جس کا میں نے وعدہ کیا تھا شروع ہوگیا، اور یہ اس سلسلہ کا پہلا رسالہ ہے۔

اگرچہ یہ بات اب پوری روشنی میں آچکی ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر قطعاً نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر متعدد کتابیں بھی میں لکھ چکا ہوں جن میں میری آخری تصنیف **تنبیہ الحائرین** ہے جو حائری صاحب مجتہد پنجاب کے مقابلہ میں لکھی گئی، یہ ایک لاجواب اور جامع کتاب ہے۔ اس مسئلہ پر امروہہ میں مجھ سے ایک

بڑے معرکہ کا مناظرہ بھی ہوا اس کی روئیداد بھی اسی زمانہ میں شائع ہو چکی، لہٰذا اب حاجت نہ تھی کہ اس مسئلہ پر کوئی اور کتاب لکھی جائے۔ لیکن مسلمانوں کی نظر میں چونکہ قرآن کریم پر ایمان نہ ہونے کی برابر کوئی عیب نہیں ہو سکتا اور مذہب شیعہ کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ قابل نفرت چیز یہی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہ دو سو مسائل کا سلسلہ جو انشاء اللہ تعالیٰ اس مذہب کا نہایت کامل فوٹو ہوگا اس مسئلہ سے خالی نہ رکھا جائے۔

اس رسالہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے تفصیل کا شوق ہو تو میری دوسری تصنیفات کو دیکھنا چاہیئے۔

واضح رہے کہ قرآن شریف کی عداوت ہی پر مذہب شیعہ کی بنیاد ہے جس شخص نے غور اور انصاف کے ساتھ مذہب شیعہ اور اس کی کتب اصول و فروع کا مطالعہ کیا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ اس مذہب کی رگ رگ میں قرآن کریم کی عداوت بھری ہوئی ہے اس مذہب کے تیز طبع مصنفوں نے قرآن شریف کے مشکوک و ناقابل اعتبار بنانے کیلئے عجیب عجیب کارروائیاں کی ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان کارروائیوں کا ایک نمایاں حصہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کے چار نمبروں میں ہدیۂ ناظرین ہوگا، اور یہ چاروں نمبر مل کر پہلا رسالہ کامل ہوگا۔ ہر نمبر ۱۶ صفحہ کا ہوگا۔ یہ پہلا نمبر ہے اس میں قرآن شریف پر شیعوں کا ایمان نہ ہونے اور نہ ہو سکنے کا بیان ہے۔

شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر کیوں نہیں ہے؟ اور کیوں نہیں ہو سکتا؟ اس کے وجوہ تو بہت ہیں مگر وہ تین وجہیں جو امروہہ کے مناظرہ میں پیش ہوئیں بہت کافی ہیں، اس وقت انہیں تین وجہوں کو کچھ اختصار اور کچھ توضیح کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف پر شیعوں کا ایمان نہ ہونے کی پہلی وجہ

مذہب شیعہ کی نہایت ضروری تعلیم جس کو ان کے مذہب کا پہلا سبق کہنا چاہئے یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام کو جھوٹا مانا جائے تینوں خلیفہ اور

ان کے بیشمار ساتھیوں کو بھی اور حضرت علیؓ اور اُن کے تین چار ساتھیوں کو بھی رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار صحابی یا بالفاظ دیگر اپنے شاگرد یا بالفاظ دیگر اپنی نبوت و دلائل نبوت کے گواہ دنیا میں چھوڑ گئے تھے، شیعہ مذہب اس تمام جماعت کو جھوٹا مانتا ہے، اس مقدس جماعت میں شیعوں نے دو گروہ قائم کئے ہیں، ایک گروہ تینوں خلیفہ اور ان کے ساتھیوں کا یہ گروہ بڑا گروہ ہے، دوسرا گروہ حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھیوں کا۔ اس گروہ میں گنتی کے پانچ آدمی بتلاتے ہیں۔ علیؓ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔ سلمانؓ فارسی۔ عمارؓ بن یاسرؓ۔ شیعوں کا بلا اختلاف یہ عقیدہ ہے کہ یہ دونوں گروہ جھوٹے تھے، پہلے گروہ کے جھوٹ کا نام انہوں نے اپنی اصطلاح میں نفاق رکھا ہے اور دوسرے گروہ کے جھوٹ کا نام تقیہ رکھا ہے، یعنی پہلا گروہ جھوٹ تو بولتا تھا مگر جھوٹ بولنے کو عبادت نہیں جانتا تھا، اور دوسرا گروہ جھوٹ بولنے کو اعلیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کا کار ثواب سمجھتا تھا۔

پس اب انصاف سے بتاؤ کہ جو فرقہ تمام صحابہ کرام کو جھوٹا جانتا ہو، اور ان میں سے ایک شخص کو بھی سچا نہ مانتا ہو کیا اُس کا ایمان قرآن شریف پر ہو سکتا ہے؟ حاشا ثم حاشا ہرگز نہیں ہو سکتا!

کیونکہ قرآن شریف بلکہ دین کی ہر چیز اسی جماعت کے ذریعہ سے اُسی کی نقل و روایت سے ہم کو اور ساری دنیا کو ملی اور ظاہر بلکہ بدیہی ہے کہ جھوٹے کی بات پر اعتبار نہیں ہو سکتا، یقین ہونا تو بڑی بات ہے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہو گیا کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن کریم پر نہیں ہو سکتا۔

تینوں خلیفہ کو خلیفہ برحق نہ ماننے کا آخری نتیجہ یہی ہے جو شیعوں کو مبارک ہے کیا خوب لکھا ہے حضرت مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء کے دیباچہ میں کہ "بہ علم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواران اصلے ست از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نہ گیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت متاصل نشود" پھر فرماتے ہیں "ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی میکند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ میخواہد"

قرآن شریف پر شیعوں کا ایمان نہ ہونے کی دوسری وجہ

اس وجہ میں تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔ (۱) تمام شیعہ اس بات پر متفق ہیں، اور کچھ علمائے اہل سنت بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قرآن شریف جو اس وقت دنیا میں موجود ہے اور ہر وقت یہی قرآن مجید مسلمانوں کے پاس رہا یہ قرآن خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے اہتمام و انتظام سے جمع ہوا اور انہیں کے ذریعہ سے تمام عالم میں پھیلا (۲) اس قرآن کی کوئی قابل وثوق تصدیق شیعوں کی کتابوں میں اُن کے ائمہ معصومین سے منقول نہیں (۳) حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق شیعوں کا بلا اختلاف یہ اعتقاد ہے کہ وہ نہ صرف مخالف دین بلکہ (معاذ اللہ) دشمن دین تھے، اور خلاف فطرت سازش کرنے میں ایسے مشاق تھے کہ ناممکن کاموں کو بھی بہ آسانی کر ڈالتے تھے، ہزاروں مختلف المزاج مختلف الاغراض اشخاص کا کسی جھوٹی بات پر متفق کر دینا یا کسی عام الوقوع واقعہ کا منکر بنا دینا عقلاً محال عادی ہے، مگر یہ تینوں خلیفہ ایسی ما فوق الفطرت طاقت رکھتے تھے کہ اس محال عادی کو بھی نہایت آسانی اور نہایت خوبی کے ساتھ کر کے دکھا دیا، مثلاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار بیشمار آدمیوں کے سامنے خصوصاً غدیر خم میں حضرت علیؓ کی خلافت اور ولیعہدی کا اعلان دیا، اور اس اعلان کے تھوڑے ہی دنوں بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، خلفائے ثلثہ نے ان تمام بے شمار آدمیوں کو اس واقعہ کے انکار پر متفق کر دیا اور سب سے کہلوا دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کی خلافت کا اعلان نہیں کیا، اور اسی قسم کے ہزاروں واقعات ہیں، علاوہ اس ما فوق الفطرت طاقت کے تینوں خلیفہ ایک بڑی پُر شوکت و با قوت سلطنت اور بڑے باعظمت تاج و تخت کے مالک بھی رہے۔

ان تینوں باتوں کو غور کرنے کے بعد انصاف سے بتاؤ کہ قرآن مجید کا کیا اعتبار رہ گیا، دین کی اتنی بڑی چیز اس دین کے دشمن کے ہاتھ سے ملے اور دشمن بھی کیسا طاقتور اور پھر اس کے بعد کاذب و خائن بھی ہو کسی دوسرے ذریعہ سے اس چیز کی تصدیق بھی نہ ہو

توکیا وہ چیز لائق اعتبار ہو سکتی ہے، اور کسی طرح یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس دشمن نے اس میں کچھ تصرف نہ کیا ہوگا؟ حاشا ثم حاشا ہرگز نہیں!

وہ زمانہ تو بالکل آغاز اسلام کا تھا، اس وقت پریس وغیرہ بھی نہ تھے، آج اگر کوئی یہودی یا آریہ قرآن شریف لکھ کر فروخت کرے، تو کوئی مسلمان اس پر اعتبار نہ کرے گا۔ نہ اس کو خریدے گا، تاوقتیکہ کسی معتبر حافظ کو دکھلا کر یا کسی صحیح نسخہ سے مقابلہ کر کے اطمینان نہ کرے۔

پس معلوم ہوا کہ کسی شیعہ کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا۔

قرآن شریف پر شیعوں کے ایمان نہ ہونے کی تیسری وجہ

اس تیسری وجہ میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔

(۱) شیعوں کی نہایت معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات ائمہ معصومین سے منقول ہیں کہ اس قرآن شریف میں پانچ قسم کی تحریف قرآن کے جمع کرنے والے صحابہ نے کر دی، قرآن کی آیتیں اور سورتیں بکثرت نکال ڈالیں۔ اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر قرآن میں بڑھادیں۔ قرآن کے الفاظ بدل دیئے۔ قرآن کے حروف بدل دیئے۔ قرآن کی ترتیب الٹ پلٹ کر دی، قرآن میں ترتیب چار قسم کی ہے، اول ترتیب سورتوں کی، دوم ترتیب آیتوں کی، سوم ترتیب الفاظ کی، چہارم ترتیب حروف کی، ان چاروں قسم کی ترتیب کے خراب ہو جانے کا بیان روایات شیعہ میں ہے۔

(۲) علمائے شیعہ نے ان روایات تحریف قرآن کے متعلق تین باتوں کا اقرار کیا ہے۔ اول یہ کہ یہ روایات متواتر ہیں اور ان کی تعداد مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہے، دوم یہ کہ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں، سوم یہ کہ انہیں روایات کے مطابق شیعہ تحریف قرآن کے معتقد بھی ہیں۔

(۳) کتب شیعہ میں آئمہ معصومین سے کوئی روایت تحریف قرآن کے خلاف منقول نہیں ہے بلکہ بہت نتیجہ خیز ہے، کہ مذہب شیعہ میں اختلافی روایات کی حالت یہ ہے کہ

علمائے شیعہ کی جان ضیق میں ہے شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی نے اساس الاصول میں اور ان سے پہلے شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی نے تہذیب و استبصار کے شروع میں لکھ دیا ہے کہ ہمارے اماموں سے کوئی حدیث ایسی منقول نہیں جس کے خلاف دوسری حدیث نہ ہو۔ کوئی مسئلہ ہمارے یہاں ایسا نہیں جس میں ائمہ معصومین سے مختلف اقوال نہ روایت کئے گئے ہوں، یہاں تک کہ ہماری احادیث و روایات کے اس اختلاف کو دیکھ کر بہت لوگ مذہب شیعہ سے پھر گئے، مولوی دلدار علی نے اساس الاصول میں یہاں تک لکھ دیا کہ اے شخص اگر تو ہمارے ائمہ معصومین کے اختلاف کو دیکھے تو ابوحنیفہ شافعی کے اختلاف سے بدرجہا زائد پائیگا[1] المختصر جس مذہب میں اختلاف روایت کی یہ حالت ہو انتہا یہ کہ مسئلہ امامت[2] وغیرہ ... امام کا مسئلہ بھی اختلاف سے نہ بچا ہو مگر تحریف قرآن کے مسئلہ میں کوئی مخالف ... کتابوں میں نہ ملے۔ العجب کل العجب۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مصنفین مذہب شیعہ کا اصل مقصد قرآن کریم کو مشکوک و مجروح کرنا تھا، عداوت قرآن ہی نے اس انوکھے مذہب کی تصنیف پر اُن کو آمادہ کیا اس لئے تحریف قرآن کے مسئلہ میں سب متفق ہو گئے۔ کوئی مخالف روایت کسی نے نہ گھڑی اس مرکز پر سب جمع ہو جاتے ہیں، اور سب ایک ہی بولی بولتے ہیں۔

(۴) شیعوں کے علمائے متقدمین اصحاب ائمہ سفرائے امام غائب ان سفرا کے اصحاب عقیدۂ تحریف قرآن کے معتقد ہیں اور اس عقیدہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا، مسئلہ امامت میں اختلاف ہو خود اصحاب ائمہ میں بعض لوگ امام کے معصوم ہونے کے قائل ہوں بعض عصمت امام کا انکار کریں، لیکن عقیدہ تحریف قرآن میں سب باہم متفق ہیں! عبرت کی آنکھ سے دیکھو تو بڑی بات ہے۔

---

[1] اصل عبارت اساس الاصول کی مناظرہ امروہہ میں پیش ہو چکی ہے جس نے مناظر شیعہ کو بدحواس کر دیا تھا اور اس سلسلہ میں آئندہ کسی رسالہ میں پھر نقل کی جائے گی۔ ۱۲

[2] مسئلہ امامت کے اختلافات ان شاء اللہ آئندہ دکھلائے جائیں گے۔ ۱۲

(۵) قدمائے شیعہ میں گنتی کے صرف چار شخص[1] تحریف قرآن کے منکر ہیں اوّل[1] شریف مرتضیٰ دوئم شیخ صدوق سوئم ابوجعفر طوسی چہارم ابو علی مصنف تفسیر مجمع البیان۔ ان چار کے سوا کوئی پانچواں شخص منکر تحریف نہیں بتایا جا سکتا۔

یہ چاروں اشخاص انکار تحریف کی سند میں کوئی روایت امام معصوم کی نہیں پیش کرتے صرف چند[2] عقلی باتیں پیش کرتے ہیں وہ بھی ایسی کہ مذہب اہل سنت کی بنا پر تو ٹھیک ہیں۔ مگر اصول شیعہ پر کسی طرح درست نہیں۔ ان چاروں اشخاص کی یہ روش دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انکار محض از راہ تقیہ ہے ورنہ پھر یہ غلط ہو جائیگا کہ مذہب شیعہ کی بنیاد ائمہ معصومین کی تعلیم پر ہے۔

ان چاروں باتوں کو ملحوظ رکھ کر اب پانچوں قسم کی تحریف کی روایتیں اور تینوں اقرار علمائے شیعہ کے ملاحظہ کیجئے۔ النجم کے مناظرہ حصۂ اول اور روئیداد مباحثۂ امروہہ علی الخصوص تنبیہ الحائرین میں ایک بڑا ذخیرہ ان روایات کا موجود ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے یہاں نمونہ کے طور پر ہر قسم کی تین تین روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔

---

[1] علمائے شیعہ کو جب سنیوں کی بے پناہ گرفت سے جان بچانے اور اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی ہوس خام پیدا ہوتی ہے تو انہیں چار میں سے کسی نہ کسی کا قول پیش کر دیتے ہیں۔ ناواقف شخص دھوکا کھا جاتا ہے، بہت سے علمائے اہل سنت ہیں جو اس دھوکے میں آ گئے، اور لکھ گئے کہ سب شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ان چار شخصوں کا قول مذہب شیعہ میں ہرگز شمار نہیں ہو سکتا۔ کیا اگر کوئی مرزائی کہے کہ میں مرزا غلام احمد کو نبی کبھی نہیں مانتا مجدد بھی نہیں جانتا، یا کوئی خارجی کہے میں حضرت علیؓ سے محبت رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تو اس کا یہ قول قابل قبول ہو گا ۱۲۔

[2] مثلاً یہ کہ قرآن معجزۂ نبوت ہے اور صحابہ کرام حافظ قرآن تھے اور بے نظیر توجہ اور اہتمام حفاظت قرآن میں انہوں نے کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ۱۲

قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں کے نکال ڈالنے کی روایات

(۱) اصول کافی صفحہ ۲۶۴ میں ہے:۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال نزل جبریل علیہ السلام علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ الآیۃ ھکذا یاایھا الذین اوتوا الکتب امنوا بما نزلنا فی علی نورا مبینا۔

امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جبرئیل نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اس طرح اُتاری تھی۔ اے اہل کتاب ایمان لاؤ، اس پر جو علیؓ کے بارہ میں ہم نے روشن نور اُتارا ہے۔

ف: یہ آیت اب قرآن شریف میں یوں ہے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ مطلب اس کا یہ ہے کہ اے اہل کتاب قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتب سماوی کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر شیعوں کے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ آیت میں فی علی نورا مبینا کے الفاظ بھی تھے، ان الفاظ کے ساتھ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے اہل کتاب علی کی فضیلت اور امامت پر ایمان لاؤ۔ مصنف نصیحۃ الشیعہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس روایت پر تعجب ہے فرماتے ہیں "یہ عجیب بات ہے کہ اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کو تو مانتے نہ تھے جو سب سے مقدم ہے باایں ہمہ امامت کا مسئلہ اُنکے سامنے پیش ہوگیا اور کل قرآن پر ایمان لانے کا حکم نہ ہوا فقط اُن آیات پر ایمان لانے کا حکم ہوا جو علی کے باب میں ہیں یہ حقیر کہتا ہے کہ تعجب کی کوئی بات نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کا سب پر مقدم ہونا شیعوں کا مذہب نہیں ہے شیعوں کے یہاں تو حضرت علی کی فرضی امامت بلکہ زرارہ وابوبصیر کی جعلی روایات پر سب کچھ قربان ہے۔

(۲) اصول کافی صفحہ ۶۷۱ میں ہے:۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو قرآن جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اُس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

ف: اب قرآن شریف میں چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں، شیعوں کے امام جعفر صادق کے ارشاد عالی سے معلوم ہوا کہ دس ہزار تین سو چوراسی آیتیں نکال ڈالی گئیں حساب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصلی قرآن

یعنی چالیس پچاس پارہ ہوں گے مشہور ہے کہ شیعہ چالیس پارہ قرآن کے قائل ہیں اس کی بنیاد غالباً یہی روایت ہے

میں نے پٹنہ میں خدا بخش خان کے مشہور کتبخانہ میں ایک حبلی قرآن قلمی شیعوں کا لکھا ہوا چالیس پارہ کا بجشم خود دیکھا ہے

(۳) کتاب احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران میں صفحہ ۱۱۹ سے لیکر صفحہ ۱۲۴ تک ایک طولانی روایت حضرت علی سے منقول ہے۔ ایک زندیق نے کچھ اعتراضات قرآن شریف پر کئے تھے ان اعتراضات کا جواب اس روایت میں ہے۔ قریب قریب ہر اعتراض کو حضرت علی نے تسلیم کرکے جواب یہ دیا ہے کہ قرآن میں تحریف ہو گئی۔ اس روایت کے چند مقامات جو کمی سے تعلق رکھتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

واما ظهورك على تناكر قوله فان خفتم الا تقسطوا فى اليتامى فانكحوا ما طاب لكم من النساء۔ وليس يشبه القسط فى اليتامى نكاح النساء فهو مما قدمت ذكره من اسقاط المنافقين من القرآن وبين القول فى اليتامى وبين نكاح النساء من الخطاب والقصص اكثر من ثلث القرآن وهذا وما اشبهه مما ظهرت حوادث المنافقين فيه لاهل النظر والتامل ووجد المعطلون واهل الملل المخالفين للاسلام مساغا الى القدح فى القرآن۔	اور اے زندیق تجھ کو جو یہ معلوم ہوا کہ الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء بے ربط ہے یتیموں کے حق میں بے انصافی عورتوں سے نکاح کر لینے کیساتھ کچھ ربط نہیں رکھتی۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ مقام بھی انہیں مقامات میں سے ہے جسکا ذکر میں نے پہلے کیا کہ منافقوں نے قرآن سے بہت کچھ نکال ڈالا فی الیتمی اور فانکحوا کے درمیان میں احکام اور قصے تھے ایک تہائی قرآن سے زیادہ تھے (وہ سب یہاں سے نکال دیئے گئے۔ لہٰذا مضمون بے ربط ہو گیا) اور یہ اور اس قسم کے بہت سے مقامات ہیں کہ صاحبان نظر کو منافقوں کا تصرف محسوس ہو جاتا ہے مگر مخالفین اسلام کو قرآن پر اعتراض کرنے کا موقع مل گیا۔

لطف یہ ہے کہ جناب امیر نے اس روایت میں جا بجا قرآن میں تحریف بتائی قرآن کے گھٹانے بڑھانے کا ذکر فرمایا مگر مقامات تحریف کو معین نہ کیا اور کہا کہ تقیہ مجھے اس سے روکتا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

ولو شرحت لك كل ما اسقط وحرف وبدل	اور اگر اے زندیق میں تجھ سے تمام وہ مضامین جو قرآن سے

مما يجرى هذا المجرى لبطال وظهر ما تحظر التقية اظهاره۔

نکال دیئے گئے اور تحریف و تبدیل کر دیئے گئے اور اسی قسم کے تصرفات کئے گئے بیان کروں تو طول ہوگا اور تقیہ جس چیز سے منع کرتا ہے وہ ظاہر ہو جائیگی۔

قرآن شریف میں انسانی کلام بڑھائے جانے کی روایات

(۱) اسی کتاب احتجاج کی روایت مذکورہ میں ہے کہ اس زندیق سے جناب امیر نے فرمایا۔

والذی بدا فی الکتاب من الازراء علے النبی صلے اللہ علیہ وسلم من فریة الملحدین۔

قرآن میں جو برائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے وہ ملحدوں کی افتراء کی ہوئی ہے۔

ف شیعوں کے جناب امیر کے نزدیک اس قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی ہے۔ نعوذ باللہ۔ شیعہ اس قسم کی روایات کی تصنیف پر مجبور تھے کیونکہ جیسے اعتراضات وہ صحابہ کرام پر کرتے ہیں ویسے اعتراضات بلاشبہ قرآن شریف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ہو سکتے ہیں مگر اہل ایمان کے نزدیک قرآن کریم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر عظمت و جلالت کا بیان ہے برائی کا نام و نشان بھی نہیں۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے فرمایا۔

انهم اثبتوا فی الکتب مالم یقله الله لیلبسوا علے الخلیقة۔

جامعین قرآن نے مخلوق کو دھوکا دینے کیلئے وہ باتیں قرآن میں بڑھا دیں جو اللہ نے نہ فرمائی تھیں۔

نیز اسی روایت میں ہے۔

ولیس یسوغ مع عموم التقیة التصریح باسماء المبدلین ولا الزیادة فی آیاته علی ما اثبتوه من تلقائهم فی الکتب لما فی ذلک من تقویة حجج اهل التعطیل والکفر والملل المنحرفة عن قبلتنا وابطال هذا العلم الظاهر الذی قد استکان به الموافق والمخالف۔

تقیہ کی ضرورت اس قدر ہے کہ نہ میں ان لوگوں کے نام بتا سکتا ہوں جنہوں نے قرآن میں تحریف کی نہ اس زیادتی کو بتا سکتا ہوں جو انہوں نے قرآن میں اپنی طرف سے بڑھائی جس سے اہل تعطیل و اہل کفر اور مذاہب مخالفین اسلام کی تائید ہوتی ہے اور اس علم ظاہر کا ابطال ہوتا ہے جس کے موافق مخالف سب قائل ہیں۔

نیز اسی روایت میں ہے کہ جناب امیر نے جمع قرآن کا قصہ اس زندیق سے یوں بیان فرمایا۔

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعلمون تاويله الى جمعه وتاويله و تضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرخ مناديهم من كان عنده شئ من القرآن فليأتنا به ووكلوا تاليفه و نظمه الى بعض من وافقهم الى معاداة اولياء الله فالفه على اختيارهم۔

پھر جب اُن منافقوں سے وہ مسائل پوچھے گئے جنکو وہ نہ جانتے تھے تو وہ مجبور ہوئے کہ قرآن کو جمع کریں اس کی تفسیر کریں اور اپنی طرف سے وہ باتیں قرآن میں بڑھا دیں جن سے انکے کفر کے ستون قائم ہوں لہذا انکے منادی نے اعلان کیا کہ جسکے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو وہ ہمارے پاس لے آئے اور ان منافقوں نے قرآن کی جمع و ترتیب کا کام اس شخص کے سپرد کیا جو دوستانِ خدا کی دشمنی میں ان کا ہم خیال تھا اس نے انکی پسند کے موافق قرآن کو جمع کیا۔

پھر اسی مضمون کے سلسلہ میں جناب امیر نے فرمایا۔

وزاد وافيه ما ظهر تناكره و تنافره۔

اور بڑھا دیں انہوں نے قرآن میں وہ باتیں جن کا خلاف فصاحت ہونا اور قابلِ نفرت ہونا ظاہر تھا۔

ف شیعوں کے جناب امیر کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے دین کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں، مذاہب باطلہ کی تائید ہوتی ہے اور اس میں خلاف فصاحت و بلاغت عبارتیں بھی ہیں۔ استغفر اللہ۔

(۲) تفسیر صافی میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:۔

لولا انه زيد فى القرآن ونقص ما خفى حقنا على ذى حجى۔

اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کی گئی ہوتی تو ہمارا حق کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ ہوتا۔

قرآن شریف کے الفاظ بدلے جانے کی روایتیں

(۱) اصول کافی صفحہ ۲۶۸ میں ہے:۔

قرأ رجل عند ابى عبد الله عليه السلام قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ فقال ليس هكذا انزلت انما هى والمأمونون

ایک شخص نے امام جعفر صادق کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ تو امام نے فرمایا اس طرح نہیں نازل ہوئی مومنوں کے

فنحن المامونون ۔ بجائے مامونون کا لفظ تھا اور مامونون ہم لوگ ہیں ۔

(۲) تفسیر قمی میں ہے جس کے مصنف امام حسن عسکری کے شاگرد خاص ہیں ۔

واما ما کان خلاف ما انزل الله فهو قوله تعالیٰ کنتم خیر امة اخرجت للناس الآیة قال ابو عبدالله علیه السلام لقاری هذه الآیة خیر امة یقتلون امیر المومنین والحسین بن علی فقیل له فکیف نزلت فقال انما نزلت ائمة اخرجت للناس ۔

اور وہ چیزیں جو قرآن موجودہ میں خلاف ما انزل اللہ میں وہ ایک یہ ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کے پڑھنے والے سے فرمایا کہ واہ کیا اچھی امت ہے کہ امیر المومنین کو اور حسین بن علی کو قتل کر دیا پوچھا گیا کہ یہ آیت کس طرح نازل ہوئی تھی امام نے فرمایا کہ خیر ائمة اخرجت للناس نازل ہوئی تھی ۔

ف یعنی آیت میں اصل لفظ ائمہ تھا بجائے اس کے اُمۃ کر دیا گیا۔ آیت قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ سب امتوں سے بہتر ہو امام جعفر صادق نے اس مطلب کو غلط قرار دیا کہ جن لوگوں نے علی اور حسین کو قتل کیا وہ کس طرح بہتر ہو سکتے ہیں حالانکہ آیت میں خطاب صحابہ کرام سے ہے نہ قاتلان حسین سے ۔

(۳) احتجاج کی مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ جناب امیر نے فرمایا :۔

ان الکنایة عن اسماء ذوی الجرائم العظیمة من المنافقین لیست من فعله تعالیٰ وانها من فعل المغیرین والمبدلین الذین جعلوا القرآن عضین واعتاضوا الدنیا من الدین ۔

بڑے بڑے جرم والے منافقوں کے ناموں کا کنایات میں ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ اُن تحریف کرنے والوں کی کارروائی ہے جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا ۔

ف قرآن شریف میں کافروں اور منافقوں کا ذکر نام کے ساتھ نہیں ہے مثلاً ومن الناس من یقول بعض لوگ ایسا کہتے ہیں یا لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا اے کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا زندیق نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا گیا شیعوں کے جناب امیر فرماتے ہیں کہ خدا نے تو ان مقامات میں نام ذکر کئے تھے مگر جامعین قرآن نے بجائے نام کے اشارات وکنایات کے الفاظ رکھ دیئے ۔

قرآن شریف کے بدلنے کی روایات

(۱) تفسیر صافی صفحہ ۱۲ میں ہے :۔

في المجمع في قراءة اهل البيت جاهد الكفار بالمنافقين وفيه عن الصادق انه قرأ جاهد الكفار بالمنافقين قال ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لم يقاتل منافقا قط انما كان يتالفهم. والقمي ايضاً انما نزلت يا ايها النبي جاهد الكفار بالمنافقين.

مجمع البیان میں ہے کہ اہل بیت کی قرأت میں جاھد الکفار بالمنافقین ہے نیز مجمع البیان میں امام صادق سے منقول ہے کہ انہوں نے جاھد الکفار بالمنافقین پڑھا اور کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی منافق سے قتال نہیں کیا بلکہ منافقوں کی تالیف کرتے تھے اور قمی میں ہے کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی تھی کہ یا ایھا النبی جاھد الکفار بالمنافقین۔

(۲) تفسیر صافی صفحہ ۱۲ میں ہے:۔

قرئ على ابي عبد الله عليه السلام واجعلنا للمتقين اماما فقال ابو عبد الله سألوا الله عظيما ان يجعلهم للمتقين اماما فقيل له يا ابن رسول الله كيف نزلت قال واجعل لنا من المتقين اماما.

امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی،۔ واجعلنا للمتقین اماما تو امام نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ سے بڑی سخت درخواست کی کہ ان کو متقیوں کا امام بنا دے کہا گیا کہ اے فرزند رسول یہ آیت کس طرح نازل ہوئی تھی، فرمایا واجعل لنا من المتقین اماما یعنی متقیوں سے کوئی امام ہمارے لئے بنا دے۔

ف شیعوں نے شریعت الٰہیہ کو درہم برہم کرنے کیلئے اور ختم نبوت کے انکار کے لئے مسئلہ امامت ایجاد کیا کہ امام ہر بات میں مثل نبی کے ہوتا ہے پھر امامت بھی بارہ میں منحصر کر دی قرآن مجید کی آیت مذکورہ میں اُن کو یہ اشکال نظر آیا کہ امام بننے کی دعا اس آیت میں تعلیم دی گئی ہے معلوم ہوا کہ ہر شخص امام بن سکتا ہے، لہٰذا انہوں نے یہ روایت تصنیف کر دی کہ اصل آیت یوں تھی نعوذ باللہ من ذلک۔

(۳) کافی کتاب الروضہ صفحہ ۱۴۲ میں ہے:۔

عن الرضا عليه السلام فانزل الله سكينته على رسوله وعلى علي وايده بجنود لم تروها قلت هكذا قال هكذا نقرأها وهكذا تنزيلها.

امام رضا علیہ السلام سے آیت غار اس طرح منقول ہے کہ اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسول پر اور علی پر اُتارا (راوی کہتا ہے) میں نے کہا یہ آیت اس طرح ہے امام نے کہا ہم اسی طرح پڑھتے ہیں اور اسی طرح نازل ہوئی تھی۔

ف آج قرآن شریف میں سکینۃ علیہ ہے امام رضا کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ ضمیر کے بجائے رسول وعلی کا نام تھا جامعین قرآن نے نکال ڈالا۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کا بیان ہے حضرت ابوبکر صدیق رض کی بے نظیر فضیلت اس آیت سے ثابت ہو رہی ہے۔ سفر ہجرت میں وہی خدا کے رسولؐ کے رفیق تھے۔ انہیں پر خدا نے اپنا سکینہ اتارا۔ سوا حضرت صدیق کے صحابہ کرام میں کوئی ایسا نہیں جس کی جانثاری و رفاقت کا تذکرہ اس شان کے ساتھ قرآن شریف میں ہو۔ شیعہ اس آیت کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ ہمارے خانہ ساز مذہب کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ لہٰذا فوراً اس آیت کے محرف ہونے کی روایت گڑھ دی۔

علمائے شیعہ کے تینوں اقرار

خرابی ترتیب کی روایات بغرض اختصار ہم نے درج نہیں کیں ان تینوں اقراروں کے ضمن میں انشاء اللہ تعالیٰ اُس کا ثبوت ہو جاوے گا۔

(۱) علامہ نوری طبرسی اپنی کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران کے صفحہ ۲۱۱ میں فرماتے ہیں۔

الاخبار الکثیرۃ المعتبرۃ الصریحۃ فی وقوع السقط ودخول النقصان فی الموجود من القرآن زیادۃ علے مامر فی ضمن الادلۃ السابقۃ وانہ اقل من تمام مانزل اعجازا علے قلب سید الانس والجان من غیر اختصاصہا بایۃ اوسورۃ وھی متفرقۃ فی الکتب المعتبرۃ التی علیہا المعول عند الاصحاب جمعت ماعثرت علیہا فی ھذا الباب۔	بہت سی معتبر حدیثیں جو صاف بتا رہی ہیں کہ قرآن موجود میں کمی ہو گئی اور نکال ڈالا گیا علاوہ اس کے جو دلائل سابقہ کے ضمن میں گذر چکا اور یہ قرآن مقدار نزول سے جو بطور اعجاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نزول ہوا تھا بہت کم ہے کسی آیت یا سورت کی تخصیص نہیں اور یہ حدیثیں اُن معتبر کتابوں میں ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا اعتبار ہے جس قدر حدیثیں مجھے ملیں میں نے اس باب میں جمع کر دی ہیں۔

اس کے بعد ملۂِ شرت کتابوں کے نام بتاتے ہیں اور روایات تحریف کے انبار لگا دیئے ہیں۔

(۲) نیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۰ میں ہے:۔

قال السید المحدث الجزائری فی الانوار ما معناه ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة بل المتواترة الدالة بصریحها علی وقوع التحریف فی القرآن کلاما و مادة و اعرابا والتصدیق بها۔

سید محدث نعمۃ اللہ جزائری نے کتاب الانوار میں لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امامیہ کا اتفاق اس بات پر ہے کہ وہ مستفیض بلکہ متواتر حدیثیں جو قرآن کی تحریف پر صریح دلالت کرتی ہیں صحیح ہیں اور یہ تحریف کلام میں بھی ہے مادہ میں بھی ہے اعراب میں بھی ہے۔ ان احادیث کی تصدیق پر سب متفق ہیں۔

(۳) نیز اسی کتاب کے صفحہ ۲۷ میں ہے:۔

وهی کثیرة جدا حتی قال السید نعمة الله الجزائری فی بعض مؤلفاته کما حکی عنه ان الاخبار الدالة علی ذلك تزید علی الفی حدیث وادعی استفاضتها جماعة کالمفید والمحقق الداماد والعلامة المجلسی وغیرهم بل الشیخ ایضا صرح فی التبیان بکثرتها بل ادعی تواترها جماعة یاتی ذکرهم۔

تحریف قرآن کی حدیثیں بہت ہیں یہاں تک کہ سید نعمۃ اللہ جزائری نے اپنی بعض تصنیفات میں جیسا کہ ان سے منقول ہے لکھا ہے کہ تحریف کی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں اور ایک جماعت نے ان روایات کے مستفیض ہونے کا دعویٰ کیا ہے مثل مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہم کے بلکہ شیخ نے تبیان میں ان روایات کے کثیر ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ ایک جماعت نے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ان لوگوں کا ذکر آئندہ ہوگا۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:۔

واعلم ان ذلك الاخبار منقولة من الکتب المعتبرة التی علیها معول اصحابنا فی اثبات الاحکام الشرعیة والآثار النبویة۔

جاننا چاہیئے کہ یہ حدیثیں ان معتبر کتابوں سے منقول ہیں جن پر ہمارے اصحاب کا احکام شرعیہ اور احکام نبویہ کے ثابت کرنے میں دارومدار ہے۔

(۴) اسی کتاب کے آخر میں علامہ مجلسی کا ذیل قول یوں منقول ہے۔

وعندی ان الاخبار فی هذا الباب متواترة معنی وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار راسا بل ظنی ان الاخبار فی هذا الباب لا یقصر عن اخبار الامامة فکیف یثبتونها بالخبر۔

میرے نزدیک تحریف قرآن کی حدیثیں متواتر ہیں اور ان سب کے غیر معتبر قرار دینے سے فن حدیث سے اعتبار جاتا رہیگا بلکہ میرا خیال ہے کہ تحریف قرآن کی روایات مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں ہیں اگر یہ رد کیا تا قابل اعتبار ہوں تو مسئلہ امامت کو کس طرح روایات سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(۵) پھر یہی علامہ نوری فصل الخطاب کے صفحہ ۹۷ میں فرماتے ہیں:۔

كان لامير المؤمنين عليه السلام قرآنا
مخصوصا جمعه بنفسه بعد وفات رسول الله
صلى الله عليه وسلم وعرضه على القوم
فاعرضوا عنه فحجبه عن اعينهم وكان ولده
عليهم السلام يتوارثونه امام عن امام كسائر
خصائص الامامة وخزائن النبوة
وهو عند الحجة عجل الله فرجه يظهره
للناس بعد ظهوره ويأمرهم بقراءته
وهو مخالف لهذا القرآن الموجود من حيث
التاليف وترتيب السور والآيات بل
الكلمات ايضا ومن جهة الزيادة والنقيصة
وحيث ان الحق مع علي عليه السلام وعلي
مع الحق ففي القرآن الموجود تغيير من جهتين
وهو المطلوب۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا ایک قرآن مخصوص تھا جو خود انہوں
نے بعد وفات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع کرکے
صحابہ کے سامنے پیش کیا تھا، مگر انہوں نے اس سے مُنہ
پھیرا، لہٰذا جنابِ امیر نے اس کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا
اور وہ ان کی اولاد کے پاس رہا ایک امام سے دوسرے امام کو مثل
اور خصائص امامت و خزائن نبوت کے میراث میں ملتا رہا
اور اب وہ امام مہدی کے پاس ہے۔ جب وہ ظاہر ہوں
گے تو اس کو نکال لیں گے اور لوگوں کو اس کے پڑھنے کا
حکم دیں گے، اور وہ قرآن اس موجودہ قرآن سے ترتیب
سور و آیات بلکہ ترتیب الفاظ میں بھی مخالف ہے اور
کمی بیشی کے لحاظ سے بھی اور چونکہ حق علی کے ساتھ ہے
اور علی حق کے ساتھ ہیں اس لئے ثابت ہو گیا کہ
قرآن موجودہ میں دونوں قسم کی تحریف ہے اور
یہی مقصود ہے

(٦) تفسیر صافی کے دیباچہ میں ہے:۔

واما اعتقاد مشايخنا رحمهم الله في ذلك
فالظاهر من ثقة الاسلام محمد بن يعقوب
الكليني طاب ثراه انه كان يعتقد التحريف
والنقصان في القرآن لانه روى روايات
في هذا المعنى في كتابه الكافي ولم يتعرض
لقدح فيها مع انه ذكر اول الكتاب انه كان
يثق بما رواه فيه وكذلك استاذه علي
بن ابراهيم القمي فان تفسيره مملو منه

اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ اس بارہ میں یہ ہے کہ محمد بن
یعقوب کلینی قرآن کی تحریف و نقصان کے قائل تھے
کیونکہ انہوں نے تحریف کی روایتیں اپنی کتاب کافی میں
لکھی ہیں اور ان پر جرح نہیں کی حالانکہ انہوں نے شروع
کتاب میں تصریح کی ہے کہ جس قدر روایات اس کتاب
میں ہیں سب ان کے نزدیک معتبر ہیں اور اسی طرح انکے
استاذ علی بن ابراہیم قمی کہ ان کی تفسیر روایات تحریف سے بھری
ہے اور ان کو اس میں غلو ہے، اور اسی طرح

وله غلو فيه وكذلك الشيخ احمد بن ابى طالب الطبرسى۔ شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی۔

علامہ نوری طبرسی نے ایک لمبی فہرست بھی اپنے علماء کے ناموں کی دی ہے جنہوں نے تحریف قرآن پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اس فہرست کو ہم تنبیہ الحائرین میں نقل کر چکے ہیں۔

(۷) دور آخر کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب عماد الاسلام میں فرماتے ہیں، ہم ان کی عبارت استقصاء الافحام سے نقل کرتے ہیں:۔

قال آية الله فى العالمين احله الله دار السلام فى عماد الاسلام بعد ذكر نبذ من احاديث التحريف المأثورة عن سادات الانام عليهم الاف التحية والسلام مقتضى تلك الاخبار ان التحريف فى الجملة فى هذا القرآن الذى بين ايدينا بحسب زيادة بعض الحروف ونقصانه بل بحسب بعض الالفاظ وبحسب الترتيب فى بعض المواضع قد وقع بحيث لا يشك فيه مع تسليم تلك الاخبار۔

آیۃ اللہ فی العالمین یعنی مولوی دلدار علی نے عماد الاسلام میں چند احادیث تحریف کی جو سرداران خلق یعنی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے مروی ہیں نقل کر کے فرمایا ہے کہ ان احادیث کا مقتضی یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف اس قرآن میں جو ہمارے سامنے ہے ضرور ہوگئی ہے بلحاظ زیادہ اور کم ہو جانے بعض حروف کے بلکہ بعض الفاظ کے اور بلحاظ ترتیب کے بھی بعض مقامات میں ان احادیث کے تسلیم کر لینے کے بعد اس میں کچھ شک نہیں کیا جا سکتا۔

عبارت منقولہ کے بعد تحریف قرآن کی کچھ صورتیں بھی مولوی دلدار علی صاحب نے بیان فرمائی ہیں منجملہ ان کے ایک نفیس بات قابل داد یہ لکھی ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی پورا قرآن امت کو دیا ہی نہیں صحابہ کے خوف سے بہت سی آیتیں آپ نے چھپا ڈالیں جس قدر قرآن کا ظاہر کرنا آپ کو مصلحت معلوم ہوا اسی قدر آپ نے صحابہ کو دیا باقی سب تقیہ کی نذر ہو گیا، اصل عبارت عماد الاسلام کی ہم ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں:۔

ومنها انه معلوم من حال النبى كما لا يخفى على المتفحص الزكى ذى حدث الصائب

منجملہ تحریف کی صورتوں کے ایک یہ ہے کہ نبی کا حال معلوم ہے اور سمجھ دار ذہین آدمی جو تلاش کرے اس پر

انه مع كمال رغبته على تخليفه عليا كان
في غاية التقية من قومه ولهذا عندي
دلائل وأمارات لا يسع المقام ذكرها فيحتمل
عند العقل ان النبي حفظا لبيضة الاسلام
الظاهري ادرع القرآن النازل المشتمل
على نصوص اسماء الائمة واسماء المنافقين
مثلا عند محارم اسراره كعلي بامر الله
لئلا يرتد القوم باسرهم لما علم من حالهم
عدم احتمال ذلك واظهر هو بقدر ما
علم المصلحة في اظهاره ولما كانوا
هم الباعثين للنبي على ذلك كان
الاسناد اليهم في محله۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ باوجودیکہ نہایت رغبت
اس بات کی رکھتے تھے کہ علی کو اپنا خلیفہ بنائیں مگر
اپنی قوم کی طرف سے بہت تقیہ کرتے تھے اس بات
کیلئے میرے پاس دلائل وعلامات ہیں پس یہ احتمال
قرین عقل کے ہے کہ نبی نے اسلام ظاہری کی حفاظت کے
لئے بحکم خدا اصلی قرآن جس میں ائمہ کے نام اور منافقوں کے نام
کی آیتیں تھیں اپنے محرم راز مثلاً علی کے پاس ودیعت رکھوا
دیا تاکہ تمام لوگ مرتد نہ ہوجائیں کیونکہ آپ کو ان کا
حال معلوم تھا کہ وہ ان آیات کی برداشت نہ
کرسکیں گے اور آپ نے صرف اسی قدر قرآن ان پر
ظاہر کیا جس کا ظاہر کرنا آپ کے نزدیک قرین مصلحت
تھا اور چونکہ اصلی قرآن کے چھپا ڈالنے کا سبب صحابہ تھے اس
لئے یہ کہنا کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کردی بالکل صحیح ہے۔

(۸) امام الشیعہ مولوی حامد حسین لکھنوی نے استقصاء الافحام جلد اول میں جابجا اقرار کیا ہے کہ تحریف قرآن کی روایات کتب شیعہ میں بہت ہیں اور وہ تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں از انجملہ صفحہ ۹ پر یہ ہے "در ورود روایات تحریف قرآن بطریق اہل حق" صفحہ ۱۰ میں ہے "اگر بیچارہ شیعے بمقتضائی احادیث کثیرہ اہل بیت طاہرین معرحہ بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف ونقصان بر زبان آرد ہدف سہام طعن و ملام ومورد استہزاء وتشنیع گردد" صفحہ ۳۶۴ میں ہے "اگر اہل حق از حافظان اسرار الٰہی وحاملان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہداۃ اسلام وائمہ انام اند روایت کنند احادیثے را کہ دال است برآنکہ در قرآن شریف مبطلین ذیل ضلال تحریف نمودند وتصحیف بعمل آوردند واصل قرآن کما انزل نزد حافظان شریعت موجود ست کہ دریں صورت اصلا بر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نقصے وطعنے عائد نمی شود فریاد و فغان آغاز کنند" نمونہ کے طور پر کتب شیعہ سے روایات تحریف قرآن اور ان کے علماء کے تینوں اقرار منقول ہوچکے۔ اب اہل انصاف واہل بصیرت خود فیصلہ کریں کہ آیا شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

پہلی دو وجہوں کا جواب تو نہ کوئی شیعہ دے سکتا ہے نہ دیتا ہے البتہ اس تیسری وجہ کے جواب میں کتب اہل سنت سے کچھ روایات نسخ کی نکال کر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تحریف قرآن تو اہل سنت کی کتب سے بھی ثابت ہے مطلب یہ کہ قرآن پر اپنا ایمان نہ ہونا تو انہوں نے تسلیم کر لیا مگر اس جرم میں اپنے ساتھ اہل سنت کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ان سے کہنا چاہیے کہ پہلی دو وجہوں کا جواب دیں اور کتب اہلسنت سے جو روایات انہوں نے نقل کی ہیں، ان روایات کے ساتھ تینوں اقرار بھی ہمارے علماء کے نقل کریں۔ اس مطالبہ کے سنتے ہی بڑے سے بڑا مجتہد شیعوں کا مبہوت ہو جاتا ہے۔

اہل سنت کی روایات کی بحث النجم کے مناظرہ حصہ اول میں اور تنبیہ الحائرین میں مفصل ہو چکی ہے اور خود علمائے شیعہ کا اقرار بھی دکھا دیا گیا ہے کہ یہ روایات تحریف کی نہیں ہیں بلکہ نسخ کی ہیں شیعوں نے قرآن شریف کی عداوت میں صرف یہی نہیں کیا کہ اس کے مشکوک بنانے کی کوشش میں اپنی عمریں برباد کر دیں ہزارہا روایتیں تحریف کی گڑھیں بیسیوں کتابیں تصنیف کیں، بلکہ انہوں نے عداوت قرآن میں اور بھی بہت سی کارروائیاں کی ہیں جن میں سے کچھ اس رسالہ کے بقیہ نمبروں میں مذکور ہوں گی۔

شیعوں کی ان تمام کارروائیوں کے دیکھنے کے بعد روز روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ بے شک مذہب شیعہ کی بنیاد عداوت قرآن پر ہے۔

هذا آخر الكلام في هذا المقام والحمد لله رب العالمين

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ط

(ترجمہ) کیا تم لیتے ہو اس چیز کو جو ادنیٰ ہے بعوض اس چیز کے جو بہتر ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی

کہ مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا پہلا رسالہ ہدایت مقالہ

اَلْاَوَّلُ مِنَ الْمِائَتَیْنِ

علی

الْمُنْحَرِفِ عَنِ الثَّقَلَیْنِ

(نمبر دوم ملقب بہ)

قَطْعُ الْوَتِیْنِ

من

الَّذِیْ یَسْتَبْدِلُ الشَّکَّ بِالْیَقِیْنِ

جس میں کتب معتبرہ شیعہ سے دکھلایا گیا ہے کہ ترک قرآن کے بعد اپنے دین کے کیا کیا ماخذ انہوں نے ایجاد کئے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ العزیز ذی الانتقام، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الرسل خیر الانام، وعلی الکرام آلہ وصحبہ

امابعد، ۲۱ صفر سنہ رواں کے پرچہ میں مذہب شیعہ کے دوسو موعودہ مسائل کا سلسلہ بعونہ تعالیٰ شروع ہو گیا تھا، اس سلسلہ کا پہلا رسالہ جس میں قرآن مجید کے ساتھ شیعوں کی عداوت کا بیان ہے چار نمبروں پر تقسیم کیا گیا تھا، پہلا نمبر شائع ہو چکا۔ پے در پے سفروں کے باعث اس سلسلہ میں فترت واقع ہوئی بقیہ تین نمبر کی اشاعت بھی تاخیر میں پڑ گئی۔ اب یہ دوسرا نمبر ہدیہ ناظرین ہے خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے ایسا کرے کہ اب یہ سلسلہ برابر جاری رہے اور اس کے ساتھ سلسلہ تفسیر آیات کا بھی چلتا رہے۔

اس دوسرے نمبر میں ہم یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ ترک قرآن کے بعد مذہب شیعہ کے مصنفوں نے اپنے دام افتادوں کو قرآن کریم کے بدلہ میں کیا دیکر بہلایا اور سبائیہ کمیٹی کے چلتے پرزوں نے سادہ لوحوں کو کیسے کیسے سبز باغ دکھلائے بجائے قرآن شریف کے کیا کیا ماخذ دین و مذہب کے تصنیف کئے۔

اپنے خیال میں تو انہوں نے عقل کے دشمنوں کو یہ باور کرا دیا کہ ایک قرآن ہم نے تم سے چھڑایا، اور اس سے بہتر و برتر متعدد چیزیں تم کو دیں مگر صاحبان عقل خوب سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کیا لیا اور کیا دیا، یقین سے ان کو بے بہرہ کیا، اور شکوک و اوہام کی زنبیل ان کے ہاتھ میں دی گوہر بے بہا ان کا ضائع کیا اور چند خزف ریزے ان کو پکڑا دیئے کتاب اللہ سے ان کو بے تعلق کیا، اور تلبیسات کا طومار ان کے سروں پر لاد دیا بالکل وہی کیفیت جو بنی اسرائیل کی قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے کہ ان کو بے تردد بے مشقت بڑے اطمینان سے من و سلویٰ مل رہا تھا۔ مگر انہوں نے فریب ابلیس میں آ کر بجائے اس نعمت کے پیاز اور لہسن وغیرہ مانگا اس پر

موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ اَتَستَبدِلُونَ الَّذِی هُوَ اَدنٰی بِالَّذِی هُوَ خَیرٌ مگر جب انسان کی شامت آتی ہے تو اس پر کسی کی نصیحت اثر نہیں کرتی آخر اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔

شیعوں نے قرآن کریم سے قطع تعلق کے بعد اپنے لئے دوسرے دوسرے ماخذ دین کے بہت سے تصنیف فرمائے ہیں مثلاً صحیفہ، جفر، جامعہ، مصحف فاطمہ، کتاب علی، کتاب شب قدر، نجوم یا جوتش، وحی حقانی۔

اب ان سب چیزوں کا بیان شیعوں کی معتبر کتابوں سے سنئے۔ مذہب شیعہ میں سب سے زیادہ معتبر کتاب کافی ہے پہلے اسی کی روایت دیکھئے۔

اصول کافی ص ۱۲۶ مطبوعہ نولکشور میں ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ بَابٌ فِیهِ ذِکرُ الصَّحِیفَةِ وَالجَفرِ وَالجَامِعَةِ وَمُصحَفِ فَاطِمَةَ عَلَیهَا السَّلَامُ۔

اس باب کی پہلی روایت یہ ہے:۔

عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ[1] قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عَنْ مَسْئَلَةٍ اَهٰهُنَا[2] اَحَدٌ یَسْمَعُ کَلَامِیْ قَالَ فَرَفَعَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ سِتْرًا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ بَیْتٍ اٰخَرَ فَاطَّلَعَ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ یَااَبَا مُحَمَّدٍ سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ

ابوبصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا تو میں نے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں ایک مسئلہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں یہاں کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو میری بات سن رہا ہو تو امام جعفر صادق نے پردہ جو ان کے اور دوسرے مکان کے درمیان میں تھا، اٹھایا اور اس میں جھانک کر دیکھا پھر کہا کہ اے ابو محمد کوئی نہیں ہے جو جی چاہے پوچھو ابوبصیر

---

[1] سبائیہ کمیٹی جو کوفہ میں قائم تھی، چند چلتے پرزے اس کمیٹی کے روح رواں تھے ان ہی کی روایات پر مذہب شیعہ کا دار و مدار ہے۔ ان میں ابوبصیر صاحب ایک بڑے بھاری بزرگ ہیں۔ یہ صاحب بزرگان اہل بیت پر افترا پردازی میں بڑے مشاق تھے، فروع کافی جلد دوم ص۱۶۱ میں ہے کہ یہ صاحب شراب میں پانی ملا کر نوش فرماتے تھے، اور کہتے تھے آل محمد نے ہمیں اجازت دی ہے تنقیح رجال کشی مطبوعہ ایران ص۱۱۱ میں کہ ایک مرتبہ یہ صاحب جناب امام جعفر صادق سے ملنے گئے جب اندر آنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میرے ساتھ طبق ہوتا تو یقیناً اجازت مل جاتی اس پر ایک کتا آیا اور ابوبصیر کے منہ میں پیشاب کر گیا۔ پھر امام جعفر صادق کے بعد امام موسیٰ کاظم کے ایک فتوی کو غلط بتایا اور کہا کہ ابھی ان کا علم کامل نہیں ہوا۔ ۱۲

[2] یہ وہی چلتا ہوا فقرہ ہے جو شیعہ راویوں کی افترا پردازی کا دیباچہ تھا، یہ لوگ کہتے تھے کہ امام اپنی اصلی باتیں ہم کو تنہائی میں بتاتے ہیں کسی کے سامنے ہم ان سے کچھ پوچھتے ہیں تو وہ ہمیں جھوٹے مسائل بتا کر ٹال دیتے ہیں اسی واسطے ابوبصیر نے کہا کہ یہاں کوئی سنتا تو نہیں۔ ۱۲

فِدَاكَ إِنَّ شِيعَتَكَ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَ عَلِيًّا بَابًا يُفْتَحُ لَهُ مِنْهُ أَلْفُ بَابٍ فَقَالَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ عَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا بَابًا يُفْتَحُ لَهُ مِنْهُ أَلْفُ بَابٍ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ عَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ أَلْفَ بَابٍ يُفْتَحُ مِنْ كُلِّ بَابٍ أَلْفُ بَابٍ قَالَ قُلْتُ هٰذَا وَاللهِ الْعِلْمُ قَالَ فَنَكَتَ سَاعَةً فِي الْأَرْضِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ لَعِلْمٌ وَمَا هُوَ بِذَاكَ قَالَ ثُمَّ قَالَ وَإِنَّ عِنْدَنَا الْجَامِعَةَ وَمَا يُدْرِيهِمْ مَا الْجَامِعَةُ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ وَمَا الْجَامِعَةُ قَالَ صَحِيفَةٌ طُولُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِمْلَائِهِ مِنْ فَلْقِ فِيهِ وَخَطِّ عَلِيٍّ بِيَمِينِهِ فِيهَا كُلُّ حَلَالٍ وَحَرَامٍ وَكُلُّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ

کہتے ہیں میں نے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ کے شیعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ایک دروازہ علم کا ایسا بتلایا تھا جس سے ہزار دروازہ کھل جاتے ہیں، امام جعفر صادق نے کہا کہ اے ابو محمد کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو فقط ایک دروازہ علم کا ایسا بتلایا تھا جس سے ہزار دروازہ ان کیلئے کھل جاتے ہیں، پھر فرمایا کہ اے ابو محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علی علیہ السلام کو ہزار دروازہ بتلائے تھے جن کے ہر دروازہ سے ہزار ہزار دروازہ کھلتے ہیں۔

ابو بصیر کہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ خدا کی قسم بڑا علم ہے تو امام نے کچھ دیر زمین کو کریدا (غور و فکر کی حالت میں انسان ایسا کرتا ہے) پھر فرمایا ہاں یہ علم تو ہے مگر بڑا علم تو نہیں ہے پھر امام نے کہا کہ یہ تحقیق ہمارے پاس جامعہ ہے[1] امام حسن کی اولاد کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا چیز ہے میں نے کہا کہ آپ پر فدا ہو جاؤں جامعہ کیا چیز ہے امام نے فرمایا ایک کتاب ہے جس کی لمبائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گز سے ستر گز ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے منہ کی بولی ہوئی اور علی کے داہنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اس کتاب میں تمام حلال و حرام کی باتیں ہیں اور تمام وہ چیزیں ہیں جنکی لوگوں کو

---

[1] عربی عبارت میں ضمیر ہے وہ ضمیر امام حسن کی اولاد کی طرف پھرتی ہے۔ کیونکہ اسی باب کی دوسری روایت میں صاف تصریح انکی ہے امام نے انکو حسد طالب دنیا منکر حق فرمایا ص۱۴۲ میں ہے بل لکنهم یحملهم الحسد وطلب الدنیا علی الجحود والانکار [illegible] میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا میں نے مصحف فاطمہ کو دیکھا اس میں امام حسن کی اولاد کی امامت کا بالکل ذکر نہیں پایا برا ہو اس مسئلہ امامت کا جس کی بدولت امام زادے آپس میں لڑتے ہیں بھائی بھائی کا دشمن ہے کیا یہی لوگ دین کے سرتاج ہیں جو اپنے گھر ہی میں اس طرح لڑتے ہیں۔ ع شنیدم کہ مردان راہ خدا ÷ دل دشمنان ہم نکردند تنگ ÷ ترا کے میسر شود این مقام ÷ کہ با ابن عمت خلاف ست و جنگ ÷

إِلَيْهِ النَّاسُ حَتَّى الْأَرْشُ فِي الْخَدْشِ وَضَرَبَ بِيَدِهِ فَقَالَ لِي تَأْذَنُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ إِنَّمَا أَنَا لَكَ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ قَالَ فَغَمَزَنِي بِيَدِهِ وَقَالَ حَتَّى أَرْشُ هَذَا كَأَنَّهُ مُغْضَبٌ قَالَ قُلْتُ هَذَا وَاللَّهِ الْعِلْمُ قَالَ إِنَّهُ لَعِلْمٌ وَلَيْسَ بِذَاكَ۔

ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ وَعِنْدَنَا الْجَفْرُ وَمَا يُدْرِيهِمْ مَا الْجَفْرُ قَالَ قُلْتُ وَمَا الْجَفْرُ قَالَ وِعَاءٌ مِنْ أَدَمٍ فِيهِ عِلْمُ النَّبِيِّينَ وَالْوَصِيِّينَ وَعِلْمُ الْعُلَمَاءِ الَّذِينَ مَضَوْا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ قُلْتُ إِنَّ هَذَا هُوَ الْعِلْمُ قَالَ إِنَّهُ لَعِلْمٌ وَلَيْسَ بِذَاكَ

ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ وَإِنَّ عِنْدَنَا لَمُصْحَفَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَمَا يُدْرِيهِمْ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ قَالَ مُصْحَفٌ فِيهِ مِثْلُ قُرْآنِكُمْ هَذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاللَّهِ مَا فِيهِ

حاجت رہتی ہے یہاں تک کہ کسی کا بدن کسی سے چھل جائے اسکی دیت بھی اس میں ہے اور امام نے اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا اے ابو محمد تم مجھے اجازت دیتے ہو (کہ میں تمہارے بدن میں کچھ کروں) میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں میں تو آپ ہی کا ہوں آپ جو جی چاہے کیجئے امام نے غصہ کیساتھ اپنے ہاتھ سے میرے جسم کو دبایا اور فرمایا کہ اس کی دیت بھی اس کتاب میں ہے میں نے کہا واللہ علم ہے۔ امام نے فرمایا ہاں علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے،

پھر امام جعفر صادق تھوڑی دیر چپ رہے پھر فرمایا اور ہمارے پاس جفر ہے، مگر لوگوں کو کیا خبر کہ جفر کیا چیز ہے میں نے پوچھا کہ جفر کیا چیز ہے امام نے فرمایا چمڑے کا ایک ظرف ہے جس میں نبیوں کا اور وصیوں اور بنی اسرائیل کے تمام علمائے سابقین کا علم بھرا ہوا ہے، ابو بصیر کہتا ہے میں نے کہا۔ البتہ یہ علم ہے امام نے فرمایا ہاں علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے۔

پھر تھوڑی دیر امام چپ رہے اس کے بعد کہا کہ ہمارے پاس فاطمہ علیہا السلام کا مصحف ہے~~لے~~ اور لوگوں کو کیا خبر کہ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے۔ پھر امام نے کہا کہ وہ ایک مصحف ہے تمہارے اس قرآن سے تگنا ہے اللہ کی قسم تمہارے قرآن کا اس میں ایک حرف

لے دیکھو کیسی توہین قرآن کی ہے اول تو قرآن کو اپنا نہ کہا بلکہ دوسروں کی طرف منسوب کیا پھر مصحف فاطمہ کا اور قرآن کا تقابل کرتے ہوئے مصحف فاطمہ کو اس سے تگنا بتایا اور اس کا شرف یہ بتایا کہ قرآن کا ایک حرف بھی اس میں نہیں گویا قرآن کے ایک حرف کا ہونا بھی عیب تھا استغفر اللہ اگر ایسی توہین قرآن کی کسی ایمان والے کے سامنے کی جاتی تو وہ اسی وقت مزا چکھا دیتا مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ حضرت جعفر صادق پر یہ سراسر تہمت ہے وہ ہرگز ایسی گستاخی قرآن کریم کیا ہو کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنے والے نہ تھے۔

مِنْ قُرْآنِكُمْ حَرْفٌ وَاحِدٌ قَالَ قُلْتُ هٰذَا
وَاللّٰهِ الْعِلْمُ قَالَ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ وَمَا هُوَ بِذَاكَ
ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ اِنَّ عِنْدَنَا
عِلْمَ مَا كَانَ وَعِلْمَ مَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى
اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ
فِدَاكَ هٰذَا وَاللّٰهِ هُوَ الْعِلْمُ قَالَ
اِنَّهٗ لَعِلْمٌ وَمَا هُوَ بِذَاكَ قَالَ قُلْتُ
جُعِلْتُ فِدَاكَ فَاَيُّ شَيْءٍ الْعِلْمُ
قَالَ مَا يَحْدُثُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الْاَمْرُ
بَعْدَ الْاَمْرِ وَالشَّيْءُ بَعْدَ
الشَّيْءِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔

بھی نہیں ابو بصیر کہتے ہیں میں نے کہا واللہ یہ علم ہے امام نے کہا ہاں علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے، پھر تھوڑی دیر چپ رہے اس کے بعد فرمایا بہ تحقیق ہمارے پاس ان چیزوں کا علم ہے جو قیامت تک ہوں گی میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ یہ البتہ علم ہے امام نے فرمایا علم تو ہے مگر کوئی بڑا علم نہیں ہے میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں پھر بڑا علم کیا چیز ہے امام نے فرمایا وہ علم جو رات اور دن میں نیا پیدا ہوتا ہے، حکم کے بعد حکم اور شے کے بعد شے قیامت تک۔

ف: صحیفہ، جفر، جامعہ، مصحف فاطمہ کا بیان تو اس روایت میں آچکا اب کتاب علی کا حال سنو، فروع کافی جلد سوم کتاب المواریث صـ۵۲ میں ہے۔

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْجَدِّ فَقَالَ مَا اَجِدُ

زرارہ[۱] سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام باقر علیہ السلام سے دادا کی میراث کی بابت پوچھا تو امام نے

---

[۱] یہ زرارہ صاحب مذہب شیعہ کے بڑے بزرگوں میں ہیں شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین مطبوعہ ایران کے صـ۱۲۷ میں زرارہ صاحب کے عظیم الشان فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو تین اماموں کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا، امام باقر امام جعفر امام موسیٰ کاظم اور لکھتے ہیں کہ اصدق لس زمان خود و افضل الشان بود و حضرت امام جعفر صادق درباره او فرمود لولا زرارة لقلت ان احادیث ابی ستذهب ترجمہ اگر زرارہ نہ ہوتے تو میں کہتا کہ میرے باپ (امام باقر) کی حدیثیں جاتی رہیں گی، نیز قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے ان کو آیہ السابقون السابقون اولئک المقربون کا مصداق قرار دیا یہ زرارہ صاحب سبائیہ کمیٹی کے نامور ممبر بلکہ پریذیڈنٹ تھے اگر شیعہ ان کی روایات کو خارج کر دیں تو ان کا مذہب آدھے سے زیادہ فنا ہو جائے ۱۲۔ زرارہ صاحب کو جو اخلاص آئمہ کے ساتھ تھا اس کا پتہ بھی کتب شیعہ سے ملتا ہے اسی روایت سے جس کو ہم نے رباتی صفحہ

نحدًا قال فيه الا برأيه الا امير المؤمنين عليه السلام قلت اصلحك الله فما قال فيه امير المؤمنين فقال اذا كان غدًا فالقني حتى اقرئكه في كتاب قلت اصلحك الله حدثني فان حديثك احب الي من ان تقرئنيه في كتاب فقال لي الثانية اسمع ما اقول لك اذا كان غدًا فالقني

فرمایا میں سوا امیر المؤمنین علیہ السلام کو اور کسی کو نہیں پاتا کہ اس مسئلہ میں اس نے اپنی رائے سے نہ بیان کیا ہو۔ میں نے کہا اللہ آپ کی اصلاح کرے بتلائیے کہ امیر المؤمنین نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ امام نے کہا کہ کل مجھ سے ملنا تو تمہیں یہ مسئلہ ایک کتاب میں پڑھا دوں گا۔ میں نے کہا اللہ آپکی اصلاح کرے مجھ سے آپ زبانی بیان کیجیے آپ کی بات مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے مجھے آپ کسی کتاب میں یہ مسئلہ پڑھائیں۔ امام نے مجھ سے دوبارہ کہا کہ جو میں تم سے کہتا ہوں اس کو سنو کل تم مجھ سے ملنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کا) فروع کافی سے نقل کیا بہت کچھ سراغ مل سکتا ہے چنانچہ ہم حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کریں گے مگر اس سے بڑھ بڑھ کر باتیں دوسری کتب روایات میں ہیں۔ بطور نمونہ دو تین نقول حسب ذیل ہیں۔ اصول کافی ص۵۵ میں ہے کہ ایک مرتبہ زرارہ نے امام باقر علیہ السلام سے بحث کی اور بحث کے بعد جو اعتقاد زرارہ کو ان کی طرف سے تھا اس کے الفاظ صفحہ مذکورہ میں یہ ہیں عن زرارة قال قلت شيخ لا علم له بالخصومة - زرارہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ یہ بڈھا ہے اسکو مناظرہ کا علم نہیں کافی کی اس روایت کا ترجمہ علامہ قزوینی صافی شرح کافی میں بالفاظ ذیل کرتے ہیں۔ ایں پیرے بیدماغ شدہ نمیداند روش گفتگو با خصم۔ رجال کشی میں روایت ہے کہ زرارہ صاحب نے امام جعفر صادق پر لعنت کی الفاظ روایت یہ ہیں۔

عن محمد بن عيسى عن يونس بن عبد الرحمن عن ابن مسكان قال سمعت زرارة يقول رحم الله ابا جعفر واما جعفر ففي قلبي عليه لعنة قلت له وما حمل زرارة على هذا قال حمله على هذا ان ابا عبد الله اخرج مخازيه۔

محمد بن عیسی سے روایت ہے وہ یونس بن عبد الرحمن سے وہ ابن مسکان سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے زرارہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ ابو جعفر یعنی امام باقر پر رحم کرے مگر جعفر پر تو میرے دل میں لعنت بھری ہوئی ہے میں نے پوچھا کہ کیا سبب جو زرارہ نے ایسا لفظ کہا تو راوی نے جواب دیا اسکا سبب یہ کہ امام جعفر صادق نے اسکے معائب ظاہر کر دیئے۔

اسی رجال کشی میں امام جعفر صادق کا زرارہ پر لعنت کرنا بھی منقول ہے امام موصوف کے الفاظ روایت میں یہ ہیں:۔

كذب علي كذب والله علي لعن الله زرارة۔

زرارہ میرے اوپر افترا کرتا ہے اللہ کی قسم اس نے میرے اوپر افترا کیا ہے اللہ لعنت کرے زرارہ پر۔

ایسے ہی بزرگ مثل اماموں کے لاعن وملعون لوگوں کی روایات پر مذہب شیعہ بنا ہے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ ۱۲۔

حَتّٰی اُقْرِئَكَ فِیْ کِتَابٍ فَاَتَیْتُهٗ مِنَ الْغَدِ بَعْدَ الظُّهْرِ وَکَانَتْ سَاعَتِیَ الَّتِیْ کُنْتُ اَخْلُوْبِهٖ فِیْهَا بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَکُنْتُ اَکْرَهُ اَنْ اَسْئَالَهٗ اِلَّا خَالِیًا خَشْیَةَ اَنْ یُّفْتِیَنِیْ مِنْ اَجْلِ مَنْ یَّحْضُرُهٗ بِالتَّقِیَّةِ۔

تاکہ میں تم کو ایک کتاب پڑھا دوں چنانچہ میں ان کے پاس دوسرے دن بعد ظہر گیا۔ اور ظہر عصر کے درمیان کا وقت وہ تھا کہ میں ان سے تنہائی کی ملاقات کیا کرتا تھا میں اس بات کو ناپسند کرتا تھا، کہ بغیر تنہائی کے ان سے کچھ پوچھوں اس خوف سے کہ کہیں مجھے وہ تقیہ کے ساتھ فتویٰ نہ دے دیں، بہ سبب اُن لوگوں کے جو اس وقت موجود ہوں۔

فَلَمَّا دَخَلْتُ عَلَیْهِ اَقْبَلَ عَلٰی ابْنِهٖ جَعْفَرٍ فَقَالَ اَقْرِءْ زُرَارَةَ صَحِیْفَةَ الْفَرَائِضِ ثُمَّ قَامَ لِیَنَامَ فَبَقِیْتُ اَنَا وَجَعْفَرٌ فِی الْبَیْتِ فَقَامَ فَاَخْرَجَ اِلَیَّ صَحِیْفَةً مِثْلَ فَخِذِ الْبَعِیْرِ فَقَالَ لَسْتُ اُقْرِئُکَهَا حَتّٰی تَجْعَلَ لِیَ اللّٰهَ عَلَیْکَ اَنْ لَا تُحَدِّثَ بِمَا تَقْرَءُ فِیْهَا اَحَدًا حَتّٰی اٰذَنَ لَكَ وَلَمْ یَقُلْ حَتّٰی یَاْذَنَ لَكَ اَبِیْ ۔ فَقُلْتُ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ لِمَ تُضَیِّقُ عَلَیَّ وَلَمْ یَاْمُرْكَ اَبُوْكَ بِذَالِكَ فَقَالَ مَا کُنْتَ

چنانچہ جب میں امام باقر کے پاس پہنچا تو وہ اپنے بیٹے جعفر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ زرارہ کو علم فرائض کا صحیفہ پڑھا دو اس کے بعد وہ خود سونے کے لئے اُٹھ گئے، اب میں اور جعفر گھر میں باقی رہے جعفر اٹھے اور انہوں نے میرے سامنے ایک کتاب نکالی جو اونٹ کی ران کی طرح موٹی تھی اور کہنے لگے یہ کتاب میں تمہیں نہ پڑھاؤں گا، یہاں تک کہ تم اللہ کو ضامن دو کہ جو کچھ اس صحیفہ میں پڑھوگے اس کو کسی سے بیان نہ کرنا تاوقتیکہ میں تم کو اجازت نہ دوں، جعفر صادق نے اپنے باپ کی اجازت کی شرط نہ لگائی۔ تو میں نے کہا کہ اللہ تمہاری اصلاح[2] کرے تم کیوں مجھ پر تنگی

---

[1] یہی چلتا ہوا فقرہ مذہب شیعہ کی بنیاد ہے، شیعہ راوی کہتے ہیں ائمہ نے ہم کو یہ مذہب تنہائی میں سکھلایا تھا لوگوں کے سامنے وہ اپنا اصلی مذہب ظاہر نہ کرتے تھے بلکہ تقیہ کرکے جھوٹے مسئلے جھوٹے فتوے بتا دیتے تھے، اس مضمون کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم بہت مفصل و مبسوط کسی مستقل رسالہ میں بیان کرکے اس کے شواہد کثیرہ کتب شیعہ سے پیش کریں گے ۱۲

[2] کتب شیعہ میں بکثرت یہ لفظ شیعہ راویوں کی زبان سے ائمہ کے حق میں ملتا ہے ایک طرف دعویٰ ان کی معصومیت کا اور دوسری طرف دعا ان کی اصلاح کی ۱۲ ۔

بِنَاظِرٍ فِيهَا إِلَّا عَلَىٰ مَا قُلْتُ
لَكَ فَقُلْتُ فَذَاكَ لَكَ وَكُنْتُ
رَجُلًا عَالِمًا بِالْفَرَائِضِ وَالْوَصَايَا
بَصِيرًا بِهَا فَلَمَّا أَلْقَىٰ إِلَيَّ طَرَفَ
الصَّحِيفَةِ إِذَا كِتَابٌ غَلِيظٌ يُعْرَفُ
أَنَّهُ مِنْ كُتُبِ الْأَوَّلِينَ فَنَظَرْتُ
فِيهَا فَإِذَا فِيهَا خِلَافُ مَا بِأَيْدِي
النَّاسِ مِنَ الصِّلَةِ وَالْأَمْرِ
بِالْمَعْرُوفِ الَّذِي لَيْسَ فِيهِ
اخْتِلَافٌ وَإِذَا عَامَّتُهُ كَذَٰلِكَ
فَقَرَأْتُهُ حَتَّىٰ أَتَيْتُ عَلَىٰ آخِرِهِ
بِخُبْثِ نَفْسٍ وَقِلَّةِ تَحَفُّظٍ وَإِسْقَامِ
رَأْيٍ وَقُلْتُ وَأَنَا أَقْرَأُهُ بَاطِلٌ
حَتَّىٰ أَتَيْتُ عَلَىٰ آخِرِهِ ثُمَّ
أَدْرَجْتُهَا وَرَفَعْتُهَا إِلَيْهِ ثُمَّ
لَقِيتُ أَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَقَالَ لِي أَقَرَأْتَ صَحِيفَةَ
الْفَرَائِضِ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ
كَيْفَ رَأَيْتَ مَا قَرَأْتَ
قَالَ فَقُلْتُ بَاطِلٌ لَيْسَ
بِشَيْءٍ هُوَ خِلَافُ مَا النَّاسُ
عَلَيْهِ قَالَ فَإِنَّ الَّذِي رَأَيْتَ
وَاللّٰهِ يَا زُرَارَةُ هُوَ الْحَقُّ الَّذِي

کرتے ہو تمہارے باپ نے تو تم کو اس کا حکم نہ دیا
تھا تو جعفر نے کہا کہ تم اس کتاب کو نہیں دیکھ سکتے
مگر اسی شرط کے ساتھ جو میں نے بیان کیا تو
میں نے کہا اچھا یہ شرط بھی تمہاری خاطر سے
منظور ہے ۔ اور میں ایک شخص تھا علم فرائض اور
وصایا کا جاننے والا اور ان علوم میں بصیرت رکھنے
والا جب جعفر صادق نے اس صحیفہ کا ایک
کنارا میری طرف ڈالا تو دیکھا میں نے کہ ایک
موٹی کتاب ہے اور معلوم ہوا کہ اگلوں کی
کتابوں میں سے ہے میں نے اس کو دیکھا تو
اس میں وہ مسائل ملے جو تمام لوگوں کے خلاف
تھے صلہ اور امر معروف جس میں کوئی اختلاف
نہیں (اس کتاب میں ان مسائل کے بھی
خلاف تھا) وہ پوری کتاب ایسی ہی تھی میں
نے شروع سے آخر تک خباثت نفس کے ساتھ
پڑھا اور یاد کرنے کا ارادہ کم کیا اور اس کے
متعلق بری رائے قائم کی میں اس کو پڑھتا جاتا
تھا اور کہتا تھا کہ یہ کتاب بالکل باطل ہے،
یہاں تک میں نے اس کو ختم کر کے لپیٹ
کر جعفر صادق کے حوالہ کر دیا پھر میں امام باقر
علیہ السلام سے ملا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ
کیا فرائض کے صحیفہ تم نے پڑھ لیا، میں نے کہا
ہاں امام نے پوچھا کہ جو کچھ تم نے پڑھا اس کے

رَأَيْتُ إِمْلَاءُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ خَطُّ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِيَدِهٖ فَأَتَانِيَ الشَّيْطَانُ فَوَسْوَسَ فِيْ صَدْرِيْ فَقَالَ وَمَا يُدْرِيْ أَنَّهٗ إِمْلَاءُ رَسُوْلِ اللهِ وَخَطُّ عَلِيٍّ بِيَدِهٖ۔

متعلق تمہاری رائے کیا ہے۔
میں نے کہا کہ وہ بالکل باطل[1] ہے کچھ نہیں ہے تمام لوگوں کا جن امور میں اتفاق ہے ان کے خلاف ہے امام نے فرمایا یہ تو سچ ہے مگر جو کتاب تم نے دیکھی ہے اے زرارہ اللہ کی قسم وہ حق ہے جو کتاب تم نے دیکھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی ہوئی، اور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے پھر شیطان میرے پاس آیا اور اس نے مجھے وسوسہ دلایا کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی بولی ہوئی اور علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی۔

فَقَالَ لِيْ قَبْلَ أَنْ أَنْطِقَ لَا تَشُكَّنَّ وُدَّ الشَّيْطَانِ وَاللهِ إِنَّكَ شَكَكْتَ وَكَيْفَ لَا أَدْرِيْ أَنَّهٗ إِمْلَاءُ رَسُوْلِ اللهِ وَخَطُّ عَلِيٍّ بِيَدِهٖ وَقَدْ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَدَّثَنَا بِذَالِكَ۔

تو امام باقر میری طرف متوجہ ہوئے اور قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں فرمایا کہ شیطان کا دوست بن کر شک نہ کر، واللہ تو نے شک کیا بھلا مجھے کیسے نہ معلوم ہوگا کہ یہ کتاب رسول اللہ کی بولی ہوئی۔ اور علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ تحقیق مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے روایت کرکے بیان کیا کہ امیر المومنین رضہ نے ان سے یہ بات بیان کی تھی۔

[1] پہلے تو زرارہ اس کتاب کو دیکھنا ہی نہ چاہتے تھے بڑی مشکل سے دیکھنے پر راضی ہوئے تو اب اس کو باطل اور لاشی فرما رہے ہیں اگر محبت و تعظیم اہل بیت اسی کا نام ہے تو شیعوں کو مبارک ہو زرارہ نے اس کے بعد اس گستاخی سے توبہ بھی نہیں کی کتب شیعہ میں کہیں اس کی توبہ کا ثبوت نہیں اصل یہ ہے کہ مذہب شیعہ جو سب سے بڑا گناہ ہے، وہ قرآن اور راویان قرآن کو سچا جاننا جو شخص قرآن کو نہ مانتا ہو راویان قرآن سے دشمنی رکھتا ہو وہ شیعہ مخلص ہے چاہے وہ امام پر تہمت کرے جیسے ان کی تکذیب کرے چاہے ان کو باطل اور لاشی کہے چاہے قتل کر ڈالے دیکھو کتاب کافی و احتجاج وغیرہ۔

ف:۔ اس روایت سے بہت نفیس فوائد نکل آرہے ہیں بعض فوائد کی طرف حاشیہ میں اشارہ کیا گیا ہے، زیادہ تر قابل غور تین باتیں (۱)، مذہب شیعہ کی تصنیف کا طریقہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ راوی جس بات کو کسی امام کی طرف منسوب کرنا چاہتے تھے، کہ امام نے تنہائی میں ہم سے یہ بات بیان کی ہے لوگوں کے سامنے وہ بوجہ تقیہ کے اپنے مذہب کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ (۲) جناب زرارہ صاحب کی حالت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس منش کے بزرگ تھے، ائمہ کے ساتھ کیسا اخلاص رکھتے تھے آج انہیں بزرگ کی روایات پر شیعوں کے فن حدیث کا مدار ہے ان کی سب سے بڑی معتبر کتاب کافی میں ایک ثلث کے قریب ان کی روایات ہیں (۳) کتاب علی کی حالت معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کے اجماعیات کے خلاف اور خاص کر ان مسائل میں جن میں کسی کا اختلاف نہیں ہو سکتا مثل صلہ رحم وامر معروف وغیرہ کے اس کتاب میں تھیں، امام نے بھی اس کی تصدیق کی، الغرض اس سے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ بانیان مذہب شیعہ کا مقصود یہ تھا کہ ایسے مذہب کی بنیاد ڈالیں، جو ہر بات میں شروع سے آخر تک دین اسلام کے خلاف ہو۔

اب شبقدر کی کتاب ، کا حال سنیئے۔ اصول کافی ص۱۴۸ میں ایک مستقل باب شب قدر کے بیان میں ہے اس باب میں نہایت لطیف اور نفیس روایات[1] ہیں جن سے شیعوں کے حسن

---

[1] چنانچہ انہیں نفیس روایات میں ص۱۵۰ پر ایک روایت حضرت حبر الامۃ امام المفسرین عبداللہ بن عباس ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے ایسی توہین وتذلیل ان کی ہے نعوذ باللہ۔ پھر اس پر دعویٰ محبت اہل بیت کا ہے، اس روایت کو ہم مناظرہ حصہ سوم میں نقل کر چکے ہیں۔ شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد نے اس روایت کا جواب دے کر ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبروریزی کا داغ اپنے فرقہ کی پیشانی سے مٹانا چاہا ہے مگر جواب کیا ہے، چند دروغ بافیوں کا مجموعہ ہے میں نے بعونہ تعالیٰ اس جواب کی حقیقت بھی ظاہر کر دی ہے یہ بحث مناظرہ حصہ سوم میں ص۱۶ سے شروع ہو کر ص۲۲ پر ختم ہوئی ہے قابل دیکھنے کے بلکہ یاد رکھنے کے ہے۔

خلاصہ اس روایت کا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نص بامامت کے منکر اور شیعوں کے خانہ ساز مسئلہ امامت سے بے خبر تھے ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ شخص اور بھی مثل رسول کے معصوم اور واجب الاطاعۃ ہیں، ایک مرتبہ حضرت علی سے اور ان سے بحث ہوئی ابن عباس کہتے تھے کہ شب قدر میں نزول احکام ہوتا ہے، بڑی بحث ہوئی ابن عباس کسی طرح قائل نہ ہوئے آخر فرشتے نے آکر ابن عباس کو آنکھوں پر مار کر اندھا کر دیا اس (باقی اگلے صفحہ پر)

عقیدت خاندانِ نبوت کے ساتھ کما حقہٗ ظاہر ہوتی ہے۔

اسی باب میں ص۱۵۱ پر امام باقر علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:۔

اِنَّہٗ لَیَنْزِلُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ اِلٰی وَلِیِّ الْاَمْرِ نَفْسَہٗ بِکَذَا وَکَذَا وَفِیْ اَمْرِ النَّاسِ بِکَذَا وَکَذَا۔

بہ تحقیق شب قدر میں امام زمان پر تمام امور کی تفصیل سن وار نازل ہوتی ہے امام کو اس شب میں حکم دیا جاتا ہے کہ تم خود فلاں فلاں کام کرو، لوگوں کے متعلق حکم دیا جاتا ہے کہ ان سے فلاں فلاں کام کو کہو۔

اور علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی کتاب التوحید مطبوعہ نول کشور ص۲۲۰ میں لکھتے ہیں:۔

برای ہر سال کتابے علیحدہ است. مراد کتابے ست کہ در آں تفسیر احکام حوادث کہ محتاج الیہ امام ست تا سال دیگر نازل شوند بآں کتاب ملائکہ و روح در شب قدر بر امام زمان اللہ تعالیٰ باطل میکند بآں کتاب آنچہ را کہ می خواہد از اعتقادات امام خلائق و اثبات میکند در آنچہ میخواہد از اعتقادات

ہر سال کیلئے کتاب علیحدہ ہے مراد اس سے وہ کتاب ہے جس میں ان احکام حوادث کی تفصیل ہوتی ہے جن کی حاجت امام کو سال آئندہ تک ہوتی ہے اس کتاب کو لیکر فرشتے اور روح شبقدر میں امام وقت پر نازل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کتاب میں امام کے جن عقائد کو چاہتا ہے باطل کر دیتا ہے اور جن عقائد کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔

ف:۔ اس عبارت سے شب قدر کی پوری حقیقت ظاہر ہو گئی ہر سال امام پر ایک کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس کتاب میں احکام و عقائد کا بیان ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کا ہونا غیبی پر بھی ابن عباس اپنے خیال سے باز نہ آتے اور امام باقر سے اسی مسئلہ میں بحث کی۔ امام باقر رشتہ میں ان کے پوتے کے بیٹے ہیں آخر امام باقر نے ان کو خوب ذلیل کیا، سخیف العقل کہا اور کہا کہ تم خود بھی دوزخی اور دوسروں کو بھی دوزخی بتاتے ہو۔

اس قصہ کو امام جعفر صادق نے اپنے اصحاب سے بیان کیا، اور خوب تمسخر کے ساتھ بیان کیا، اور فرمایا کہ میرے والد امام باقر کو عبداللہ بن عباس کے اس واقعہ سے اس قدر ہنسی آئی تھی کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ استغفراللہ من ہذہ الخرافات ۱۲ —

پچھلی کتاب اگلی کی ناسخ ہوتی ہے اب خیال کرو کہ کیا نفیس حیلہ شریعت محمدیہ کے مٹانے کا نکالا گیا ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عقیدہ سکھلایا کوئی حکم دیا اس کو یہ کہہ کر اڑا دینا کہ فلاں امام کے وقت میں شب قدر کی کتاب نے اس حکم کو منسوخ کر دیا، کس قدر آسان ہو گیا بلکہ آئمہ کے نام سے جو احکام تصنیف کئے گئے تھے۔ ان میں سے بھی کوئی حکم نظر ثانی میں خلاف مصلحت معلوم ہوا اس کو بھی بدل دینا سہل ہو گیا۔ کیونکہ ہر سال کی کتاب شب قدر کی علیحدہ ہے، ولنعم ما قیل جزی اللہ قائلہ خیر الجزاء۔

ہر شب قدر میں نازل نئی ہوتی ہے کتاب — جس میں احکام نئے ہوتے ہیں اقوال نئے

حق جو تھا سال گزشتہ میں وہ اب ناحق ہے — اعتقادات بدل جاتے ہیں ہر سال نئے

دین احمد کے مٹانے کی یہ سب تدبیریں ہیں — سادہ لوحوں کیلئے بنتے ہیں یہ جال نئے

اب نجوم یا جوتش :۔ کی کیفیت ملاحظہ ہو، فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ مطبوعہ لکھنؤ کے صـ۳۱۵ میں روایت ہے :۔

عَنْ مُعَلَّی بْنِ خُنَیْسٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنِ النُّجُوْمِ اَحَقٌّ هِیَ قَالَ نَعَمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بَعَثَ الْمُشْتَرِیَ اِلَی الْاَرْضِ فِیْ صُوْرَةِ رَجُلٍ فَاَخَذَ رَجُلًا مِّنَ الْعَجَمِ فَعَلَّمَهُ النُّجُوْمَ حَتّٰی ظَنَّ اَنَّهُ قَدْ بَلَغَ ثُمَّ قَالَ لَهُ انْظُرْ اَیْنَ الْمُشْتَرِیْ فَقَالَ مَا اَرَاهُ فِی الْفَلَكِ وَمَا اَدْرِیْ اَیْنَ هُوَ قَالَ فَنَحَّاهُ وَاَخَذَ بِیَدِ رَجُلٍ مِّنَ الْهِنْدِ فَعَلَّمَهُ حَتّٰی

معلی بن خنیس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم نجوم کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ حق ہے، امام نے فرمایا ہاں بہ تحقیق اللہ عزوجل نے مشتری ستارے کو زمین پر بھیجا ایک آدمی کی شکل میں مشکل کر کے تو اس نے ایک عجمی شخص کو پکڑ کر اس کو علم نجوم سکھلایا جب اس کو خیال ہوا کہ یہ شخص کامل ہو گیا تو مشتری نے اس سے پوچھا کہ اپنے علم کے رو سے تو یہ بتلا کہ مشتری کہاں اس عجمی نے کہا، آسمان میں تو نہیں ہے مگر یہ میں نہیں جانتا کہ کہاں ہے امام فرماتے ہیں پس کر مشتری نے اس [illegible] ایک ہندی شخص

ظَنَّ اَنَّهٗ قَدْ بَلَغَ فَقَالَ انْظُرْ اِلَى الْمُشْتَرِيْ اَيْنَ هُوَ فَقَالَ اِنَّ حِسَابِيْ لَيَدُلُّ عَلٰى اِنَّكَ اَنْتَ الْمُشْتَرِيْ قَالَ فَشَهِقَ شَهْقَةً فَمَاتَ وَوَرِثَ عِلْمَهٗ اَهْلُهٗ فَالْعِلْمُ هُنَاكَ۔

ہاتھ پکڑ کر اس کو علم نجوم سکھلایا یہاں تک کہ اس کو خیال ہوا کہ یہ شخص کامل ہوگیا ہے تو اس سے کہا کہ دیکھ تو مشتری اس وقت کہاں ہے، اس ہندی نے کہا کہ میرا حساب یہ بتلاتا ہے کہ مشتری تو ہے تو مشتری چیخ مار کر مرگیا پھر علم نجوم اس ہندی کے قرابت والوں میں آیا یہ علم اب ہند میں ہے.

اس کے بعد ایک روایت اسی باب کی اور حسب ذیل ہے:۔

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سُئِلَ عَنِ النُّجُوْمِ؟ قَالَ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْعَرَبِ وَاَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْهِنْدِ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ان سے علم نجوم کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس علم کو کوئی نہیں جانتا مگر ایک خاندان عرب کا جانتا ہے، اور ایک خاندان ہندوستان کا۔

ف:۔ اس روایت میں امام جعفر صادق نے علم نجوم کا جاننے والا ایک خاندان عرب کا بتلایا غالباً اس سے مراد خود اپنا خاندان لیا، اور ہند کے خاندان سے تو ظاہر ہے کہ جوتشی پنڈتوں کا خاندان مقصود ہے، مگر پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ مشتری نے علم نجوم میں صرف اہل ہند کو کامل کیا تھا، اور امام نے فرمایا بھی کہ یہ علم دبی ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ائمہ نے علم نجوم جوتشی پنڈتوں سے سیکھا ہو اور ہو سکتا ہے کہ جس طرح فرشتے اور علوم اور کتابیں لے کر اماموں کے پاس آتے تھے، اسی طرح علم نجوم بھی خدا کی طرف سے لائے ہوں۔ ائمہ کے بعض احکام میں بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ علم نجوم سے لئے گئے چنانچہ روضہ کافی ص۱۳۰ میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں سفر کرے یا نکاح کرے ایسے وقت میں کہ چاند برج عقرب میں ہو اس کو بھلائی نصیب نہ ہوگی یا مثلاً حیات القلوب جلد اول ص۶۹ میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ مہینہ کا آخری چہار شنبہ منحوس ہوتا ہے۔

اب وحی حقانی کا بیان بھی روایت شیعہ میں دیکھو۔ اصول کافی ص۱۰۲ میں جناب زرارہ صاحب سے روایت ہے:۔

قَالَ سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ

زرارہ کہتے ہیں میں نے امام باقر سے اللہ عزوجل کے قول وَ

عَزَّوَجَلَّ وَكَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا مَا الرَّسُوْلُ وَمَا النَّبِيُّ قَالَ النَّبِيُّ الَّذِيْ يَرٰى فِيْ مَنَامِهٖ وَيَسْمَعُ الصَّوْتَ فَلَا يُعَايِنُ الْمَلَكَ وَالرَّسُوْلُ الَّذِيْ يَسْمَعُ الصَّوْتَ وَيَرٰى فِي الْمَنَامِ وَيُعَايِنُ الْمَلَكَ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ۔

رَسُوْلًا نَبِيًّا کے متعلق پوچھا کہ رسول کی کیا تعریف ہے، اور نبی کی کیا تعریف ہے، امام باقر نے فرمایا کہ نبی وہ ہے جو خواب میں (احکام الٰہی کو) دیکھے اور فرشتہ کی آواز سنے مگر فرشتہ کو نہ دیکھے اور رسول وہ ہے جو آواز بھی سنے اور خواب میں بھی دیکھے اور فرشتہ کو بھی دیکھے پھر امام باقر نے اس آیت کی تلاوت کی (وَمَا اَرْسَلْنَا) نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی اور نہ محدث۔

ف۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کی طرح امام پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ امام فرشتہ کی شکل نہیں دیکھتا۔ رسول دیکھتا ہے نبی بھی اس بارے میں امام کے مثل ہے مگر شیعوں کے نزدیک امام کا رتبہ نبی و رسول سے زیادہ ہے اس روایت میں جس آیت کی تلاوت امام جعفر صادق سے منقول ہے وہ آیت مسلمانوں کے قرآن میں نہیں ہے۔ امام جعفر صادق کے قرآن میں ہو گی جو بقول شیعہ بغداد کے کسی غار میں امام غائب کے پاس ہے۔ اصول کافی کے اسی باب کے ص۱۰۳ پر۔ بُریدہ نے امام باقر و امام جعفر دونوں سے اس آیت کو سننا بیان کیا، اور یہ اعتراض کیا کہ حضرت یہ آیت ہمارے قرآن میں نہیں ہے، مگر دونوں اماموں نے اس کا جواب خاموشی کے ساتھ حوالہ فرمایا اسی روایت میں یہ بھی ہے۔ کہ میں نے امام سے پوچھا کہ فرشتے کی شکل نہ دیکھی گئی صرف آواز سُنی گئی تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ آواز حقانی ہے اور فرشتے کی ہے امام نے جواب دیا کہ خدا کی طرف سے امتیاز اور معرفت کی توفیق ملتی ہے۔

مذہب شیعہ میں جس قدر مانند دین کے ہیں ان میں سے چند کا بیان ہو چکا اب اس کے بعد ایک روایت اصول کافی ص۲ کی اور قابل ملاحظہ کے ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ جَعْفَرٍ الثَّانِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ

محمد بن سنان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں امام ابوجعفر ثانی علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا پھر میں نے

فَاَجْرَیْتُ اِخْتِلَافَ الشِّیْعَۃِ	شیعوں کے اختلاف کا ذکر کیا تو امام نے فرمایا کہ
فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ	اے محمد بن سنان بہ تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ
وَتَعَالٰی لَمْ یَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِیَّتِہٖ	اپنی وحدانیت کے ساتھ یکتا رہا پھر اس نے محمد
ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَّ عَلِیًّا وَ	اور علیؓ اور فاطمہؓ کو پیدا کیا پھر یہ لوگ ہزاروں
فَاطِمَۃَ فَمَکَثُوْا اَلْفَ دَھْرٍ ثُمَّ	برس رہے پھر اللہ نے تمام اشیا کو پیدا کیا اور ان
خَلَقَ جَمِیْعَ الْاَشْیَاءِ فَاَشْھَدَ	آئمہ کو اشیا کی خلقت دکھلائی اور ان کی طاعت
ھُمْ خَلْقَھَا وَاَجْرٰی طَاعَتَھُمْ	سب اشیا پر فرض کی اور سب اشیاء کے معاملات
عَلَیْھَا وَفَوَّضَ اُمُوْرَھُمْ فَھُمْ	ان کے سپرد کر دیئے لہٰذا وہ جس چیز کو چاہتے ہیں
یُحِلُّوْنَ مَا یَشَاءُوْنَ وَ یُحَرِّمُوْنَ	حلال کرتے ہیں، اور جس چیز کو چاہتے ہیں
مَا یَشَاءُوْنَ۔	حرام کرتے ہیں۔

ف:۔ محمد بن سنان نے امام محمد تقی علیہ السلام سے شیعوں کے باہم مختلف ہونے کا سبب پوچھا اور واقعی پوچھنے کی بات بھی تھی سب امام معصوم کے مقتدی اماموں سے خطا و سہو و نسیان کا صدور محال پھر مقتدیوں میں اختلاف اور ایسا شدید اختلاف کہ بقول مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ کے ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد کے مقلدین کے اختلاف سے بدرجہا زائد ہے۔

امام نے اس بے نظیر اختلاف کا سبب یہ بتلایا کہ چونکہ آئمہ کو حلال و حرام کا اختیار خدا نے دیا اس وجہ سے ان کے شیعوں میں اختلاف ہے، یعنی ایک امام نے اپنے اختیار سے کسی چیز کو حلال کیا، دوسرے امام نے اس کو اپنے اختیار سے حرام کر دیا، لہٰذا شیعوں میں اختلاف پڑ گیا، اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال و حرام کے بدلنے کا بھی اختیار آئمہ کو ہے۔

اب بتاؤ اس سے زیادہ صاف و صریح پتہ مذہب شیعہ کے مصنفوں کی نیت کا۔ اور کیا چاہیئے معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کی اصلی کوشش یہ تھی کہ ایسی تدبیریں نکالیں کہ مسلمان بن کر کلمہ اسلام کے پردہ میں رہ کر دین اسلام کی صورت مسخ کر دیں۔ مگر اللہ اپنے دین کا محافظ ہے۔ سب تدبیریں رائیگاں ہو گئیں اور دین الٰہی اپنے اسی جاہ و جلال پر قائم رہا ہے۔ اور رہے گا۔

اس رسالہ میں مجھے یہ بتانا مقصود تھا کہ قرآن کریم کا ظل رحمت چھوڑ کر مذہب شیعہ کے موجدوں نے

اپنے لئے کون کون آشیانے تجویز کئے ہیں تو بحمداللہ میں اس کو بتا چکا۔

اب رہی یہ تحقیق کہ مذہب شیعہ کی کون سی باتیں **صحیفہ** سے لی گئی ہیں کون کون سی باتیں جفر یا جامعہ سے اخذ کی گئی ہیں کن مسائل کا ماخذ **مصحف فاطمہ** ہے کن مسائل کا معدن کتاب علی ہے۔ کون کون مسائل کس امام کے کس سال کی شب قدر والی کتاب سے ثابت کئے گئے ہیں کون نجوم یا جوتش سے ماخوذ ہیں۔ کن کا ثبوت وحی حقانی سے ہے۔ حلال وحرام کی کون کون چیزیں کس امام کے اختیار خداداد کا نتیجہ ہیں۔ نہ ان باتوں کی تحقیق کی ہمیں ضرورت نہ اس تحقیق میں ہمیں کامیابی کی امید ہے، اس لئے کہ آج ہم کتب شیعہ کو ان تصریحات سے خاموش پاتے ہیں معدودے چند مسائل ہیں ان میں البتہ ماخذ کا پتہ ملتا ہے اور بس۔

ہمیں تو یہ معلوم ہوجانا کافی ہے کہ مذہب شیعہ کے مخصوص مسائل کا ماخذ قرآن کریم اور مشکوٰۃ نبوت نہیں ہے وہ بفضلہٖ تعالیٰ بخوبی معلوم ہوچکا۔

شیعوں کے نزدیک ان ماخذوں کی عزت قرآن کریم سے زیادہ ہو اور ہے۔ قرآنی حکومت کا طوق گردن سے نکل جانے پر وہ چاہے کتنے ہی خوش ہوں ہمیں اُن سے کچھ مطلب نہیں نہ ہم کو اُن پر کوئی حق اعتراض کرنے کا۔ پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی۔ ان کو صحیفہ جفر جامعہ وغیرہ وغیرہ مبارک رہیں اور ہمیں قرآن کریم کا رحیق مختوم گوارا رہے۔

تو وطوبیٰ ومن وقامت دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

خسر الدنيا والآخرة ذلك هو الخسران المبين ؎

الحمد للہ تعالیٰ

مذہب شیعہ کے دوسو منتخب مسائل کے سلسلہ کا پہلا رسالہ ہدایت مقالہ

موسوم بہ

الاوّل من المائتین

علی

المنحرف عن الثقلین

نمبر سوم

ملقب بہ

نہایۃ الخسران لمن ترک القرآن

جس میں کتب معتبرہ شیعہ اور ان کے اصول مسلمہ سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ ترک قرآن کے بعد شیعوں کی مصیبت دوبالا ہو گئی اب ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اور وہ اپنے کو کسی دین و ملت میں نہیں کہہ سکتے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی انزل الکتٰب المبین ورفع بہ اقواما ووضع بہ اٰخرین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ النبی الامین وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد۔ یہ تیسرا نمبر ان دو سو مسائل منتخبہ کے پہلے مسئلہ کا ہے۔ سابقہ نمبروں میں جب یہ بات بیان کی جاچکی کہ مذہب شیعہ میں اور قرآن کریم میں ایسی مباینت ہے کہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے کسی شیعہ کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ بانیان مذاہب شیعہ نے قرآن شریف کے چھوڑنے کے بعد اپنے پیروؤں کے لئے کیسے کیسے نفیس و لطیف ماخذ دین کے تصنیف فرمائے ہیں۔

لہٰذا۔ اب اس نمبر میں قرآن پر ایمان نہ ہونے کی خرابیاں عرض کی جاتی ہیں۔

واضح ہو کہ قرآن مجید پر شیعوں کا ایمان اس حیثیت میں بھی نہیں ہو سکتا جس حیثیت میں کہ مسلمانوں کا ایمان توریت وانجیل پر ہے۔ مسلمان توریت وانجیل کی بابت صرف اس قدر ایمان رکھتے ہیں کہ اس نام کی کتابیں خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، توریت وانجیل کے مروجہ نسخوں پر مسلمانوں کا ایمان نہیں ہے، نہ ہونا چاہئے۔ شیعوں کا ایمان قرآن کریم کے متعلق یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ قرآن نام کی کوئی کتاب خدا کی طرف سے اتری تھی۔ قطع نظر اس سے کہ وہ یہ ہے یا وہ چنانچہ اس کا بیان نمبر اول میں ہو چکا اور مزید بیان آئندہ رسالوں میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اس وقت ہم جو خرابیاں لکھتے ہیں وہ مذکورہ بالا بے ایمانی[1] کی نہیں بلکہ قرآن کریم کے موجودہ نسخوں پر ایمان نہ ہونے کی ہیں۔

لہ مطلق قرآن پر ایمان نہ ہونے کی خرابیاں موجودہ قرآن پر ایمان نہ ہونے کی خرابیوں سے بدرجہا زائد ہیں۔ کما لا یخفی ۱۲۔

قرآن موجود پر ایمان نہ ہونے کی پہلی خرابی

مسلم وغیر مسلم سب جانتے ہیں کہ اسلام کا ماخذ دو چیزیں ہیں اول قرآن دوسرے روایات روایات کی بات سُنی شیعہ دونوں فریق متفق ہیں کہ قطعی نہیں بلکہ ظنی ہیں حتی کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب اہل سنت کے یہاں صحیح بخاری ہے مگر کسی عالم اہل سنت نے آج تک کسی شیعہ کو اس بنا پر کافر نہیں کہا کہ شیعہ صحیح بخاری کی روایات کو نہیں مانتے اور شیعوں کے یہاں حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب کافی ہے مگر کسی شیعہ عالم نے آج تک کسی سُنی کو اس بنا پر کافر نہیں کہا کہ سُنی کافی کی روایات کو نہیں مانتے

اب اگر قرآن شریف کو بھی نہ صرف ظنی بلکہ مشکوک بلکہ قطعاً غیر معتبر مانا جائے جیسا کہ بانیان مذہب شیعہ کی تعلیم ہے تو شیعہ خود ہی بتائیں کہ کس بنیاد پر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکتے ہیں کس چیز نے ان کے دلوں میں اسبات کا یقین پیدا کیا کہ ان کا مذہب وہی مذہب ہے جس کی تعلیم شارع علیہ السلام نے دی تھی ان کا طریقہ وہی طریقہ ہے جس کی ترویج نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی۔

یقیناً اگر شیعہ اس بات پر غور کریں تو خود ان کا ضمیر ان کے مسلمان ہونے کی شہادت نہ دے گا۔ چہ جائیکہ مسلمان ان کو مسلمان سمجھیں۔

بلاشبہ علمائے اہلسنت کو مذہب شیعہ کی اصلی حقیقت معلوم نہ تھی اور کیسے معلوم ہوتی جبکہ وہ اپنے مذہب کے چھپانے کی بے مثل کوشش کر رہے تھے حتی کہ قرآن شریف کے متعلق بھی ان کا عقیدہ معلوم نہ تھا، ورنہ شیعوں کے خارج از اسلام ہونے میں اختلاف نہ ہوتا۔

چوں ترک قرآن کردہ آخر مسلمانی کجا   خود شمع ایماں کشتہ پس نور ایمانی کجا

قرآن موجود پر ایمان نہ ہونے کی دوسری خرابی

شیعوں کی بڑی معتبر کتابوں میں یہ حدیث بہت سندوں کے ساتھ منقول ہے یہاں تک کہ ان کے محدثین اس کو مستفیض کہتے ہیں جو صحیح کی اعلیٰ ترین قسم ہے اس وقت ہم اس حدیث کو شیعوں کے مجتہد اعظم ان کے آیۃ اللہ فی العالمین یعنی جناب مولوی دلدار علی کی کتاب اساس الاصول سے نقل کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :-

وَمِنْهَا الرِّوَايَةُ الْمُسْتَفِيضَةُ بَلِ الْمُتَوَاتِرَةُ
الْمَعْنٰى فَاِنَّهَا بِتَفَاوُتٍ يَسِيْرٍ مَأْثُوْرَةٌ فِيْ
اَكْثَرِ كُتُبِ الْاُصُوْلِ فَفِي الْكِتَابِ الْكَافِيْ
بِسَنَدٍ مَوْثُوْقٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ عَلٰى كُلِّ حَقٍّ حَقِيْقَةً
وَعَلٰى كُلِّ صَوَابٍ نُوْرًا فَمَا وَافَقَ كِتَابَ
اللّٰهِ فَخُذُوْهُ وَمَا خَالَفَ كِتَابَ اللّٰهِ
فَدَعُوْهُ وَهٰكَذَا فِي الْاَمَالِيْ وَاَيْضًا
فِي الْكَافِيْ وَالْمَحَاسِنِ عَنْ اَيُّوْبَ ابْنِ
الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ
كُلُّ شَيْءٍ مَرْدُوْدٌ اِلَى الْكِتَابِ وَ
السُّنَّةِ وَكُلُّ حَدِيْثٍ لَا يُوَافِقُ كِتَابَ
اللّٰهِ فَهُوَ زُخْرُفٌ وَاَيْضًا فِيْهِمَا عَنْ اِبْنِ
اَبِيْ يَعْفُوْرٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ
عَنِ اخْتِلَافِ الْحَدِيْثِ يَرْوِيْهِ
مَنْ نَثِقُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ
لَا نَثِقُ بِهٖ فَقَالَ اِذَا وَرَدَ
عَلَيْكُمْ حَدِيْثٌ فَوَجَدْتُمْ
لَهٗ شَاهِدًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ
عَزَّوَجَلَّ اَوْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ
اللّٰهِ وَاِلَّا فَالَّذِيْ جَاءَكُمْ
بِهٖ اَوْلٰى بِهٖ وَهٰكَذَا وَرَدَتْ
بِاِسْنَادٍ اٰخَرَ مِمَّا يَطُوْلُ ذِكْرُهٗ۔

ازاں جملہ ایک روایت ہے جو مستفیض بلکہ متواتر
المعنی ہے وہ روایت باختلاف قلیل اکثر کتب
احادیث میں مروی ہے چنانچہ کتاب کافی میں بسند
معتبر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے
کہ رسول خدا نے فرمایا کہ بتحقیق ہر سچائی کی ایک
حقیقت اور ہر صحیح بات پر ایک نور ہوتا ہے پس
جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو اس کو لے لو
اور جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دو۔
ایسا ہی کتاب امالی میں بھی ہے اور نیز کافی و
محاسن میں ایوب بن حارث سے روایت ہے
وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق کو فرماتے ہوئے
سنا کہ ہر چیز کتاب و سنت سے ملا کر دیکھی جائے
اور جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ
جعلی ہے نیز امالی اور محاسن میں ابن ابی یعفور
سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام
جعفر صادق علیہ السلام سے احادیث شیعہ کے
اختلاف کی بابت دریافت کیا کہ بعض احادیث
کے راوی معتبر لوگ ہوتے ہیں اور بعض کے غیر
معتبر ہوتے ہیں امام نے فرمایا جب تمہارے
سامنے کوئی حدیث آئے اور تم کو کتاب اللہ
سے اس کی تائید مل جائے یا قول رسول اللہ سے
تو بہتر ورنہ جس شخص نے وہ حدیث تم سے بیان
کی ہے وہ حدیث اسی کے لئے سزاوار ہے اسی

طرح دوسری سندسے بھی منقول ہے تمام سندوں
کے ذکر میں طول ہوگا۔

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ آئمہ کی یہ تعلیم تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئی ہے کہ حدیث رسول یا قول امام قرآن شریف کے موافق ہو وہ قبول کیا جائے اور جو قرآن کے خلاف ہو وہ راوی کے منہ پر مار دیا جائے۔ کالای بدبریشس مالک۔

اب حضرات شیعہ خود غور کریں کہ جب قرآن شریف ان کی مذہبی اصول اوران کی دو ہزار اور متواتر روایات کی بنا پر مشکوک بلکہ یقینی طور پر غیر معتبر قرار پایا تو آئمہ کے اقوال اور احادیث رسول کس چیز سے ملا کر دیکھی جائیں کس کے موافقت یا مخالفت سے ان احادیث کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

قرآن شریف تو ہاتھ سے جا چکا تھا ایک ذخیرہ معتبر روایات کا شیعوں کے ہاتھ میں تھا جس میں احادیث رسول تو شاذ و نادر تھیں البتہ آئمہ کے اقوال تھے مگر قرآن شریف کی موافقت یا مخالفت معلوم نہ ہو سکنے کے باعث وہ دفتر بھی بیکار ہو گیا۔ اب شیعوں کے پاس سوا چند خیالات پریشان کے کچھ باقی نہ رہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

قرآن موجود پر ایمان نہ ہونے کی تیسری خرابی

مذہب شیعہ میں جو چیزیں متواتر مانی گئی ہیں ان میں ایک حدیث ثقلین ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن اور اہل بیت دونوں سے تمسک کرنے کا حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ مولوی دلدار علی صاحب اساس الاصول میں فرماتے ہیں۔

الرابع منها ما صح عن النبی بروایۃ العام والخاص انه قال انی تارك فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی فانهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض الکوثر۔

چوتھی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی شیعہ دونوں کی روایات سے پایۂ صحت کو پہنچ گئی کہ آپ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس سے تمسک کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے کتاب اللہ اور اپنی عترت یعنی اہل بیت یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ

ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائینگے)

پس اب قابل غور بات یہ ہے کہ جس مذہب نے قرآن کے مشکوک و غیر معتبر ہونے کی تعلیم دی ہو جس نے دو ہزار سے زیادہ روایتیں احادیث معصومین کے نام سے فراہم کرکے قرآن کی بے اعتباری کو ناقابل انکار بنا دیا ہو اس مذہب کے ماننے والوں کے ہاتھ میں قرآن کا نہ رہنا تو ظاہر ہے، لیکن اگر اہلبیت کا دامن اس کے ہاتھ میں مانا جائے تو اس حدیث ثقلین کی تکذیب ہوتی ہے یا نہیں؟

یقیناً تکذیب ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں قرآن اور اہل بیت میں جدائی لازم آتی ہے پس لامحالہ ان دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑے گی، یعنی یہ کہ جس طرح قرآن دنیا سے اس وقت معدوم ہے اسی طرح اہل بیت بھی مفقود اور اہل بیت کے نام سے جو حدیثیں شیعوں کے پاس ہیں بے اصل و بے بنیاد یا یہ کہ جس طرح سنیوں کے پاس قرآن ہے، اسی طرح دامن اہل بیت بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔

ف شیعوں نے حدیث ثقلین کے بگاڑنے میں اور اس کا غلط مطلب مشہور کرنے میں انتہائی کوشش سے کام لیا ہے اور بڑے دھوکے دیئے ہیں۔ اول تو وہ کہتے ہیں کہ ثقلین یہ دو چیزیں قرآن اور اہل بیت **دوم** وہ کہتے ہیں اہل بیت سے مراد دوازدہ امام **سوم** وہ کہتے ہیں کہ اہل بیت سے تمسک کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احکام پر عمل کیا جائے یعنی جو اقوال ان کے نام سے کتب شیعہ میں مروی ہیں ان پر بنیاد مذہب رکھی جائے اس وقت ہم کو ان فریبوں کی تحقیقات منظور نہیں ہے، انشاء اللہ تعالیٰ انہیں دو سو مسائل کے سلسلہ میں ایک رسالہ خاص حدیث ثقلین کی شرح پر ہوگا اس میں اس نفیس تحقیق کو بیان کرکے اصل حقیقت کا اظہار کیا جائے گا۔ مولوی دلدار علی صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث سنیوں کے یہاں بھی ہے محض اپنے خیالات اور اپنے اسلاف کی مغالطات کی بنا پر ہے۔

قرآن موجود پر ایمان نہ ہونے کی چوتھی خرابی

بظاہر تو شیعوں نے قرآن کے غیر معتبر بنانے کا یہ فائدہ ظاہر کیا ہے کہ صحابہ کرام پر ایک بڑا سنگین جرم قائم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کر دی چنانچہ ان کے امام المناظرین مولوی

حامد حسین صاحب استقصاء الافہام جلد اول ص۶۴۲ میں فرماتے ہیں:۔

اگر اہل حق از حافظان اسرار الٰہی وحاملان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہداۃ اسلام وآئمہ انام اند روایت کنند احادیثے کہ دال ست برآنکہ در قرآن شریف مبطلین واہل ضلال تحریف نمودند و تصحیفش بعمل آوردند واصل قرآن کما انزل نزد حافظان شریعت موجود ست کہ دریں صورت اصلا بر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نقصے وطعنے عائد نمی شود فریاد وفغان آغاز کنند وکلمات ناشائستہ دراز کار کہ بادنے عاقلے نمی زیبد بر زبان آرند۔

اگر اہل حق یعنی شیعہ آئمہ معصومین سے جو اسرار الٰہی کے نگہبان اور آثار جناب رسالتمآب پناہی کے حامل ہیں اور اسلام کے ہادی اور مخلوق کے پیشوا ہیں ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ قرآن شریف میں بدکار اور گمراہ لوگوں نے تحریف کی اور اس کو بدل دیا اور اصل قرآن جیسا کہ نازل ہوا تھا آئمہ معصومین کے پاس موجود ہے اس صورت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض والزام نہیں آتا مگر سنی فریاد اور شور شروع کر دیتے ہیں اور ناشائستہ باتیں جو کسی عقلمند کیلئے زیبا نہیں زبان پر لاتے ہیں

ایسا ہی اور علمائے شیعہ نے بھی لکھا ہے:۔

لیکن درحقیقت نہ صرف جناب رسالتمآب پر بلکہ قرآن کے محرف ہو جانے سے بڑا اور سنگین اعتراض حق تعالیٰ پر ہوتا ہے جس کا دفعیہ شیعوں کے اولین وآخرین سب مل کر بھی نہیں کر سکتے نہ ان کو اس کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ان کا مقصد اصلی یہی ہے۔

وہ اعتراض یہ ہے کہ تمام شیعہ بلا اختلاف خدا پر لطف اور اصلح کو واجب کہتے ہیں یعنی جو کام بندوں کے حق میں لطف ہو اور جو ان کے لئے زیادہ بہتر ہو خدا پر لازم ہے کہ اس کام کو کرے۔

پس اب یہ بتلائیں کہ خدا نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کو ختم کرکے قیامت تک کے لئے سلسلہ رسولوں کے بھیجنے کا بند کر دیا اور آخری شریعت اور آخری کتاب کی حفاظت بھی نہ کی اس میں کیا لطف واصلح ہے اور آیا خدا تارک واجب ہوا یا نہیں، اور کیا ترک واجب کوئی معمولی قباحت ہے۔

اگر کہا جائے کہ قرآن میں تحریف تو بندوں نے کی اور خدا نے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ چاہیں نیک کام کرکے مستحق ثواب بنیں اور چاہیں برا کام کرکے مستوجب عذاب ہو جائیں لہٰذا اس میں خدا پر کیا الزام

ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ تحریف قرآن کے ارتکاب کا الزام ہم خدا پر عائد کرنا نہیں چاہتے بلکہ اصل اعتراض یہ ہے کہ خدا کو معلوم تھا کہ قرآن میں تحریف کر کے شریعت محمدیہ دنیا سے معدوم کر دی جائیگی۔ لہٰذا اس نے نبیوں کے بھیجنے کا سلسلہ کیوں موقوف کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو آخری شریعت کیوں قرار دیا، اور اگر نبوت کا سلسلہ ختم کر دینا کچھ ایسا ہی ضروری تھا تو بقول شیعہ بارہ امام جو ہر بات میں نبیوں کے ہم رتبہ ہیں انہیں کو دنیا میں باقی رکھتا۔ بارھویں امام کی عمر تو خدا نے عادت طبعی کے خلاف کہ اب تک وہ زندہ ہیں مگر ایک غار میں چھپ جانے کی وجہ سے ان کا وجود و عدم برابر ہوگیا نہ کوئی ان کے پاس جا سکتا ہے نہ وہ کسی سے ملتے ہیں نہ ان کے احکام کسی کو حاصل ہو سکتے ہیں نہ اصلی قرآن ان سے مل سکتا ہے۔ لہٰذا خدا پر لازم تھا کہ بارھویں امام کے دل سے خوف دور کرتا اور بغیر مددگاروں کی بڑی جماعت کے ان کا خوف دور نہ ہو سکتا تھا تو ان کے لئے مددگار پیدا کرتا۔ مگر خدا نے یہ کچھ بھی نہ کیا۔ نبوت بھی ختم کر دی اور امامت کا سلسلہ جو سلسلۂ نبوت سے افضل تھا اس کی یہ حالت ہوئی کہ صدیوں سے کوئی امام نہیں۔

ہاں اس کے جواب میں شیعہ ایک لاجواب بات کہہ سکتے ہیں کہ خدا کو معلوم نہ تھا کہ نبی کے بعد قرآن محرف کر دیا جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ سلسلۂ امامت اس طرح خراب ہو جائیگا بارھویں امام کی غیبت کو اس قدر طول ہو جائیگا لہٰذا خدا پر کوئی الزام نہیں آسکتا رہا یہ کہ خدا کو آئندہ واقعات کا علم نہ ہونا اس کو بھی شیعہ حضرات بڑے اہتمام کے ساتھ تسلیم کر چکے ہیں اس کے واقعات بھی تصنیف فرما چکے ہیں، اسی کا نام عقیدۂ بدا ہے۔

قرآن موجود پر ایمان نہ ہونے کی پانچویں خرابی

اگر قرآن موجود کی وہی حالت ہے جو مذہب شیعہ نے بتلائی ہے تو اس کا الزام صحابۂ کرام پر جسقدر ہو اس سے بدرجہا زائد حضرت علی مرتضیٰ پر عائد ہوتا ہے۔

پہلا الزام ان پر یہ ہے کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کیوں ہونے دی تحریف کرنے والوں کو بزور شمشیر کیوں نہ روکا۔ حضرت علی کے سامنے قرآن میں کمی بیشی کی گئی بہت سی آیتیں بلکہ سورتیں غائب کر دی گئیں خلاف فصاحت و بلاغت اور نا قابل برداشت عبارتیں بنا کر قرآن میں بڑھائی گئیں اور ایسے مضامین

قرآن میں الحاق کئے گئے جن سے مذاہب باطلہ کی تائید ہوتی ہے جن سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہے ترتیب بھی اس کی الٹ پلٹ کی گئی یہ سب کچھ ہوا مگر حضرت علی کچھ نہ بولے۔ جس شخص میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو وہ قرآن کو اس طرح برباد ہوتے دیکھ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتا۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ جب خود حضرت علی کی خلافت کا زمانہ آیا تو اپنے زمانہ کی خلافت میں انہوں نے اصلی قرآن کی اشاعت اور محرف قرآن کے معدوم کرنے میں کوشش کیوں نہ کی اگر اس وقت بھی جناب ممدوح کوشش کرتے تو کیا یہ ممکن تھی اسی قرآن کی اشاعت کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کم از کم اس کا نتیجہ تو ضرور نکلتا کہ اصلی قرآن کا وجود بھی روئے زمین پر قائم ہو جاتا کچھ لوگوں کے پاس محرف قرآن ہوتا تو کچھ لوگوں کے پاس اصلی قرآن بھی ہوتا اور اس اصلی قرآن کا ثبوت کم از کم حضرت علی مرتضیٰ سے بتواتر ہوتا۔ مگر افسوس کہ حضرت علی نے یہ بھی نہ کیا قرآن شریف کے متعلق جس قدر بے پروائی اور غفلت کا ظہور ان سے ہوا ایک ادنیٰ مومن سے بھی نہیں ہو سکتا۔

اب سنو! کہ شیعہ صاحبان ان دونوں الزاموں کا کیا جواب دیتے ہیں یا دے سکتے ہیں انہوں نے متعدد جوابات ان اعتراضات کے یکے بعد دیگرے تصنیف کئے ہیں جو قطع نظر اس کے کہ آپس میں متناقض ہیں یعنی ایک جواب دوسرے جواب کو کاٹتا ہے عذر گناہ بدتر از گناہ سے زیادہ کسی لقب کے مستحق نہیں ہیں۔

پہلے الزام کا ایک جواب

یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام تینوں خلیفہ کے زمانہ میں معذور و مغلوب تھے ان میں یہ طاقت کہاں تھی کہ وہ ان کو تحریف قرآن سے روکتے اور اگر وہ نہ مانتے تو ان سے جنگ کرتے اگر ایسی ہی طاقت ہوتی تو خلافت کیوں چھنتی گردن میں رسی ڈال کر بیعت کے لئے کیوں بلائے جاتے اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے فدک کیوں غصب ہوتا۔ جناب سیدہ کو لاتوں سے مار کر ان کا حمل کیوں گرایا جاتا، غضب ام کلثوم جیسا شرمناک اور آبرو ریز واقعہ کیوں پیش آتا وغیرہ وغیرہ۔

جواب الجواب یہ ہے کہ جہاں شیعوں کی روایتوں میں یہ باتیں وارد ہوئی ہیں وہاں اس کے خلاف مضامین بھی ان کی روایتوں میں ہیں۔ اور چونکہ وہ روایتیں حضرت علی کی مشہور اور مسلمہ فریقین شجاعت کے مناسب ہیں اس لئے ان کی مغلوبیت اور بزدلی کی روایتوں پر عقلاً مستحق ترجیح ہیں۔

کتب معتبرۂ شیعہ میں بکثرت وہ روایتیں ہیں جن میں جناب امیر کی ذاتی شجاعت وبسالت اور جسمانی مافوق الفطرت طاقت وقوت اور ان کے یاروں اور مددگاروں کی کثرت وشوکت کا بیان ہے اس کے علاوہ ان کو جو معجزات ملے تھے ان کی کچھ حد وانتہا نہیں عصائے موسیٰ ان کے پاس انگشتری سلیمان ان کے پاس اور تمام انبیائے سابقین کے سارے معجزات ان کے پاس۔ ان مضامین کی روایات کو ہم کتاب حیات القلوب حق الیقین۔ کتاب الخرائج۔ مجالس المؤمنین اصول کافی کے حوالہ سے النجم کے مناظرہ حصہ دوم میں نقل کر چکے ہیں، اور ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس سلسلہ کے آئندہ رسائل میں مع شیئے زائد نقل کریں گے۔

ان روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خلفاء خصوصاً حضرت عمر جناب امیر سے بہت ڈرتے تھے، غزوۂ احد کے بعد سے حضرت عمر کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب جناب امیر کو دیکھتے تھے تو ایک غیر معمولی اضطراب ان کو ہو جاتا تھا، اور مارے خوف کے ایک مدہوشی کی حالت ان پر طاری ہو جاتی تھی۔

ان روایات میں یہ بیان بھی ہے کہ ائمہ کو اپنی موت کا وقت بھی معلوم ہوتا ہے، اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

پس جناب امیر علیہ السلام شجاع وبہادر بھی تھے، مددگاروں، فرمانبرداروں کی بھی کثرت تھی، جسمانی زور بھی غیر معمولی اندازہ پر خدا نے دیا تھا، تمام انبیاء کے معجزات بھی ان کے پاس تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی موت کا وقت ان کو معلوم تھا جو ایک ساعت آگے پیچھے نہ ہو سکتا تھا اور اپنی موت بھی ان کے اختیار میں تھی، باوجود ان سب باتوں کے کون کہہ سکتا ہے کہ جناب امیر عاجز تھے، مغلوب تھے اور تحریف قرآن کو اگر روکنا چاہتے تو روک نہ سکتے تھے یقیناً اگر وہ روکنا چاہتے تو تحریف قرآن ناممکن اور محال ہو جاتی۔ پس اب سوا اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ جناب موصوف کا دل قرآن شریف کی عزت ومحبت سے بالکل خالی تھا۔ نعوذ باللہ منہ۔

پہلے الزام کا دوسرا جواب

یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ایک وصیت نامہ منزل من اللہ تصنیف فرمایا گیا ہے اصول کافی ص۱۵۲ میں ہے کہ جبریل اور میکائیل اور ملائکہ مقربین کی ایک جماعت وصیت نامہ لکھا ہوا مہر کیا ہوا خدا کے پاس سے لے کر آئے اور کہا کہ اے محمد سوا اپنے وصی کے اور سب لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تاکہ وہ اس وصیت نامہ کو ہم سے لے لیں اور آپ ہم کو اس کا گواہ بنائیے اور ضامن بنائیے چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف علی باقی رہ گئے اور فاطمہ دروازہ اور پردہ کے درمیان میں غالباً پہرہ دینے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ اس اہتمام بلیغ کے ساتھ یہ وصیت نامہ حضرت علی کو دے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانی اقرار بھی ان سے لیا جس کے الفاظ متنازع حسب ذیل ہیں۔

وَكَانَ فِيمَا اشْتَرَطَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ بِأَمْرِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا أَمَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ تَفِيْ بِمَا فِيهَا مِنْ مَوَالَاةِ مَنْ وَالَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْبَرَاءَةِ وَالعداوة لِمَنْ عَادَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْبَرَاءَةَ مِنْهُمْ عَلَى الصَّبْرِ منك على كظم الغَيْظِ عَلَى ذَهَابِ حَقِّكَ وَغَصَبِ خُمُسِكَ وَانْتِهَاكِ حُرْمَتِكَ فَقَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم جبریل علیہ السلام بحکم خدا یعنی وصیت نامہ کے متعلق جو کچھ فرمایا اس میں یہ مضمون بھی تھا کہ آپ نے فرمایا اے علی جو کچھ اس وصیت نامہ میں ہے اس پر عمل کرنا یعنی ان لوگوں سے دوستی کرنا جو اللہ اور اس کے رسول سے دوستی رکھتے ہوں اور بیزاری اور عداوت کرنا ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہوں ان لوگوں سے بیزاری اس طور پر کرنا کہ تمہاری طرف سے صبر کا ظہور ہو اور غصہ کو ضبط کرنا اپنی حق تلفی پر اور اپنے خمس کے چھین جانے اور اپنی آبرو کے تلف ہونے پر جناب امیر نے فرمایا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فَقَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرِئَ النَّسَمَةَ لَقَدْ سَمِعْتُ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَقُوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَا مُحَمَّدُ عَرِّفْهُ اَنَّهٗ تُنْتَهَكُ الْحُرْمَةُ وَهِیَ حُرْمَةُ اللهِ وَحُرْمَةُ رَسُوْلِ اللهِ وَعَلٰی اَنْ تُخْضَبَ لِحْیَتُهٗ مِنْ رَاْسِهٖ بِدَمٍ عَبِیْطٍ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم اس کی جس نے دانہ کو شگاف دے کر درخت نکالا، اور جس نے جان کو پیدا کیا، یہ تحقیق میں نے جبریل علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے سنا کہ اے محمد علی کو بتلا دیجئے کہ ان کی آبروریزی کی جائے گی، اور ان کی آبرو اللہ کی عزت ہو گی اور علی کو یہ بھی بتلا دیجئے کہ ان کی داڑھی ان کے سر کے تازہ خون سے رنگین کی جائے گی۔

قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَصَعِقْتُ حِیْنَ فَهِمْتُ الْكَلِمَةَ مِنَ الْاَمِیْنِ جِبْرَئِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَتّٰی سَقَطْتُ عَلٰی وَجْهِیْ وَقُلْتُ نَعَمْ قَبِلْتُ وَرَضِیْتُ وَاِنْ انْتُهِكَتِ الْحُرْمَةُ وَعُطِّلَتِ السُّنَنُ وَمُزِّقَ الْكِتٰبُ وَهُدِّمَتِ الْكَعْبَةُ وَخُضِبَتْ لِحْیَتِیْ مِنْ رَاْسِیْ بِدَمٍ عَبِیْطٍ صَابِرًا مُحْتَسِبًا اَبَدًا حَتّٰی اَقْدَمَ عَلَیْكَ۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس وقت میں نے جبریل امین علیہ السلام سے یہ لفظ سنے میں چیخ مار کر اپنے منہ کے بل گر پڑا اور میں نے کہا کہ ہاں میں نے قبول کیا، اور میں راضی ہو گیا اگرچہ میری عزتی کی جائے اور اگرچہ طریقے دین کے موقوف کر دیئے جائیں، اور اگرچہ کتاب اللہ ٹکڑے ٹکڑے کر دی جائے اور کعبہ گرا دیا جائے، اور اگرچہ میری داڑھی میرے سر کے تازہ خون سے رنگین کر دی جائے میں صبر کروں گا، اور یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔

اس وصیت نامہ کے تصنیف کرنے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے، کہ حضرت علی باوجود شجاعت

سلہ علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی میں اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بے عزتی سے اشارہ غصب ام کلثوم کی طرف ہے۔ منہ زادہ منہ۔

دزدرو قوت واوصاف مذکورہ بالا کے اس وصیت کی وجہ سے لاچار تھے ان کو خدا کی طرف سے حکم تھا، رسول وصیت فرما گئے تھے کہ چاہے دین کیسا ہی تباہ و برباد کر دیا جائے حتی کہ قرآن اور کعبہ بھی (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) معدوم کر دیا جائے۔ تب بھی تم کچھ نہ بولنا لہٰذا حضرت ممدوح پر تحریف قرآن کے نہ روکنے کا الزام بالکل بیجا ہے۔

جواب الجواب یہ ہے کہ اولاً صریح عقل کے خلاف ہے کہ خدا ور سول کی طرف سے ایسی نامعقول وصیت کسی کو کی جائے، ہر قسم کے سامان و اسباب فراہم ہوں کوئی معذوری نہ ہو اور پھر حکم دیا جائے کہ دین کو برباد ہوتے ہوئے دیکھو مگر کچھ نہ بولو ثانیاً بالفرض یہ وصیت نامہ صحیح ہو تو حضرت علی پر نہ سہی خدا ورسول پر الزام ایسا آئے گا کہ ایسا خلاف عدل و مخالف عقل حکم کیوں دیا خصوصاً اس فرقہ کے اصول پر جو خدا پر عدل کو واجب کہتا ہو اور حسن و قبح عقلی کا قائل ہو ثالثاً حضرت علی سے اس وصیت نامہ کے خلاف افعال کا صادر ہونا قطعی ثابت ہے کتب فریقین سے تاریخ کے واقعات قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت علی نے اصحاب جمل و اصحاب صفین کے مقابلہ میں صبر سے کام نہ لیا بڑی خونریز جنگ کی جس میں طرفین سے ہزاروں آدمی شہید ہوئے، پھر نہروان میں خوارج سے لڑے صبر نہ کیا حالانکہ وصیت میں یہ معاہدہ تھا کہ ہمیشہ صبر کروں گا، یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں یعنی اس دنیا سے انتقال ہو جائے، وصیت میں صبر کا حکم کسی خاص زمانہ کے لئے یا مخصوص اشخاص کے مقابلہ میں نہ تھا بلکہ ایک عام اور ابدی حکم تھا۔

حضرت علی کی یہ جنگیں لڑائیاں تو فریقین کی کتابوں میں مذکور اور تمام دنیا میں مسلم و مشہور ہیں ان کے علاوہ کتب شیعہ میں خلفائے ثلثہ سے بھی ذرا ذرا سی بات پر لڑ بیٹھنے کے واقعات بکثرت ملتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت عمر کو ان کی خلافت کے زمانے میں دے مارا اور جان سے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا، مگر پھر چھوڑ دیا ایک مرتبہ حضرت سلمان کی طرف داری میں حضرت عمر کو دے مارا یہ دونوں واقعے علامہ باقر مجلسی کی کتاب حق الیقین میں ہیں، ایک مرتبہ حضرت عمر کی زبان پر اتفاقاً شیعوں کا تذکرہ آگیا تو حضرت علی نے اپنی کمان کو زمین پر ڈال کر حضرت عمر کی طرف چھوڑ دیا۔ وہ اژدہا منہ پھیلا کر دوڑا قریب تھا کہ حضرت عمر کو نگل جائے مگر پھر ان کی فریاد پر رحم آگیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کے زمانے میں حضرت خالد نے باشارہ حضرت ابوبکر حضرت علی کے قتل کا ارادہ عین نماز کی حالت میں کیا

تو حضرت علی نے لوہے کا ایک ستون ہاتھ سے موڑ کر طوق کی طرح حضرت خالد کے گلے میں ڈال دیا ہر چند لوگوں نے چاہا کہ اس ستون کو خالد کے گلے سے نکالیں مگر نہ نکل سکا۔ آخر حضرت ابوبکر کو حضرت علی کی خوشامد کرنی پڑی، یہ دونوں واقعے علامہ راوندی کی کتاب الخرائج میں ہیں۔

اس قسم کے واقعات بکثرت کتب شیعہ میں ہیں جن کو بہ نقل اصل عبارات ہم مناظرہ حصہ دوم میں لکھ چکے ہیں۔

المختصر حضرت علی کا اس وصیت نامہ کے خلاف عمل کرنا اظہر من الشمس ہے۔ یا غصب خلافت غصب فدک، غصب ام کلثوم، تحریف قرآن۔ ان چند واقعات میں البتہ اس وصیت نامہ پر عمل ہوا تو اس کا سبب حضرات شیعہ کو بتانا چاہیئے کہ وصیت نامہ کی بعض باتوں پر عمل کرنا اور بعض کی مخالفت کرنا نومن ببعض ونکفر ببعض کا مصداق ہے یا نہیں۔

شاید حضرات شیعہ اس کا سبب یہ بتائیں کہ جن امور میں وصیت نامہ کے خلاف عمل ہوا ان امور میں اللہ کو بدا ہو گیا تھا۔ بعد میں خدا نے اپنی رائے بدل دی تھی یا یہ کہ حضرت علی نے سہواً ایسا کیا جیسا کہ ایک مرتبہ سہواً نماز بغیر وضو کے پڑھا دی تھی[1]، اور کم از کم یہ جواب تو حضرات شیعہ کے لیئے آخری سپر ہے کہ آئمہ کی باتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتیں یہ اسرار امامت ہیں ہم صرف ان باتوں کے ماننے پر مامور ہیں نہ سمجھنے پر۔

دوسرے الزام کا جواب

حضرات شیعہ دوسرے الزام کا یعنی اس بات کا کہ حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں اصلی قرآن کیوں نہ شائع کیا اور محرف قرآن کے معدوم کرنے کی کیوں نہ کوشش کی یہ جواب دیتے ہیں کہ

---

[1] کتاب استبصار مطبوعہ لکھنؤ جلد اول صفحہ ۲۱ میں ہے عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ صَلّٰی عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالنَّاسِ عَلٰی غَیْرِ طُھْرٍ وَکَانَتِ الظُّھْرُ فَخَرَجَ مُنَادِیْہِ اِنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ صَلّٰی عَلٰی غَیْرِ طُھْرٍ فَاَعِیْدُوْا وَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بغیر طہارت لوگوں کو نماز پڑھا دی اور وہ ظہر کی نماز تھی پھر ان کا منادی اعلان دیتا ہوا نکلا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے بغیر طہارت نماز پڑھا دی تھی لہذا تم لوگ نماز کا اعادہ کرو اور حاضرین کو چاہیئے کہ غائبین کو یہ خبر پہنچا دیں ۱۲۔

حضرت علی کو خلافت برائے نام ملی تھی وہ اپنی خلافت کے زمانے میں بھی عاجز و مغلوب اور معذور و مقہور رہے۔ اپنی خلافت میں بھی وہ تقیہ کرتے رہے تقیہ میں تینوں خلیفہ کی بڑی بلند تعریفیں ان کے خلیفہ برحق ہونے کے دلائل اور انہیں کے موافق عقائد و اعمال کے مسائل بیان فرماتے رہے اور سبب اس کا یہ تھا کہ جناب امیر کے لشکر میں جس قدر سپاہی اور افسر تھے وہ سب کے سب اور اس زمانے کے تمام مسلمان تینوں خلیفہ خصوصاً شیخین کی افضلیت کے اس درجہ معتقد تھے کہ اگر جناب امیر ان کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالتے تو وہ جناب امیر کو قتل کر دیتے وہ جناب امیر کے لئے انتہائی معراج یہ سمجھتے تھے کہ ان تینوں خلیفاؤں کی پیروی کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں۔

پس ایسی حالت میں جناب امیر اپنے زمانہ خلافت میں اصلی قرآن کی اشاعت میں کیا کوشش کر سکتے تھے

جناب امیر کی معذوری اپنے عہد خلافت میں ایک ایسی خلاف عقل بات ہے کہ اگر کتب معتبرہ شیعہ میں خود جناب امیر کی زبان مبارک سے منقول نہ ہوتی اور اکابر علمائے شیعہ نے اس کی تصریح نہ کی ہوتی تو شاید آج کوئی شیعہ اس کو نہ مانتا۔

اس وقت ہم صرف شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری کی ایک عبارت اور کتاب کافی کی ایک روایت پر بغرض اختصار اکتفا کرتے ہیں۔

قاضی صاحب اپنی کتاب احقاق الحق میں بجواب اس اعتراض کے کہ متعہ اگر حلال تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کی علت کا اعلان کیوں نہ کیا لکھتے ہیں۔

ومنها ان ما ذكره من انه لو كان	اور منجملہ اس کے فاضل ابن روزبہان نے جو
الامر على ما يذكره الشيعة من	اعتراض کیا ہے کہ اگر شیعوں کا یہ کہنا صحیح ہے کہ
ان تحريم المتعة كان من قبل	متعہ کی حرمت حضرت عمر کی طرف سے ہوئی
عمر فلم لم يحلله امير المؤمنين	تو اس کو امیر المومنین نے اپنی خلافت کے زمانہ
في ايام خلافته الخ مدفوع	میں کیوں نہ حلال کر دیا یہ اعتراض اس طرح
بان امير المؤمنين لما راى اعتقاد	دفع کیا جائیگا کہ امیر المومنین نے چونکہ جمہور
الجمهور حسن السيرة الشيخين	کا یہ اعتقاد دیکھا کہ وہ شیخین کی روش کو عمدا

وانهما كانا على الحق لم يتمكن
من الاقدام على ما يدل
على فسادا ما متهما لما في
ذلك من الشهادة بالجهل
والفساد منهما وانهما لم
يكونا مستحقين لمقامهما و
كيف يتمكن من نقض احكامهما
وتغير سنتهما واظهار خلافهما
على الجماعة الذين ظنوا انهما
كانا مصيبين في جميع ما
فعلاه وتركاه وان امامته
مبنية على امامتهما فان
فسدت فسدت امامته
يدل على هذا ما سياتي
من انه عليه السلام نهاهم
عن صلوة التراويح الذي
ابدعها عمر فامتنعوا ورفعوا
اصواتهم قائلين واعمراه
واعمراه حتى تركهم في
خوضهم يلعبون والحاصل
ان امر الخلافة ما وصل اليه
الا بالاسم دون المعنى
وكان معارضًا منازعًا

سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ دونوں حق پر تھے اس
لئے آنجناب ایسی بات نہ کہہ سکتے تھے، جو
شیخین کی امامت کے صحیح نہ ہونے پر دلالت
کرے، کیونکہ اس صورت میں ان کو شیخین کے
جاہل اور مفسد ہونے کی شہادت دینا پڑتی
اور یہ کہ وہ دونوں مرتبۂ خلافت کے مستحق
نہ تھے اور جناب امیر شیخین کے احکام کے
توڑ دینے اور انکے طرقوں کو بدل دینے اور ان
کے خلاف کرنے پر ایسی جماعت کے سامنے
کیوں کر قادر ہو سکتے تھے جس کا یہ خیال تھا
کہ شیخین تمام ان باتوں میں جن کو انہوں
نے کیا اور جن کو نہیں کیا حق پر تھے، اور
یہ کہ جناب امیر کی امامت شیخین کی امامت
پر مبنی ہے اگر شیخین کی امامت صحیح نہیں
تو جناب امیر کی امامت بھی صحیح نہیں اس بات
کی دلیل آگے بیان ہوگی کہ جناب امیر
علیہ السلام نے ایک مرتبہ ان کو نماز تراویح
سے جس کو عمر نے ایجاد کیا تھا منع فرمایا ان
لوگوں نے نہ مانا اور چلا چلا کر کہنے لگے ہائے
عمر ہائے عمر یہاں تک کہ جناب امیر نے
ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا، حاصل یہ کہ
جناب امیر کو برائے نام خلافت ملی تھی نہ درحقیقت
اور زمانہ خلافت میں بھی آپ کی مخالفت کی

مبغضًا فی ایام ولایتہ وکیف یامن فی ولایتہ الخلاف علی المتقدمین علیہ وکل من بایعہ وجمہورھم شیعۃ اعدائہ ومن یریٰ انھم مضوا علی اعدل الامور وافضلھا وان غایۃ امر من بعدھم ان یتبع آثارھم ویقتفی طرائقھم۔

جاتی تھی آپ سے نزاع کیا جاتا تھا۔ آپ سے بغض رکھا جاتا تھا پس وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی اگلوں کی مخالفت کرکے کیوں کر بے خوف رہ سکتے تھے۔ حالانکہ جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی تھی، وہ سب آپ کے دشمنوں کے گروہ سے تھے، اور آپ کے دشمنوں کو سمجھتے تھے، کہ نہایت عمدہ اور افضل حالت میں تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کے بعد والوں کی انتہائی معراج یہ ہے کہ ان کے نشان قدم پر چلیں، اور ان کے طریقوں کی پیروی کریں۔

روضۂ کافی ص۲۹ میں خود حضرت علی مرتضیٰ کی زبان سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے مخصوص لوگوں سے فرمایا۔

قَدْ عَمِلَتِ الْوُلَاۃُ مِنْ قَبْلِیْ اَعْمَالًا خَالَفُوْا فِیْھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مُتَعَمِّدِیْنَ لِخِلَافِہٖ نَاقِضِیْنَ لِعَھْدِہٖ مُغَیِّرِیْنَ لِسُنَّتِہٖ وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰی تَرْکِھَا وَحَوَّلْتُھَا اِلٰی مَوَاضِعِھَا وَاِلٰی مَا کَانَتْ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتَفَرَّقَ عَنِّیْ جُنْدِیْ۔

بہ تحقیق مجھ سے پہلے خلفاء نے کچھ ایسے کام کئے ہیں جن میں انہوں نے عمداً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے ان کے حکم کو توڑا ہے ان کی سنّت کو بدلا ہے اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کے چھوڑنے کی ترغیب دوں، اور ان چیزوں کو اصل حالت میں کر دوں جس حالت میں کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھیں۔ تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے یعنی خلافت جاتی رہے۔

اس کے بعد جناب امیر نے کچھ مثالیں خلفائے سابقین کے ظلم کی بیان کی ہیں جن میں غصب فدک اور تحریف قرآن کا بھی ذکر ہے۔

جواب الجواب یہ ہے کہ حضرت علی کی معذوری اور ان کے تقیہ کی یہ حالت ان کی خلافت کے زمانہ میں بھی تھی تو اب ان کو اسد اللہ الغالب کہنا ظلم ہے، علاوہ اس کے ان کے ایمان و اسلام کا ثبوت بھی ایسی حالت میں ناممکن اور محال ہے۔

بہر حال حضرت علی کا دامن کبھی اس دھبہ سے پاک نہیں ہو سکتا یقیناً تحریف قرآن کے معاملہ میں سب سے زیادہ سنگین الزام انہیں پر عائد ہوتا ہے۔

قرآن موجود کے ایمان نہ ہونے کی پانچ خرابیاں نہایت اختصار کے ساتھ بیان ہو چکیں شیعوں کی حالت پر بعض اوقات بہت رحم آتا ہے۔ بیچاروں کی جان عجب ضیق میں ہے اگر قرآن کو مانتے ہیں تو مشکل سارا مذہب جاتا ہے قرآن یک دم سارا گھروندہ مٹائے دیتا ہے۔ اور قرآن کو نہیں مانتے تو یہ مشکلات خدا ان کی حالت پر رحم فرمائے اور اس کش مکش سے ان کو نجات دے۔

ھذا آخر الکلام والحمد للہ رب العلمین

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

الحمد للہ تعالیٰ

مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا پہلا رسالہ ہدایت مقالہ

موسوم بہ

الاوّل من المأتین

علیٰ

المنحرف عن الثقلین

نمبر چہارم ملقب بہ

اجوبۃ المتحیرین

فی

ترک الکتاب المبین

جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شیعوں نے ان دلائل کا کیا جواب دیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ایمان قرآن شریف پر نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان جوابات کے دیکھنے سے پورا اطمینان ہو جاتا کہ بیشک قرآن کریم سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے۔

الحمد لله الذی اورث کتابه الخیار من عباده وجعلهم منصورین
غالبین علی اعدائه والصلوٰة والسلام علی من اختص باصطفائه سیدنا
محمد وعلیٰ آله واصحابه

امابعد مذہب شیعہ کے انتخاب کئے ہوئے دو سو مسائل میں سب سے پہلا مسئلہ ایمان بالقرآن کا تھا ۔ جس کے متعلق تین نمبر شائع ہو چکے اگرچہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے کیلئے بہت سے نمبروں کی ضرورت تھی مگر بغرض اختصار میں نے اس مسئلہ کو صرف چار نمبروں پر ختم کرنا چاہا ہے واللہ الموفق والمعین ۔

پہلے نمبر میں یہ بیان تھا کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور دوسرے نمبر میں یہ بیان ہے کہ قرآن شریف کو ترک کر کے اپنے مذہب کے لئے کیا کیا چیزیں شیعوں نے اختیار کی ہیں، تیسرے نمبر میں یہ بیان ہے کہ قرآن شریف پر ایمان نہ ہونے میں از روئے مذہب شیعہ کیا کیا خرابیاں لازم آتی ہیں ۔

اب یہ چوتھا نمبر ہے اس میں بیان کیا جائے گا کہ نمبر اول میں جو دلائل شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہ ہونے اور نہ ہو سکنے کے بیان ہوئے ہیں علمائے شیعہ ان کا کیا جواب دیتے ہیں

واضح ہو کہ نمبر اول میں تین وجوہ شیعوں کے ایمان نہ ہو سکنے کے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے پہلی اور دوسری وجہ کو روایات تحریف سے کوئی تعلق نہیں اگر کتب شیعہ میں روایات تحریف قرآن کی نہ ہوتی تب بھی ان وجہوں کی رو سے شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ناممکن تھا ۔

ان تینوں وجوہ نے مسئلہ کو اس قدر صاف کر دیا ہے کہ کوئی مسئلہ اس سے زیادہ روشن کیا جا سکتا ہے

چاہئے تو یہ تھا کہ علمائے شیعہ صاف صاف اقرار کر لیتے کہ ان کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے، مگر قرآن شریف کا رعب و دبدبہ یہ ہے کہ اس اقرار کی آج تک کسی شیعہ کو جرأت نہیں ہوئی بلکہ قرآن شریف پر ایمان رکھنے کا دعویٰ بڑی بلند آہنگی سے کرتے ہیں غالباً اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اگر صاف صاف اقرار کرلیں تو پھر کوئی غیر محقق بھی ان کو مسلمانوں میں شمار نہ کرے، اور مسلمانوں کے فریب دینے کا موقع ان کو نہ ملے۔

اب دیکھئے کہ ان تین وجوہ کا کیا جواب دیتے ہیں۔ پہلی اور دوسری وجہ کا کوئی معقول اور نامعقول جواب کسی شیعہ عالم نے آج تک نہیں دیا۔ امروہہ کے مناظرہ میں بھی مولوی سبط حسن صاحب نے کوئی جواب ان دونوں وجہوں کا نہیں دیا۔

بلکہ عام طور پر شیعوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے یہ بات کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا محض روایات تحریف قرآن کی بنیاد پر ہے۔

باقی رہی تیسری وجہ جو بحث تحریف سے تعلق رکھتی ہے اس کا جواب البتہ شیعوں کی طرف سے دیا گیا ہے۔ تقریباً ایک صدی سے بڑے بڑے مجتہدین شیعہ اس کے جواب دینے میں اپنی قابلیت خرچ کر رہے ہیں، رنگ برنگ کے متعدد جوابات اب تک دیئے جا چکے ہیں، جو علاوہ اس کے کہ آپس میں متخالف اور متضاد ہیں علم و ذہانت سے بھی کوسوں دور ہیں۔ بطور نمونہ کے ہم چند جوابات درج ذیل کرتے ہیں۔

پہلا جواب

جو علامہ شریف مرتضیٰ نے دیا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان کے فن خامس میں اور تفسیر صافی کے دیباچہ میں مذکور ہے۔ یہ کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں، شیعوں میں صرف چند محدثین اس کے قائل ہو گئے ہیں کچھ ضعیف روایتیں تحریف قرآن کے متعلق کتب شیعہ میں ہیں جن کو محدثین نے صحیح سمجھ کر دھوکا کھایا ہے۔ اور یہ روایات بھی صرف قرآن میں کمی کے متعلق ہیں، قرآن میں زیادتی کی تو کوئی روایت بھی نہیں اور وہ بالاجماع باطل ہیں۔

جواب الجواب۔ الحمد للہ یہ لوگ روایت تحریف کے وجود کا اقرار کر رہے ہیں۔ اب رہا یہ کہ ان

روایات کو ضعیف کہتے ہیں تو دو باتیں ان پر لازم تھیں۔ اول یہ کہ ان کے ضعیف ہونے کی وجہ بیان کرتے یعنی کوئی راوی ان کا مجروح ہے تو اس کو ظاہر کرتے۔ بغیر وجہ ضعف بیان کئے ہوئے اگر روایت کو ضعیف کہہ دینا درست ہو تو جس کا جی چاہے جس روایت کو ضعیف کہہ دیا کرے، سارا فن حدیث بے کار۔ دوم یہ کہ ان روایات کے مقابلہ میں کوئی عدم تحریف کی اپنے آئمہ معصومین سے نقل کرکے پیش کرتے مگر یہ دونوں کام ان لوگوں نے نہیں کئے نہ کر سکتے ہیں۔

اور شریف مرتضیٰ کا یہ کہنا کہ قرآن میں زیادتی کی کوئی روایت نہیں ہے اور وہ بالا جماع باطل ہے، ایک ایسی بات ہے کہ وہ شیعوں کے سوا کسی کی زبان سے نہیں نکل سکتی نہ اور کسی کو اس قدر انکار بدیہیات کی جرأت ہو سکتی ہے نمبر اول میں بحوالہ کتاب احتجاج طبرسی حضرت علی مرتضیٰ سے حسب ذیل اقوال منقول ہو چکے ہیں۔

والذین بدا فی الکتب من الازراء علی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم من فریۃ الملحدین۔	قرآن میں جو برائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ ملحدوں کی افترا کی ہوئی (یعنی جامعین کی بڑھائی ہوئی) ہے۔
انھم اثبتوا فی الکتاب مالم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیقۃ۔	منافقوں نے قرآن میں وہ باتیں درج کر دیں جو اللہ نے نہ فرمائی تھیں تاکہ مخلوق کو فریب دیں۔
زادوا فیہ ماظھر تناکرہ وتنافرہ۔	انہوں نے قرآن میں وہ عبارتیں بڑھا دیں جن کا خلاف فصاحت و قابل نفرت ہونا ظاہر ہے۔

اور بحوالہ تفسیر عیاشی امام باقر علیہ السلام سے منقول ہو چکا ہے۔

لولا انہ زید فی القرآن و نقص ماخفی حقنا علی ذی حجی۔	اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کی گئی ہوتی تو ہمارا حق کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ رہتا۔

باوجود ایسی صاف روایات کے قرآن میں بیشی کا انکار کرنا اور بیشی نہ ہونے پر اجماع بتلانا سوا شیعوں کے اور کس سے ہو سکتا ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی قابل سمجھنے کے ہے کہ شیعہ اجماع کے منکر ہیں لہذا اجماع کا حوالہ بے معنی ہے اگر اجماع کے قائل بھی ہیں تو اس صورت میں کہ قول معصوم کے خلاف نہ ہو حالانکہ

یہاں معصوم کا قول غلاف میں موجود ہے۔

دوسرا جواب

جس کو سب سے آخری جواب کہنا چاہیے وہ جناب اجتہاد مآب حائری صاحب مجتہد پنجاب کا ہے وہ اپنے رسالہ موعظہ تحریف قرآن میں لکھتے ہیں کہ کتب شیعہ میں کوئی روایت تحریف قرآن کی نہیں ہے۔

جواب الجواب نہایت کافی وشافی ہم تنبیہ الحائرین میں لکھ چکے۔ اور کتب شیعہ سے روایات تحریف قرآن اور ان کے تواتر کی تصریح دکھا چکے ہیں۔ پھر آج تک کہ کئی سال ہوئے حائری صاحب خاموش ہیں۔

تیسرا جواب

جو مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافہام میں دیا ہے اور ان کی تقلید کر کے ایڈیٹر اصلاح نے بھی الشمس میں اس کو حرز جان بنایا ہے۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ کتب شیعہ میں روایات تحریف کے وجود کا بھی انکار نہ کیا جائے، ان کی صحت میں بھی کلام نہ کیا جائے، بلکہ ان روایات کی تاویل کی جائے۔

مولوی حامد حسین صاحب فرماتے ہیں کہ شیعوں کی روایتیں بھی نسخ تلاوت اور اختلاف قرأۃ پر محمول ہو سکتی ہیں۔ استقصاء الافہام مجلد اول ص میں لکھتے ہیں "پس چرا بروایات اہل حق زبان طعن دراز میکند آیا جائز نیست کہ آنچہ اینہا از نقصان و تبدل آیات فرقانیہ روایت میکنند آں ہم محمول بر اختلاف قرأت باشد چنانچہ ایں احتمال را خود اہل حق ذکر می سازند"

جواب الجواب ان تمام تاویلات کا رد النجم کی سابقہ جلدوں میں بحمد اللہ ایسا مفصل اور مدلل ہو چکا ہے کہ چوں و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہی نمونہ کے طور پہ چند تاویلات مع جواب درج ذیل کی جاتی ہیں۔

(۱) مولوی حامد حسین صاحب کا یہ کہنا کہ روایات شیعہ اختلاف قرأت یا نسخ تلاوت وغیرہ پر محمول ہو سکتی ہیں بچند وجوہ مردود ہے۔ اول یہ کہ روایات شیعہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ قرآن

میں تحریف ہوئی کمی بیشی کی گئی جس سے مقصود کلام خراب ہوگیا اور قرآن میں بے دینی کی باتیں درج ہوگئیں حتیٰ کہ اس قرآن سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں، پھر بھلا ان تصریحات کے بعد تاویل کی گنجائش کیوں کر ہوسکتی ہے۔ دوم یہ کہ خود مولوی حامد حسین اس امر کا اقرار کر چکے ہیں کہ روایات شیعہ تحریف قرآن کے بارہ میں نص صریح ہیں، چنانچہ استقصاء الافہام مجلد اول صنا میں لکھتے ہیں "اگر بچارہ شیعے بمقتضائے احادیث کثیرہ اہل بیت طاہرین مصرحہ بوقوع نقصان در قرآن حرف تحریف و نقصان برزبان آرد بدف سہام طعن و ملام و مورد استہزاد تشنیع گردد"

نیز صـ۲۳ پر لکھتے ہیں "اگر اہل حق از حافظان اسرار الٰہی و حاملان آثار جناب رسالت پناہی کہ ہداۃ اسلام و آئمہ انام اند روایت کنند احادیثے را کہ دال است برآنکہ در قرآن شریف مبطلین و اہل ضلال تحریف نمودند و تصحیفش بعمل آوردند" پس باوجود اس اقرار کے ان روایات کو محتمل تاویل کہنا مولوی حامد حسین صاحب ہی کا کام ہے۔ سوم اختلاف قرأت کا نام لینا مذہب شیعہ سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اہل سنت کے یہاں تو بیشک قرآن شریف مختلف قرأتوں پر نازل ہوا ہے، مگر مذہب شیعہ میں تو صرف ایک قرأۃ ہے متعدد قرأتوں پر نزول قرآن کا آئمہ نے انکار کیا ہے، کافی باب فضل القرآن صنـ۶ میں ہے:-

قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ان الناس یقولون ان القرآن نزل علی سبعۃ احرف فقال کذبوا اعداء اللہ ولکنہ نزل علی حرف واحد من عند الواحد۔	راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا تو امام نے فرمایا کہ دشمنان خدا جھوٹے ہیں بلکہ قرآن ایک ہی قرأت پر نازل ہوا ہے اور ایک کے پاس سے آیا ہے۔

(۲) ایڈیٹر اصلاح اپنی بعض روایات کی تاویل میں کہتے ہیں کہ یہ تفسیر آیت کی ہے۔ مثلاً اصول کافی کی یہ روایت عن ابی جعفر قال نزل جبریل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ھکذا ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ ایڈیٹر اصلاح کہتے ہیں کہ امام باقر علیہ السلام نے جو فرمایا کہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کی تفسیر اس طرح ہونی چاہیے۔

یہ تاویل بھی بہ چند وجوہ مردود ہے۔ اول یہ کہ تفسیر کرنے کا یہ ڈھنگ و طریقہ کسی کا نہیں ہے کہ آیت یوں نازل ہوئی تھی، صاف الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ آیت میں دراصل یہ لفظ موجود تھا نکل گیا دوم خود مصنف کافی نے اس روایت کو تحریف پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ سوال باب باجسکو ظاہر کر رہا ہے۔ سوم تمام محدثین شیعہ نے ان روایات کو تحریف پر محمول کیا چنانچہ ان کی عبارتیں نمبر اول میں نقل ہو چکیں چھارم یہ تاویل ان روایات میں تو کسی طرح بھی نہیں چل سکتی جن میں صاف تصریح ہے کہ جامعین قرآن قرآن نے فلاں مقام سے ایک تہائی قرآن سے زیادہ نکال ڈالا اس لیے مطلب آیت کا خبط ہو گیا جیسا کہ احتجاج طبرسی کی روایت میں ہے۔

(۳) ایڈیٹر اصلاح قرآن میں کمی اور بیشی کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ایک مقام سے آیتیں نکال کر دوسرے مقام میں لگا دی گئیں، جہاں سے نکالی گئیں وہاں کمی ہو گئی جہاں لگائی گئیں بیشی ہو گئی۔

اس تاویل کو اگر ہم مان لیں اور محدثین شیعہ کی تصریحات سے بھی قطع نظر کریں تو بھی قرآن کا محرف اور ناقابل اعتبار ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ جہاں سے آیت نکالی گئی وہاں کا مطلب بھی خلاف مراد الٰہی ہو گیا جہاں لگائی گئی وہاں کا مطلب بھی بدل گیا، دونوں مقام کی عبارت خبط بے ربط ہو گئی، اور دونوں مقام ناقابل اعتبار ہو گئے۔ دوسری بات سب سے بڑی یہ ہے کہ روایات شیعہ میں یہ تصریح بھی ہے کہ جو بات خدا نے نہ فرمائی تھی وہ بات لوگوں نے قرآن میں درج کر دی جیسا کہ ابھی ہم بحوالہ احتجاج نقل کر چکے ہیں۔

المختصر تاویل کا دروازہ بالکل بند ہے، اسی لیے مولوی دلدار علی صاحب صاف لکھ چکے ہیں کہ ان روایات کے مان لینے کے بعد تحریف قرآن کا انکار ہو نہیں سکتا۔

چوتھا جواب

دراصل حضرات شیعہ کو جو کچھ ناز ہے وہ اسی چوتھے جواب پر ہے اسی کو وہ اپنے لئے حصن حصین جانتے ہیں باقی جوابوں کو تو وہ خود سمجھتے ہیں کہ دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں۔

وہ چوتھا جواب یہ ہے کہ سنیوں کی کتابوں میں بھی تو تحریف قرآن کی روایتیں موجود ہیں، مولوی دلدار علی نے صوارم میں مرزا محمد کشمیری نے نزہہ میں، مولوی حامد حسین نے استقصاء الافحام میں بڑا

زور اس پر دیا ہے اور بڑی دماغ سوزی کرکے اہل سنت کی کتابوں سے روایتیں نقل کی ہیں
النجم کے مناظرہ حصہ اول میں اور تنبیہ الحائرین میں اس پر کافی بحث ہو چکی ہے مگر یہاں بھی مختصراً بطور
اصول کلی کے کچھ ہم ذکر کرتے ہیں۔

جواب الجواب چند امور اس مقام میں قابل غور ہیں۔

اول بالفرض شیعوں کا یہ کہنا کہ اہل سنت کے یہاں بھی تحریف قرآن کی روایات ہیں صحیح بھی
ہو تو ایک الزامی جواب ہوگا جو اہل سنت کے مقابلہ میں کام دے گا لیکن دراصل مذہب شیعہ کی صفائی
اس سے کچھ بھی نہ ہوگی۔ فرض کرو اگر کوئی آریہ یا عیسائی شیعوں پر تحریف قرآن کی بابت اعتراض
کرے تو شیعہ اس کو کیا جواب دیں گے کیا اس کے سامنے بھی یہی کہہ دیں گے کہ تنہا ہم ہی تحریف
قرآن کے قائل نہیں بلکہ سنیوں کی کتابوں میں بھی اس کی روایت موجود ہے۔ دوم یہ الزامی جواب
اہل سنت کے مقابلہ میں بھی کام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اہل سنت نے جو روایات تحریف قرآن کی کتب
شیعہ سے نقل کیں، اول تو ان میں صاف صاف تصریح تحریف کی ہے۔ پھر اس کے ساتھ تین اقرار
علمائے شیعہ کے نقل کئے ہیں۔ اقرار اول اس امر کا کہ روایات تحریف متواتر ہیں، زائد از دو
ہزار ہیں مسئلہ امامت کی روایات سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اقرار دوم اس امر کا کہ یہ روایات
تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ اقرار سوم اس امر کا کہ انہیں روایات کے مطابق اکابر
علمائے شیعہ اصحاب آئمہ سفرائے امام غائب تحریف قرآن کے معتقد بھی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ امور ذیل بھی قابل لحاظ ہیں۔ ۱ زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کے
مقابلہ میں آئمہ معصومین سے عدم تحریف کی ایک روایت بھی منقول نہیں ۲ وقوع تحریف حسب
اصول شیعہ عقل کے مطابق ہے کیونکہ جن لوگوں کے ہاتھوں سے قرآن جمع ہوا ان کو شیعہ بے دین
اور دشمن دین جانتے ہیں اور عدم تحریف بالکل عقل کے خلاف ہے ۳ شیعوں میں گنتی کے چار
آدمی ہیں جو منکر تحریف ہیں وہ قائلین تحریف کو کافر نہیں کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
قرآن پر ایمان رکھنا ان کے نزدیک ضروری نہیں ہے، قرآن کو محرف کہہ دینے سے ایمان میں
کچھ خلل نہیں آتا۔

پس علمائے شیعہ کو گر دلیل الزامی پیش کرنے کی ہوس تھی تو ان کو چاہئے تھا کہ انہیں سب

شرائط کے ساتھ کتب اہل سنت سے روایات تحریف نقل کرتے یعنی ایسی روایات نقل کرتے جن میں صاف تصریح کی ہوتی، اور علمائے اہل سنت کا اقرار پیش کرتے کہ یہ روایات متواتر ہیں اور یہ کہ یہ روایات تحریف پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ انہیں روایات کے مطابق اہل سنت تحریف کے معتقد ہیں۔

لیکن علمائے شیعہ نے ایسا نہیں کیا نہ کر سکتے ہیں۔ اب بھی میں اعلان دیتا ہوں کہ ان شرائط کے ساتھ ایک روایت تحریف کی کتابوں میں دکھا دی جائے۔ میں کھلے الفاظ میں اعلان دے دوں گا کہ سنیوں کا ایمان بھی قرآن شریف پر نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں کوئی ضعیف روایت بھی تحریف قرآن کی موجود نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ سلف سے آج تک کوئی سنی کبھی تحریف قرآن کا قائل نہیں ہوا اور بلا اختلاف سب کے سب عقیدۂ تحریف کو قطعاً کفر سمجھتے ہیں۔

اہل سنت کی جن روایات کو مولوی دلدار علی صاحب اور مولوی حامد حسین وغیرہ تحریف کی روایات کہتے ہیں ان کے متعلق حسب ذیل امور قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

اوّل ان روایات میں صاف صاف یہ مضمون نہیں ہے کہ قرآن شریف میں تحریف ہو گئی یا کسی نے کمی بیشی کر دی یا اپنی طرف سے کوئی لفظ یا حرف بدل دیا۔ جیسا کہ روایات شیعہ میں یہ مضامین صاف صاف مذکور ہیں۔

دوم ان روایات میں زیادہ سے زیادہ یہ مضمون ہے کہ فلاں سورہ میں اتنی آیتیں تھیں، یا فلاں آیت نازل ہوئی تھی بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے کہ منسوخ ہو گئی بعض میں یہ تصریح نہیں ہے

سوم اہل سنت کے تمام علماء و محدثین نے ان روایات کو نسخ تلاوت پر محمول کیا ہے کسی ایک نے بھی تحریف کا مضمون ان روایات سے نہیں سمجھا چنانچہ تفسیر اتقان، تفسیر کبیر، معالم التنزیل وغیرہ میں جہاں یہ روایات مذکور ہیں نسخ کی تصریح بھی موجود ہے، اور لطف تو یہ ہے خود علمائے شیعہ بھی مولوی دلدار علی وغیرہ سے پہلے اس امر کو تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ روایتیں نسخ تلاوت کی ہیں علامہ ابو علی طبرسی شیعی اپنی مشہور و مستند تفسیر مجمع البیان میں بذیل تفسیر آیۂ کریمہ ما ننسخ من آیۃ لکھتے ہیں۔ والنسخ فی القرآن علی ضروب منہا ان یرفع حکم الآیۃ وتلاوتہما کما روی عن

اَبِی بَکْرَةَ اِنَّہٗ قَالَ کُنَّا نَقْرَأُ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَاءِکُمْ فَاِنَّہٗ کُفْرٌ بِکُمْ وَمِنْهَا اَنْ یُّثْبَتَ الْاٰیَةُ فِی الْخَطِّ وَیُرْفَعَ حُکْمُهَا کَقَوْلِہٖ وَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْءٌ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوْا فَهٰذِہٖ ثَابِتَةُ اللَّفْظِ فِی الْخَطِّ مُرْتَفِعَةُ الْحُکْمِ وَمِنْهَا مَا یُرْتَفَعُ اللَّفْظُ وَیُثْبَتُ الْحُکْمُ کَاٰیَةِ الرَّجْمِ فَقَدْ قِیْلَ اِنَّهَا کَانَتْ مُنْزَلَةً فَرُفِعَ لَفْظُهَا وَقَدْ جَاءَتْ اَخْبَارٌ کَثِیْرَةٌ بِاَنَّ اَشْیَاءَ کَانَتْ فِی الْقُرْاٰنِ فَنُسِخَ تِلَاوَتُهَا فَمِنْهَا مَا رُوِیَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّهُمْ کَانُوْا یَقْرَءُوْنَ لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی وَادِیًا ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ ثُمَّ رُفِعَ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ السَّبْعِیْنَ مِنَ الْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا بِبِئْرِ مَعُوْنَةَ فَنَزَلَ فِیْهِمْ قُرْاٰنٌ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اَنَّا لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَاَرْضَانَا ثُمَّ اَنَّ ذٰلِکَ رُفِعَ۔ **ترجمہ** نسخ قرآن میں کئی قسم کا ہوا ہے، ازانجملہ یہ کہ آیت کا حکم اور اس کی تلاوت دونوں منسوخ ہو جائیں جیسا کہ ابوبکر سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے ہم لا ترغبوا عن آباءکم فانہ کفر بکم پڑھا کرتے تھے اور ازانجملہ یہ کہ آیت کی کتابت باقی رہے یعنی تلاوت منسوخ نہ ہو مگر حکم منسوخ ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وان فاتکم شیٔ من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم الخ اس آیت کے الفاظ تو کتابت میں قائم ہیں مگر حکم منسوخ ہے ازانجملہ یہ کہ آیت کی تلاوت منسوخ ہو جائے مگر حکم باقی رہے جیسے آیت رجم پس بہ تحقیق کہا گیا ہے کہ آیت رجم نازل ہوئی تھی تلاوت اس کی منسوخ ہو گئی اور بہ تحقیق بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں کہ کچھ آیتیں قرآن میں ایسی تھیں جن کی تلاوت منسوخ ہو گئی منجملہ ان کے ایک روایت وہ ہے جو ابوموسیٰ سے منقول ہے کہ لوگ لوکان لابن آدم وادیان من مال الخ کی تلاوت کرتے تھے پھر وہ منسوخ ہو گئی اور انس سے روایت ہے کہ ستر انصار جو بیر معونہ میں شہید ہو گئے تھے ان کے متعلق ایک قرآن یعنی کچھ آیتیں نازل ہوئی تھیں یعنی بلغوا عنا قومنا الخ پھر منسوخ ہو گئیں۔ اس کے بعد صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں۔ قَدْ ذَکَرْنَا حَقِیْقَةَ النَّسْخِ عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ یعنی نسخ کی جو حقیقت محققین کے نزدیک تھی ہم نے بیان کر دی۔ معلوم ہوا کہ تمام محققین شیعہ نسخ کی ان تین قسموں

کو مانتے ہیں اور ان روایات کو نسخ پر محمول کرتے ہیں نہ تحریف پر تعجب ہے کہ مولوی دلدار علی و مولوی حامد حسین وغیرہ نے اپنے علماء کی ان تصریحات سے آنکھ بند کرکے ان روایات کو تحریف کی روایات کہہ دیا حالانکہ یہ تحریف کی روایات نہیں ہیں تحریف کی روایات تو وہ ہیں جو کتب شیعہ کے ساتھ مخصوص ہیں، چہارم یہ کہ ان روایات میں سے اکثر کی صحت بھی ثابت نہیں دو ایک روایات ایسی ہیں جن کو صحیح کہا جا سکتا ہے جیسے آیت رجم کی روایت تو وہ بھی اخبار آحاد کی حد میں داخل ہیں علمائے اہل سنت میں سے کسی ایک نے بھی ان روایات کو متواتر نہیں کہا نہ ان روایات کا متواتر ہونا کوئی ثابت کر سکتا ہے، اسی وجہ سے محدثین و مفسرین کی ایک جماعت نے سرے سے نسخ تلاوت کا انکار کر دیا ہے، اور کہا ہے کہ جن روایات سے بعض آیات کا منسوخ التلاوۃ ہونا ثابت ہوتا ہے، وہ سب اخبار احاد ہیں ظنی ہیں ان کی بنا پر کسی آیت قرآنی کے نزول اور نسخ کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، علامہ سیوطی تفسیر اتقان میں لکھتے ہیں۔

تنبیہ حکی القاضی ابوبکر فی الانتصار عن قوم انکار ھذا الضرب لان الاخبار فیہ اخبار احاد ولا یجوز القطع علی انزال قرآن ونسخہ باخبار احاد لا حجۃ فیہا **ترجمہ** آگاہ کرنے کی ایک بات یہ ہے کہ قاضی ابوبکر نے اپنی کتاب انتصار میں علماء کی ایک جماعت نے نسخ کی اس قسم کا انکار نقل کیا ہے کیونکہ روایتیں اس بارہ میں اخبار احاد ہیں اور جائز نہیں ہے یقین کرنا قرآن کے نازل ہونے اور پھر منسوخ ہو جانے کا اخبار احاد کی بنا پر جو کسی طرح سند نہیں ہو سکتیں، لہٰذا بالفرض محال اگر یہ روایات تحریف کی بھی ہوتیں تو واجب الرد تھیں، کیونکہ قرآن شریف متواتر ہے، غیر متواتر روایات کیوں کر اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں، بخلاف روایات تحریف کے جو کتب شیعہ میں ہیں کہ ان کے متواتر ہونے کا، زائد از دو ہزار ہونے کا مسئلہ امامت کی روایات کے ہم پلہ ہونے کا علمائے شیعہ کو اقرار ہے۔

پنجم ان روایات میں ایک روایت بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے، بلکہ تمام تر صحابہ کرام کی طرف منسوب ہیں، اور اہل سنت کے نزدیک باتفاق سوا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی معصوم نہیں لہٰذا بالفرض محال یہ روایات متواتر بھی ہوتیں اور بالفرض محال تحریف قرآن پر دلالت بھی کرتیں تو بھی بیکار تھیں کیونکہ ان میں غیر معصومین کے اقوال ہیں بخلاف

روایات شیعہ کے یہاں ان کے آئمہ معصومین کے اقوال ہیں۔

ششم اہل سنت میں کوئی شخص تحریف قرآن کا قائل نہیں بالاتفاق سب اس عقیدہ کو کفر جانتے ہیں، اہل سنت کے اس اعتقاد کا اقرار علمائے شیعہ نے بھی کیا ہے۔ مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافہام جلد اول صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں "مصحف عثمانی کے اہل سنت آنرا قرآن کامل اعتقاد کنند ومعتقد نقصان آن را ناقص الایمان بلکہ خارج اسلام پندارند"

ہفتم اہل سنت کے متفقہ عقائد میں تحریف قرآن قطعاً ناممکن ومحال ہے اور اس کے محال ہونے پر عقلی دلائل بھی ہیں، آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، اجماع سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے، اہل سنت کے نزدیک قرآن شریف کے بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ عدم تحریف بھی ہے۔

اس بحث کو چونکہ ہم مناظرہ حصہ دوم میں بہت بسط کے ساتھ لکھ چکے ہیں، لہٰذا یہاں ان دلائل کی طرف اجمالی اشارہ کافی ہے۔ بخلاف شیعوں کے کہ ان کے یہاں نہ کوئی عقلی دلیل تحریف قرآن کے محال ہونے کو بتاتی ہے بلکہ چونکہ وہ صحابۂ کرام کو دشمن دین جانتے ہیں، لہٰذا عقلی دلیل قرآن کے محرف ہونے کو بتارہی ہے اور نہ کسی آیت قرآنی سے ان کے نزدیک تحریف قرآن کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے آیہ انا لہ لحافظون میں شیعہ کہتے ہیں کہ ضمیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے اور آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت مراد ہے کبھی کہتے ہیں ضمیر تو قرآن ہی کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کی حفاظت لوح محفوظ میں مراد ہے۔ نیز شیعوں کے یہاں متواتر کیا معنی کوئی ضعیف روایت بھی تحریف قرآن کے خلاف نہیں بلکہ جس قدر روایات ہیں سب تحریف قرآن کے مؤید ہیں۔ علیٰ ہذا شیعوں کے اجماع بھی تحریف قرآن کے خلاف نہیں بلکہ ان کا اجماع تحریف قرآن کے وقوع پر ہے۔ لہٰذا اہل سنت کے یہاں کوئی روایت تحریف قرآن کی ہو نہیں سکتی اور بالفرض کفرض المحال ہو تو وہ واجب الرد ہے۔

ان سات امور کو اچھی طرح محفوظ کر لینے کے بعد کسی شیعہ کی طاقت نہیں کہ اہل سنت کی کتابوں سے تحریف قرآن ثابت کرنے کا دعویٰ کرے، لہٰذا یہ چوتھا جواب بھی حضرات شیعہ کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

المختصر قرآن شریف کی وجہ سے شیعوں کی جان ضیق میں ہے، اگر قرآن شریف پر ایمان لاتے ہیں، اور اس کو ہر قسم کی تحریف سے پاک کہہ کر قائلین تحریف کو کافر کہتے ہیں تو مشکل سارا مذہب مٹتا ہے، علمائے مذہب ہاتھ سے جاتے ہیں اور اگر قرآن پر ایمان نہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو مسلمانوں کی فہرست سے نام کٹتا ہے، اللہ تعالیٰ ان بیچاروں کی حالت پر رحم کرے اور اس کشمکش سے نجات دے۔

تتمہ

الحمدللہ کہ مسئلہ ایمان بالقرآن کا بیان چاروں نمبروں میں تمام ہو گیا جو شخص انصاف کی آنکھ سے ان چاروں کا مطالعہ کرے گا، اس کو مذہب شیعہ کے باطل ہونے میں ذرہ برابر شک باقی نہیں رہ سکتا۔

آج کل کے بعض شیعوں نے اپنے متقدمین سے بھی سبقت کر کے کچھ نئے جوابات کا اضافہ کیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ان کا نمونہ بھی اس تتمہ میں ہدیۂ ناظرین کر دیا جائے۔

(۱) کہتے ہیں کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ہے اور تحریف کی روایات ایمان میں خلل انداز نہیں ہو سکتیں، جس طرح مسلمانوں کا ایمان تورات اور انجیل پر ہے، باوجودیکہ وہ تورات و انجیل کو محرف جانتے ہیں بالکل اسی طرح شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر ہے۔

جواب: اس کا چند وجوہ ہے، **اولاً** یہ کہ تورات و انجیل میں اور قرآن شریف میں بڑا فرق ہے۔ تورات و انجیل منسوخ کتابیں ہیں، ان پر عمل کرنا نہیں ہے لہٰذا ان پر صرف اسی قدر ایمان کافی ہے کہ اس نام کی کتابیں خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھیں، ان کے موجودہ نسخوں پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں بخلاف قرآن شریف کے کہ وہ غیر منسوخ اس کے احکام قیامت تک واجب العمل لہٰذا اس کے موجودہ نسخوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

ثانیاً یہ کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر ایسا بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ مسلمانوں کا تورات و انجیل پر ہے یعنی صرف اتنی بات پر بھی شیعوں کا ایمان ممکن نہیں کہ قرآن نام کی کوئی کتاب خدا کی طرف سے اتری تھی، کیونکہ جب مذہب شیعہ نے تمام صحابہ کرام کو بلا استثناء جھوٹا مان لیا تو اس امر کا بیان

کرنیوالا کہ قرآن نام کی کتاب نازل ہوئی تھی صحابہ کرام کے سوا کون ہے وہی جھوٹے لوگ ہیں، اور جھوٹے کی گواہی قابلِ اعتبار نہیں۔

اگر شیعوں نے تمام صحابہ کرام کو جھوٹا نہ مانا ہوتا صرف تحریف قرآن کے قائل ہوتے تو البتہ وہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارا ایمان قرآن پر ایسا ہے جیسا مسلمانوں کا تورات وانجیل پر ہے۔

(۲) کہتے ہیں کہ اگر قرآن موجود پر ایمان رکھنا ضروری ہے تو اس قرآن کا وجود تو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوا ہے، حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا ایمان کس قرآن پر تھا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قرآن موجود بالکل مطابق اس قرآن کے ہے جو زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے عہد میں رائج تھا، لہٰذا ان کا ایمان بھی قرآن موجود پر ظاہر ہے۔

(۳) کہتے ہیں کہ تحریف قرآن کے عقیدہ میں کچھ خرابی نہیں جو کچھ الزام اس کا ہے، وہ تحریف کرنے والوں پر ہے اور یہ اعتراض کی حضرت علی نے تحریف کیوں کرنے دی یا اپنے زمانہ خلافت میں غیر محرف قرآن کی اشاعت کیوں نہ کی کسی طرح قابل التفات نہیں۔ جناب رسالت مآب کے زمانہ میں تورات وانجیل میں تحریف ہوئی انہوں نے اس تحریف کو کیوں نہ روکا یا اصلی تورات وانجیل کو کیوں نہ شائع کیا۔

جواب: یہ ہے کہ تورات وانجیل کی مثال یہاں کسی طرح زیبا نہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مسلمانوں پر تورات وانجیل کی حفاظت یا اس کے اصلی نسخوں کی اشاعت فرض نہ تھی، اور کیوں فرض ہوتی جبکہ وہ کتابیں منسوخ ہو چکی تھیں، بخلاف قرآن شریف کے کہ اس کی حفاظت واشاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فرض تھی اور مسلمانوں پر بھی، لہٰذا اگر قرآن کو محرف مانا جائے تو ضرور حضرت علی پر الزام مذکور عائد ہوگا، اور جو جو خرابیاں عقیدہ تحریف قرآن کی ہم بیان کر چکے ہیں سب مذہب شیعہ پر عائد ہوں گی۔

(۴) کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح فریقین کی کتابوں میں ہے کہ حضور نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم قدم بقدم بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ کے چلو گے اور مسلّم ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتب سماوی میں تحریف کی پس بموجب اس حدیث کے ضروری ہوا کہ مسلمان بھی قرآن میں

تحریف کریں۔ یہ حدیث تبلا رہی ہے کہ قرآن کا محرف ہوجانا ضروری تھا۔

جواب اس حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوسکتا کہ حضور نے تمام مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ سب کے سب بلا استثناء یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم ہوجائیں گے، ضرور ہے کہ حضور کا یہ ارشاد بعض کلمہ گویان اسلام کی بابت مانا جائے ورنہ شیعہ اپنے گروہ کے اپنے اماموں کو بھی اس جرم کا مرتکب ماننے پر مجبور ہوں گے۔ اور جبکہ بعض مسلمان اس خطاب کے مورد ہوئے تو تحریف قرآن کا ارتکاب بعض کلمہ گویان اسلام سے ثابت ہوجانا کافی ہے، اور صحیح مصداق اس کے بانیان مذہب شیعہ ہیں انہوں نے قرآن میں تحریف کی بڑی بڑی کوششیں کیں، یہ دوسری بات ہے کہ ان کی تحریف چل نہ سکی ان کی محرف آیتیں انہیں کی کتابوں میں درج ہوکر رہ گئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمام باتوں میں یہود و نصاریٰ کا قدم بقدم چلنا بھی مراد نہیں ورنہ یہودیوں نے پیغمبروں کو قتل کیا تھا مسلمانوں کا کسی پیغمبر کو قتل کرنا کیسے ثابت ہوسکتا ہے، جبکہ نبوت ختم ہوچکی لہٰذا تحریف کتاب الٰہی میں بھی یہود و نصاریٰ کا پیرو ہونا کچھ ضروری نہیں خاص کر جبکہ قرآن مجید کی حفاظت کا خدا ذمہ دار ہوچکا تو اس کو ضرور ان امور سے مستثنیٰ کیا جائیگا جن میں پیروی یہود و نصاریٰ بعض کلمہ گویان اسلام سے صادر ہوگی۔

(۵) بعض شیعہ گھبراکر یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر ہمارا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے تو علمائے اہلسنت نے ہمارا شمار فرق اسلامیہ میں کیوں کیا۔ نیز زمانہ حال کے بعض لوگوں کے اقوال پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے علمائے مسلمین نے تمہارا شمار فرق اسلامیہ میں محض اس وجہ سے کیا ہے کہ تم کہ تم زبان سے کلمۂ اسلام پڑھتے ہو نیز ان علماء کو تمہارے اس عقیدہ کی بالکل خبر نہ تھی وہ نہیں جانتے تھے کہ تم قرآن کو محرف مانتے ہو۔ قرآن کے ایک حرف کے انکار سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ پورے قرآن کو مشکوک ماننا اور زمانہ حال کے جن صاحبوں نے تمہارے قائل تحریف ہونے سے انکار کیا ہے، ان کا انکار تو محض عدم تحقیق پر مبنی ہے، ان لوگوں نے تمہارے ان چار اشخاص کے اقوال سے دھوکا کھایا ہے جو تحریف کے منکر ہیں انہوں نے اس بات کی کرآیا انکار تحریف ان چار اشخاص کی ذاتی رائے ہے یا مذہب شیعہ میں اس کی اصلیت ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ مسلمان اور قرآن کو محرف کہے یہ بات اس قدر بعید از قیاس ہے کہ کوئی عقل متداول دھلہ میں اس کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا، شیعوں کی کلمہ گوئی کو دیکھ کر پہلا خیال یہی جاتا ہے کہ شیعوں پر تحریف قرآن کا الزام بیجا ہے پھر اس کے بعد جب چار اشخاص منکر تحریف نظر آتے ہیں، تو اس خیال کو اور بھی قوت ہو جاتی ہے، لیکن جب کوئی شخص تحقیق پر آمادہ ہوا اور مذہب شیعہ کو اول سے آخر تک دیکھے تب اس کو روز روشن کی طرح نظر آتا ہے کہ یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ ہے اس وقت یہ عقیدہ اس پر کھل جاتا ہے، کہ شیعوں کا ایمان قرآن شریف پر نہیں ہے۔ اور نہ ہوسکتا ہے۔

بعض مسلمانوں کو عیسائیوں اور آریوں سے بڑی غیرت معلوم ہوتی ہے کہ کلمہ گویان اسلام میں سے کوئی فرقہ تحریف قرآن کا قائل ثابت ہو مگر غور سے دیکھا جائے تو کوئی بات غیرت کی نہیں۔ اول تو شیعوں کا قائل تحریف ہونا ہمارے چھپانے سے چھپ نہیں سکتا۔ دوسرے عیسائی اور آریہ جس قدر اعتراضات قرآن شریف پر کرتے ہیں سب کا ماخذ کتب شیعہ ہیں، لہٰذا جب انکو معلوم ہو جائیگا کہ جمہور اہل اسلام خود ہی اس عقیدہ کی بابت شیعوں کو ملزم قرار دے رہے ہیں، تو پھر وہ ہمارے سامنے کسی طرح ان کے اقوال پیش نہ کرسکیں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ النجم کے ذریعہ سے یہ مسئلہ پوری روشنی میں آگیا اگر کوئی شیعہ طالب حق ہو اور وہ مذہب شیعہ کو اسلام کی شاخ اور دین الٰہی کی اصلی تعلیم سمجھ کر مذہب شیعہ میں آیا ہو تو امید ہے کہ اس کو ضرور میرے ان رسائل سے فائدہ ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور رہو ساتھ سچ بولنے والوں کے۔

الحمد للہ تعالیٰ

کہ مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا دوسرا رسالہ ہدایات مقالہ موسوم بہ

اَلثَّانِیْ مِنَ الْمِاٰئَتَیْنِ

علٰی

اَلْمُنْحَرِفِ عَنِ الثَّقَلَیْنِ

نمبر اول ملقب بہ

تَحْذِیْرُ الْمُسْلِمِیْنَ

عَنْ

خِدَاعِ الْکَاذِبِیْنَ

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مذہب شیعہ میں
سب سے بڑی عبادت دروغ گوئی ہے
جس سے کوئی شیعہ خالی نہیں ہو سکتا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ بعونہ تعالیٰ مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کا سلسلہ سال گزشتہ میں شروع ہو گیا تھا، لیکن صرف ایک ہی مسئلہ ایمان بالقرآن کا اس سال شائع ہوا اس مسئلہ میں چار نمبر تھے، چاروں شائع ہو چکے۔

اب بفضلہ تعالیٰ دوسرا مسئلہ شروع کیا جاتا ہے اور اس کو تین نمبروں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ نمبر اول میں یہ بیان ہو گا کہ جھوٹ بولنا مذہب شیعہ میں اعلیٰ درجہ کی عبادت اور اعلیٰ درجہ کا فریضہ ہے جو جھوٹ نہ بولے وہ بے دین و بے ایمان ہے آئمہ شیعہ کا دین جھوٹ بولنا تھا، اور نمبر دوم میں آئمہ معصومین کے جھوٹ بولنے کے مواقع بطور نمونہ کتب شیعہ سے دکھائے جائیں گے، نمبر سوم میں اس نرالی عبادت کے ایجاد کے اسباب و نتائج بیان کئے جائیں گے جھوٹ بولنا چونکہ مذہب شیعہ میں ایک عظیم الشان اہمیت رکھتا ہے اور ان کی نقل و روایت پر اس کا اثر پڑنا ظاہر ہے۔ اس لئے ہم نے ان دو سو مسائل میں ایمان بالقرآن کے بعد اس کو رکھنا مناسب سمجھا ورنہ ان دو سو مسائل میں کسی فروعی مسئلہ کا رکھنا منظور نہیں ہے یہ دو سو مسائل ایسے ہی ہیں کہ ہر مسئلہ بجائے خود مذہب شیعہ کے ابطال کے لئے کافی دلیل ہے۔

جھوٹ بولنے کے مسئلہ کو النجم دور قدیم میں بہت بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر وہ مضامین متفرق تھے، انشاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ میں تلخیص کے ساتھ وہ سب یکجا ہو جائیں گے، اور کیا عجب ہے کہ بتوفیقہ تعالیٰ کچھ نئی تحقیقات بھی اس میں ہوں حق تعالیٰ اس تحریر کو اپنے وجہ کریم کیلئے خالص کرے، اور اپنے بندوں کو اس سے منتفع کرے۔ آمین۔

آغاز مقصود

غالباً اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جھوٹ ایک ایسی بُری نجاست ہے جس کو دنیا میں آج تک کسی انسان نے اچھا نہیں سمجھا، اہل مذہب اور لامذہب سب اُس سے نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ بت پرست بھی اس کو نہایت برا جانتے ہیں۔ جھوٹ بولنا سب کے نزدیک نہایت ذلیل کام ہے بقول حضرت سعدیؒ ؎

دروغ اے برادر مگو زینہار — کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

لہٰذا جس مذہب میں جھوٹ بولنا اعلیٰ ترین عبادت قرار دیا گیا ہو، اُس مذہب کے باطل ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے، اور اس مذہب کے لوگ اگر کسی بات کی خبر دیں کوئی روایت بیان کریں، اس پر کون اعتبار کرسکتا ہے۔

اگر جھوٹ بولنے کو بوقت ضرورت شدید جائز کہا جائے تو اس میں عقلاً و عرفاً چنداں[1] قباحت نہیں کیونکہ جائز اس چیز کو کہتے ہیں، جس کے کرنے میں ثواب بھی نہ ہو گناہ بھی نہ ہو مگر جب جائز سے ترقی کر کے اس کو فرض و واجب کہا جائے اس کو عبادت کہا جائے تو یقیناً عقل سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتی۔

اب میں دکھاتا ہوں کہ صفحہ ہستی پر ایک نرالا اور انوکھا مذہب شیعوں کا ہے، جس میں جھوٹ بولنا نہ صرف جائز و مباح بلکہ اعلےٰ درجہ کا فرض اعلےٰ درجہ کی عبادت قرار دیا گیا ہے۔

شیعوں کی مذہبی کتابوں میں چار کتابیں بہت معتبر و مستند مانی گئی ہیں۔ کافی[1] تہذیب[2] الاحکام استبصار[3] من لایحضرہ[4] الفقیہ۔ ان چار کتابوں کو شیعہ اصول اربعہ کہتے ہیں۔

ان چار میں بھی کافی کا رتبہ سب سے زیادہ ہے کافی کے مصنف محمد بن یعقوب کلینی ملقب بہ ثقۃ الاسلام ہیں۔ کلین بروزن امیر ایک مقام کا نام ہے جو رَے کے قریب ہے یہ بزرگ وہیں کے رہنے والے تھے اس لئے ان کو کلینی کہتے ہیں، یہ بزرگ شاگرد ہیں علی بن ابراہیم قمی کے اور وہ شاگرد ہیں، گیارھویں امام حسن عسکری کے کافی کے مصنف نے بقول شیعہ امام غائب

---

[1] یعنی عوام کیلئے ضرورت شدیدہ کے وقت میں جھوٹ بولنا معیوب نہیں خواص کیلئے ایسے وقت میں بھی معیوب ہے ۱۲۔

کی غیبت صغریٰ کا زمانہ پایا ہے جبکہ امام کے اور شیعوں کے درمیان میں پیغام وسلام کا سلسلہ قائم تھا، امام کے سفیر شیعوں کے پاس آتے جاتے تھے۔ آخری سفیر ابوالحسن تھا جو ۳۲۹ھ میں مرا اس کے مرنے کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہوگئی یعنی اب امام کے پاس سے کوئی نامہ و پیغام شیعوں کو نہیں آتا، محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی یہ کتاب کافی اس آخری سفیر کے ذریعہ سے امام غائب کے پاس غار سرمن رائے میں بھیجی اور کہلا بھیجا کہ حضور میں نے آپ کے آبائے کرام کی حدیثیں اس کتاب میں جمع کی ہیں، اگر کوئی روایت اس میں صحیح نہ ہو تو حضور والا اس کی اصلاح کر دیں، امام ممدوح نے اس کتاب کو اول سے آخر تک دیکھ کر فرمایا هٰذَا کَافٍ لِشِیْعَتِنَا یہ کتاب ہمارے شیعوں کیلئے کافی ہے، اسی وجہ سے اس کتاب کا نام کافی رکھا گیا۔ کافی کی پانچ جلدیں ہیں پہلی جلد کا نام اصول کافی ہے، اسی میں عقائد و اخلاق کا بیان ہے، اور تین جلدوں کا نام فروع کافی ہے، آخری جلد کا نام روضہ کافی ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ انہیں چار کتابوں کی اور زیادہ تر کتاب کافی کی روایتیں پیش کی جائیں گی۔

اصول کافی میں ایک خاص باب ہے جس کا نام باب التقیہ ہے اس باب میں جھوٹ بولنے کے فضائل اس کی تاکید کی حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہے، چند حدیثیں اس باب کی حسب ذیل ہیں:۔

پہلی حدیث:۔ عن ابن ابی عمیر الاعجمی قال قال لی ابو عبداللہ علیہ السلام یا اباعمران تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولادین لمن لاتقیۃ لہ والتقیۃ فی کل شیٔ الافی النبیذ والمسح علی الخفین (اصول کافی ص۴۸۲)

ابن ابی عمیر عجمی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دین کے نو حصے منجملہ دس کے تقیہ میں ہیں اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کے پاس دین نہیں ہے، اور تقیہ ہر چیز میں ہے سوا نبیذ پینے کے اور موزوں پر مسح کرنے کے۔

ف امام جعفر صادق کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا اتنی بڑی عبادت ہے کہ کل دین کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے جھوٹ بولنے میں ہیں ایک حصہ باقی عبادات میں ہے، نتیجہ

یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہو نماز روزہ اور کسی عبادت سے اس کو سروکار نہ ہو دین کے نو حصہ اس کے پاس ہیں، ایک حصہ نشد نشد۔ اگر کوئی کم بخت نماز روزہ اور تمام روزہ اور تمام عبادات کا پابند ہو۔ مگر جھوٹ نہ بولتا ہو وہ دین کے نو حصہ سے محروم ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ جھوٹ نہ بولنے والا بے دین ہے، اس سے زیادہ جھوٹ بولنے کی فرضیت وفضیلت کیا ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حدیث میں تو تقیہ کے فضائل بیان ہو رہے ہیں، نہ جھوٹ بولنے کے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم آگے چل کر اسی کتاب کافی سے امام معصوم کے ارشاد سے ثابت کر دیں گے کہ تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے ہی کے ہیں، حدیث مذکور میں ایک تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ہر معاملہ میں جھوٹ بولنے یا تقیہ کرنے کی اجازت ہے، یہاں تک کہ خدا کے ساتھ شرک کرنا ائمہ کی تکذیب کرنا بھی تقیہ میں درست ہے مگر نبیذ پینا اور موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔ کیا نبیذ پینا اور موزوں پر مسح کرنا شرک باللہ اور تکذیب ائمہ معصومین سے بھی بڑھ کر گناہ ہے، اس کی وجہ ایک سمجھدار آدمی زیادہ سے زیادہ یہ خیال کر سکتا ہے۔ کہ چونکہ نبیذ[1] پینا اور موزوں پر مسح کرنا اہل سنت کے نزدیک درست ہے۔ اور ان کے خصوصیات سے مشہور ہو گیا ہے اس لئے تقیہ میں بھی اس کی اجازت نہ دی گئی، کیونکہ سنیوں کی مخالفت کرنا بڑا ثواب ہے، مگر اس کی ایک نہایت عمدہ وجہ شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنی کتاب استبصار میں بیان فرمائی ہے کتاب استبصار بھی اصول اربعہ میں ہے شیخ صاحب نے سب سے پہلے موزوں پر مسح کرنے کی بحالت تقیہ اجازت نقل فرمائی ہے، اور اسی کو فرقہ شیعہ کا معمول بہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں،۔

عن ابی الورد قال قلت لابی جعفر	ابو الورد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے
علیہ السلام ان اباظبیان حدثنی	امام باقر علیہ السلام سے کہا کہ ابوظبیان نے مجھ سے بیان
انہ رأی علیا علیہ السلام	کیا کہ اس نے علی علیہ السلام کو دیکھا کہ انہوں نے
اراق الماء ثم مسح علی الخفین	پانی بہایا یعنی وضو کیا پھر موزوں پر مسح کیا تو امام
فقال کذب ابوظبیان اما	باقر نے فرمایا کہ ابوظبیان جھوٹ کہتا ہے کیا تم کو

---

[1] نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں جس میں چھوہارے وغیرہ بھگو دیئے جائیں کہ ان کی شیرینی پانی میں آجائے جب تک اس میں نشہ نہ پیدا ہو اس کا استعمال درست ہے جب نشہ پیدا ہو جائے تو قطعاً حرام ہے۔

بلغك قول علی علیه السلام فیکم سبق الکتاب الخفین فقلت فهل فیهما رخصة فقال لا الا من عدو تتقیه او ثلج تخاف علی رجلیك ۔

علی علیہ السلام کے اس قول کی خبر نہیں کہ آپ نے فرمایا کتاب اللہ سے مسح خفین کی تکذیب ہوتی ہے تو میں نے کہا کہ آیا موزوں پر مسح کرنے کی اجازت کسی طرح ہو سکتی ہے، امام نے فرمایا نہیں سوا اس صورت کے کہ کسی دشمن کا خوف ہو یا پیروں پر برف گرنے کا اندیشہ ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح کرنے میں بھی تقیہ ہے اس کے بعد حسب ذیل روایت ہے:۔

عن زرارة قال قلت له هل فی مسح الخفین تقیة فقال ثلث لا اتقی فیهن احدا شرب المسکر ومسح الخفین ومتعة الحج

زرارہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا کہ کیا موزوں پر مسح کرنا از راہ تقیہ ہو سکتا ہے امام نے فرمایا کہ تین چیزوں میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا مسکر کا پینا اور موزوں پر مسح کرنا اور متعۃ الحج۔

اس روایت میں اصول کافی کی روایت سے ایک چیز یعنی متعۃ الحج کا اضافہ ہے۔ اس کے بعد شیخ صاحب اپنا فیصلہ حسب ذیل الفاظ میں رقم فرماتے ہیں:۔

فلا ینافی الخبر الاول لوجوه احدها انه اخبر عن نفسه انه لا یتقی فیه احدا ویجوز ان یکون انما اخبر بذلك لعلمه بانه لا یحتاج الی ما یتقی فیه فی ذلك ولم یقل لا تتقوا انتم فیه احدا وهذا وجه ذکره زرارة ابن اعین والثانی ان یکون

یہ روایت پہلی روایت کے خلاف نہیں ہے بچند وجہ اول یہ کہ امام نے اپنا حال بیان فرمایا ہے کہ میں ان تین چیزوں میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا ممکن ہے کہ یہ انہوں نے اس وجہ سے فرمایا کہ ان کو علم ہوگا کہ ان امور میں ان کو تقیہ کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی، امام نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگ بھی ان امور میں کسی سے تقیہ نہ کرو یہ مطلب حدیث کا زرارہ بن اعین

اراد لا اتقی فیہ احدا فی الفتیا بالمنع من جواز المسح علیہما دون الفعل لان ذلك معلوم من مذهبہ فلا وجہ لا ستعمال التقیہ فیہ والثالث ان یکون اراد لا اتقی فیہ احداً اذا لم یبلغ الخوف علی النفس او المال وان لحقہ ادنی مشقۃ احتملہ وانما یجوز التقیۃ فی ذلك عند الخوف الشدید علی النفس او المال۔

نے بیان کیا ہے دوم یہ کہ امام نے یہ مراد لی ہو کہ میں ان امور کے متعلق ممانعت کا فتویٰ دینے میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا نہ یہ کہ عمل میں تقیہ نہیں کرتا، کیونکہ ان امور میں امام کا مذہب سب کو معلوم تھا، لہٰذا ان امور میں تقیہ کرنا بے سود تھا، سوم یہ کہ امام نے یہ مراد لیا ہو کہ میں ان امور میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا جب تک خوف جان یا مال کا نہ ہو کچھ تھوڑی سی مشقت ہو تو اس کو برداشت کر لیتا ہوں کیونکہ ان امور میں تقیہ اسی وقت جائز ہے جب کہ خوف شدید جان یا مال کا ہو۔

شیخ صاحب نے تین تاویلیں کیں پہلی تاویل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مسئلہ تقیہ میں پیشوایان دین اور عوام الناس میں کچھ فرق شیعہ بھی مانتے ہیں یہ بات آئندہ کام آئے گی، دوسری تاویل سے یہ معلوم ہوا کہ ائمہ مذہبی فتووں میں بھی تقیہ کیا کرتے تھے اس کو ہم نمبر دوم میں تفصیل سے بیان کریں گے، تیسری تاویل سے معلوم ہوا کہ تقیہ میں خوف جان ومال کی شرط نہیں ہے، یہ خوف صرف انہیں تین چیزوں کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا جو شیعہ گھبرا کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ تقیہ ہمارے یہاں ہر وقت جائز نہیں بلکہ جان یا مال کا خوف شدید ہو اس وقت کے لئے یہ کہنا ان کا محض غلط ہے۔

دوسری حدیث:۔ عن ابی بصیر قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قلت من دین اللہ قال واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتہا

ابو بصیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تقیہ اللہ کا دین ہے میں نے (تعجب سے) کہا کہ اللہ کا دین ہے امام نے فرمایا ہاں خدا کی ... ین ہے، بہ تحقیق یوسف پیغمبر نے کہا تھا کہ اے

العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما۔ (اصول کافی ص ۴۸۳)

قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ اللہ کی قسم انہوں نے کچھ چرایا نہ تھا، اور بہ تحقیق ابراہیم (پیغمبر) نے کہا تھا، کہ میں بیمار ہوں حالانکہ اللہ کی قسم وہ بیمار نہ تھے۔

ف تقیہ کے بحث میں تین امور تحقیق طلب ہیں **اول** یہ کہ تقیہ کا حکم مذہب شیعہ میں کیا ہے، آیا وہ صرف جائز و مباح کہا گیا ہے، یا فرض و واجب قرار دیا گیا ہے، تو یہ بات پہلی ہی حدیث سے ظاہر ہوگئی اور ابھی اور احادیث بھی اس کے متعلق آئیں گی، **دوم** یہ کہ تقیہ کے معنی از روئے مذہب شیعہ کیا ہیں یہ بات اس دوسری حدیث سے ظاہر ہو رہی ہے کیونکہ امام فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے چوری نہیں کی تھی اس کو چور کہا گیا یہ تقیہ ہے ایک شخص بیمار نہ تھا، اس نے اپنے کو بیمار کہا اسی کا نام تقیہ ہے اور اسی کو تمام دنیا جھوٹ کہتی ہے، پس معلوم ہوا کہ تقیہ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا اور دوسری احادیث اور آئمہ کے تقیہ کرنے کے مواقع کے دیکھنے کے بعد تقیہ کی کامل و مکمل تعریف یہ معلوم ہوتی ہے کہ جھوٹ بولنا یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی قول یا فعل کرنا لہٰذا جب امام معصوم کے ارشادات سے تقیہ کے معنی معلوم ہو گئے تو اب کسی مجتہد کو اپنی طرف سے تقیہ کے معنی بیان کرنے کا حق نہ رہا، **سوم** یہ کہ تقیہ کے شرائط کیا ہیں تو اگرچہ استبصار کی عبارت سے معلوم ہو چکا کہ سوا تین چیزوں کے اور کسی شے میں تقیہ کرنے کے لئے جان یا مال کے خوف کی شرط نہیں ذرا ذرا سی معمولی ضرورتوں میں بھی تقیہ کا حکم ہے، لیکن اب قول معصوم سے بھی اس کو سنئے۔

تیسری حدیث:۔ عن زرارۃ عن ابی جعفر علیہ السلام قال التقیۃ فی کل ضرورۃ و صاحبھا اعلم بھا حین تنزل بہ۔ اصول کافی ص ۴۸۴

زرارہ امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تقیہ ہر ضرورت میں ہے، اور جس کو ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ وہ اس ضرورت سے خوب واقف ہوتا ہے۔

ف اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا کہ تقیہ کے لئے خوف شدید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ

ہر ضرورت میں کرنا چاہئے، ضرورت کی تعیین و تحدید بھی شریعت کی طرف سے نہیں کی گئی، بلکہ صاحب ضرورت کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جن تین امور کی تحقیق مبحثِ تقیہ میں ضروری تھی ان کے متعلق تین احادیث نقل ہو چکیں مگر ابھی دو تین احادیث اور بھی نقل کی جاتی ہیں۔

چوتھی حدیث:۔ عن معمر بن خلاد قال سألت اباالحسن علیه السلام عن القیام للولاة فقال قال ابوجعفر علیه السلام التقیة من دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیة له۔ اصول کافی ص ۴۸۴

معمر بن خلاد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام ابوالحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ حکام وقت کی اطاعت کا کیا حکم ہے انہوں نے کہا کہ امام باقر علیہ السلام فرماتے تھے تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو شخص تقیہ نہ کرے اس کا ایمان ہی نہیں۔

ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آئمہ کا دین تقیہ تھا، یعنی ہر امام تقیہ کیا کرتے تھے، اور تارک تقیہ بے ایمان ہے۔

پانچویں حدیث:۔ عن مصعدة ابن صدقة قال قیل لابی عبداللہ علیه السلام ان الناس یروون ان علیا علیه السلام قال علی منبر الکوفة ایها الناس انکم ستدعون الی سبی فسبونی ثم تدعون الی البرأة منی فلا تبرؤا منی فقال ما اکثر ما یکذب الناس علی علی علیه السلام ثم قال انما قال انکم ستدعون الی سبی فسبونی

مصعدہ بن صدقہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا گیا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ اے لوگو تم سے کہا جائیگا کہ مجھے گالی دو تو تم مجھے گالی دے دینا پھر تم سے کہا جائیگا کہ مجھ سے تبرا کرو تو تبرا نہ کرنا امام نے فرمایا کہ لوگ علی علیہ السلام پر بہت جھوٹ جوڑتے ہیں انہوں نے تو یہ فرمایا تھا کہ لوگ تم سے کہیں گے کہ مجھے گالی دو تو تم مجھے گالی دے لینا، پھر تم سے کہیں گے مجھ سے تبرا کرو، حالانکہ میں دین

ثم تدعون الی البراءة منی و انی لعلیٰ دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم ولم یقل لا تبرءوا منی ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں حضرت علی نے یہ نہیں فرمایا کہ تبرا نہ کرنا ۔ اصول کافی ص ۴۸۲

ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ میں حضرت علی کو گالی دینا اور ان سے تبرا کرنا بھی درست ہے، اور جو لوگ روایت کرتے تھے، امام نے ان کو جھوٹا کہا۔ انہیں تعلیمات نے یہ رنگ دکھلایا کہ شیعوں نے پابند تقیہ ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ۔

چھٹی حدیث کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں کہ وہ بھی اصول اربعہ میں ہے صوم یوم الشک کے بیان میں روایت ہے۔

قال الصادق علیہ السلام لو قلت ان تارك التقیة کتارك الصلوة لکنت صادقًا و قال علیہ السلام لا دین لمن لا تقیة له ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ تارک تقیہ مثل تارکِ نماز کے ہے تو میں اس قول میں سچا ہوں گا، نیز امام ممدوح نے فرمایا کہ جو شخص تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے ۔

ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے، ایسا ہی تقیہ بھی فرض قطعی ہے، اور اتنی بات تقیہ میں زیادہ ہے کہ تقیہ نہ کرنے والا بے دین ہے۔ تقیہ کے متعلق تینوں باتیں صاف ہو گئیں یعنی تقیہ کا حکم کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اعلیٰ درجہ کا فرض ہے، اور یہ کہ تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کسی قول و فعل کے مرتکب ہونے کے ہیں اور یہ کہ تقیہ کے لئے نہ ضرورت شدیدہ کی شرط ہے نہ خوف جان و مال کی لہٰذا اب اور احادیث نقل کرنا تطویل لاطائل ہے۔ پھر ان امور پر مزید روشنی نمبر دوم میں پڑے گی جہاں آئمہ معصومین کا طرز عمل ان کے تقیہ کرنے کے مواقع بیان کئے جائیں گے ۔

شیعوں کے جوابات

مذہب شیعہ کا یہ راز کہ ان کے یہاں جھوٹ بولنا اپنے اعتقاد کے خلاف کام کر کے لوگوں کو دھوکا دینا بڑی عظیم الشان عبادت ہے مدتوں تک ایسا پوشیدہ رہا کہ ہمارے علمائے سابقین

کو اس کی خبر نہ ہوئی اسی وجہ سے ہمارے اکابر محدثین نے بعض شیعہ راویوں سے روایتیں لے لیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں جا بجا دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں راوی شیعہ تو ہے مگر اس کے سچ ہونے پر کوئی جرح نہیں ہوئی اگر ہمارے محدثین و متقدین کو مذہب شیعہ کا یہ راز معلوم ہوتا تو کبھی ایسا نہ لکھتے اور سمجھ لیتے کہ تشیع اور کذب لازم و ملزوم ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ نے جو بعض شیعوں کی نسبت فرمایا۔ لاتجالسوھم ولا تکلموھم فانھم اکذب الناس یعنی ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرو اُن سے ہمکلام نہ ہو کیونکہ وہ بڑے جھوٹے لوگ ہیں یا حضرت امام مالک نے شیعان کوفہ کے متعلق فرمایا کہ ان کے پاس روایت بنانے کی ٹکسال ہے رات کو ڈھالتے ہیں اور دن کو چلا دیتے ہیں یضربونھا باللیل وینفقونھا بالنھار ان ارشادات کا اثر انہیں خاص لوگوں پر پڑا یہ نہیں سمجھا گیا کہ اس مذہب کا خاصہ لازمہ کذب ہے کوئی فرد اس مذہب کا کذب سے خالی نہیں ہو سکتا۔

بہر کیف صدیوں کے بعد جب یہ راز طشت از بام ہوا اور شیعوں کو محسوس ہوا کہ تمام مخلوق ہمارے مذہب کے اس رکن اعظم کو سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے تو انہوں نے طرح طرح کی کوششیں اس عیب کے چھپانے میں کیں مختلف جوابات مختلف اشخاص نے دیئے جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے جہاں تک میں نے مجتہدین شیعہ کی تصنیفات اس مبحث میں دیکھیں ان کی ساری کوششوں کا ماحصل تین جوابوں میں منحصر پایا، جو حسب ذیل ہیں:۔

شیعوں کا پہلا جواب یہ ہے کہ تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کام کرنے کے نہیں ہیں بلکہ دشمن کے شر سے بچنے کے لئے اپنے مذہب کو اس سے پوشیدہ رکھنے کا نام تقیہ ہے۔

جواب الجواب

یہ ہے کہ تقیہ کے معنی حدیث معصوم سے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں، اور آئمہ کے طرز عمل سے بھی اُسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا تقیہ کے معنی مذہب چھپانے کے ہرگز نہیں ہو سکتے مذہب کے چھپانے میں اور تقیہ میں بڑا فرق ہے مذہب کو آدمی بغیر جھوٹ بولے ہوئے یا خلاف اپنے اعتقاد کے

کام کئے ہوئے بھی چھپا سکتا ہے اس کو ہرگز تقیہ نہیں کہتے اس کا نام مذہب شیعہ میں کتمان ہے، چنانچہ شیعوں کے رئیس المحدثین محمد بن یعقوب کلینی نے اصول کافی میں باب التقیہ کے بعد باب الکتمان علیحدہ قائم کیا ہے اور اس باب میں مذہب چھپانے کی تاکید اور فضیلت کی حدیثیں نقل کی ہیں، اس باب کی حدیثیں بہت لطف انگیز ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:۔

عن سلیمان بن خالد قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علیٰ دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ۔ (اصول کافی ص۴۸۵)	سلیمان بن خالد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سلیمان تم لوگ ایک ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا، اللہ اس کو عزت دے گا، اور جو اس کو ظاہر کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کریگا۔

اس باب کی ایک دوسری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جو شیعہ اپنا مذہب چھپائیگا اللہ اس کو دنیا میں عزت دے گا، اور آخرت میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں ایک روشنی ہوگی جو اس کو جنت میں لے جائیگی اور جو شیعہ اپنا مذہب ظاہر کردے گا، اللہ اس کو دنیا میں بھی ذلیل کرے گا، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بجائے روشنی کے تاریکی پیدا کر دے گا جو اس کو جہنم میں لے جائے گی۔

مذہب کے چھپانے کی ان تاکیدوں کے ساتھ قرآن مجید کی اس آیت کو ملاؤ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ یعنی خدا نے اپنے رسول جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ دین برحق کو تمام دینوں پر ظاہر و غالب کردیں، چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یکہ و تنہا تمام دشمنوں کے سامنے دین برحق کا اعلان فرمایا، نہ کبھی تقیہ کیا نہ کتمان معلوم ہوا کہ آئمہ شیعہ کا جو دین تھا جس کے چھپانے کی وہ تاکید کررہے ہیں، اور جس دین کی یہ صفت ہے کہ اس کے چھپانے سے عزت اور ظاہر کرنے سے ذلت ملتی ہے، وہ دین اسلام کے سوا کوئی اور دین تھا، اسلام تو ظاہر و اعلان کیلئے ہے نہ اخفا و کتمان کے واسطے۔

الغرض تقیہ کے معنی صرف چھپانے کے نہیں ہیں، صرف چھپانے کو کتمان کہتے ہیں۔

شیعوں کا دوسرا جواب یہ ہے کہ تقیہ ہر حالت میں ہمارے یہاں نہیں ہے، بلکہ شدید خوف کے وقت میں ہے۔ شدید خوف کی حالت میں خدا نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے۔ قوله تعالی الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان یعنی جو شخص مجبور کیا جائے اور اس کا قلب ایمان پر قائم ہو زبان سے اگر کلمہ کفر کہدے تو جائز ہے، اور فرمایا الا ان تتقوا منهم تقٰة یعنی کافروں سے تقیہ کرنا جائز ہے۔

جواب الجواب

یہ ہے کہ مذہب شیعہ میں ہرگز خوف شدید کی شرط تقیہ کیلئے نہیں ہے، بلکہ آئمہ معصومین کے اقوال و افعال سے اس شرط کی نفی نہایت صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے اور جو حدیثیں نقل ہو چکیں انہیں میں اس شرط کی نفی موجود ہے اصول کافی کی تیسری حدیث میں جو اوپر نقل ہوئی امام جعفر صادق نے بیان فرمایا ہے، کہ حضرت یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں کو چور کہا حالانکہ انہوں نے چوری نہ کی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کو بیمار کہا حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ کوئی شیعہ صاحب براہ عنایت بتادیں کہ حضرت یوسف نے جو ایک بے گناہ کو چور کہہ دیا تو اس جھوٹ بولنے کے لئے کون سی ضرورت شدید ان کو لاحق ہوئی تھی کون شخص ان کو مجبور کر رہا تھا کہ ان بے گناہوں کو چور کہو، ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گا حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصود اپنے حقیقی بھائی ابن یامین کو اپنے پاس روکنا تھا تو اس مقصود کو نہ خوف شدید کہہ سکتے ہیں نہ ضرورت شدیدہ اور بالفرض ضرورت بھی سہی تو اس ضرورت کو وہ یوں بھی پورا کر سکتے تھے۔ کہ جیسا آخر میں اپنے کو ظاہر کیا اسی وقت ظاہر کر دیتے کہ میں یوسف ؑ ہوں اور ابن یامین میرا حقیقی بھائی ہے، جو آیتیں قرآن شریف کی شیعوں نے ذکر کیں وہ ان کے مدعا سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں، کیونکہ آیتوں میں کلمہ کفر زبان سے نکال دینا یا کافروں کے شر سے بچنے کیلئے کوئی ایسا کام کرنا بشرط اکراہ جائز کیا گیا ہے، اور شیعوں کا تقیہ اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔

ف چونکہ حسب روایت اصول کافی شیعوں کے امام صادق صاحب نے حضرت یوسف ؑ اور حضرت ابراہیم کا قصہ اس طرز سے بیان کیا ہے کہ یہ مضمون بحوالہ قرآن شریف سمجھا جاتا ہے۔

اس لئے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت یوسفؑ کا واقعہ تو بالکل غلط ہے قرآن شریف میں :۔
لقد قال یوسفؑ نہیں ہے بلکہ یوں ہے اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسارقون یعنی ایک اعلان دینے والے نے اعلان دیا کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ یہ اعلان دینے والا حضرت یوسف علیہ السلام کا ملازم تھا جس کی تحویل میں ان کی استعمال کی چیزیں رہتی تھیں، جب اس ملازم نے دیکھا کہ بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ گم ہے تو اس کو خوف پیدا ہوا کہ مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی، اور اس نے تفتیش کی کہ کون کون لوگ یہاں آئے تھے، معلوم ہوا کہ سوا ان قافلہ والوں کے اور کوئی اس وقت یہاں نہیں آیا ان قرائن کی بنا پر اس نے قافلہ والوں پر چوری کا الزام قائم کرکے ان کے اسباب کی تلاشی لی۔ اس ملازم کو معلوم نہ تھا کہ حضرت یوسفؑ نے یہ پیالہ خود ان کے اسباب میں رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اس کا اعلان بھی جھوٹ نہ ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بحکم خدا وندی وہ پیالہ ان کے اسباب میں رکھا تھا، ان کو خبر نہ تھی کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، حضرت یوسفؑ چاہتے تھے، کہ ان کے بھائیوں کو بھی یہ علم نہ ہو کہ میں یوسفؑ ہوں اور ابن یامین میرے پاس رہ جائیں خدا نے یہ مقصد ان کا اس تدبیر سے پورا کر دیا نہ ان کو جھوٹ بولنا پڑا نہ ان کے کسی ملازم کو اور کام بن گیا، اسی لئے قرآن مجید میں قرآن کذلک کدنا لیوسف ہم نے یوسف کے لئے یہ تدبیر مخفی کی، باقی رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اس میں اتنا تو سچ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بیمار کہا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ وہ بیمار نہ تھے، واقعی وہ بیمار تھے، بیماری کی ہزاروں قسمیں ہیں ان میں ایک قسم رنج وغم کی بیماری ہے یعنی رنج وغم کی وجہ سے دل ودماغ پر کوئی غیر معمولی اثر پڑ جائے تو یہ بھی ایک قسم کی بیماری ہے۔ اصطلاح طب میں اس کو مرض سازج کہتے ہیں۔

شیعوں کا تیسرا جواب

یہ ہے کہ اہل سنت کے مذہب میں بھی تقیہ کرنا درست ہے چنانچہ آیات مذکورہ بالا کی تفسیر میں ان کے مفسرین نے لکھا ہے، اور ان کے علمانے اپنی کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے پس جو چیز سنیوں کے یہاں درست ہے۔ اس کے متعلق بے چارے شیعوں کو نشانۂ ملامت بنانا سخت ناانصافی ہے۔

جواب الجواب

یہ ہے کہ محض افترا اور خالص بہتان ہے حاشا ثم حاشا اہل سنت وجماعت کے یہاں شیعوں

کے اصطلاحی تقیہ کا کہیں نام ونشان نہیں نہ کسی نے مفسر نے لکھا ہے نہ کسی اور عالم نے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام میں چونکہ سختی اور تنگی نہیں ہے۔ اس لئے ہر حالت اور ضرورت کیلئے اس میں احکام موجود ہیں مثلاً کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو اور کوئی حلال چیز اس کو نہ ملے اور نہ مل سکے تو اس کو اجازت ہے کہ کوئی حرام چیز مثلاً سور کا گوشت بقدر جان بچانے کے کھالے یہ مسئلہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ الامن اضطر فی مخمصۃ غیر باغ ولا عاد۔ لیکن دنیا میں کوئی عقل مند اس اجازت کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ دین اسلام میں سور کا گوشت حلال ہے۔

بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص مضطر اور مجبور کیا جائے تو اس کو جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ الا من اکرہ وغیرہ آیات قرآنی سے یہ مضمون صاف ظاہر ہے۔

پس جس طرح سور کا گوشت مذہب اسلام میں حلال نہیں کہا جا سکتا اسی طرح تقیہ مذہب اہل سنت میں حلال نہیں سمجھا جا سکتا۔

اہل سنت جس چیز کو جائز کہتے ہیں اس میں اور شیعوں کے تقیہ مفروضہ میں کھلے کھلے تین فرق ہیں۔

اوّل یہ کہ اہل سنت کے نزدیک اکراہ و اضطرار کی شرط ہے مذہب شیعہ میں یہ شرط نہیں۔ بلکہ ہر شخص پر ضروری ہے کہ جب وہ موقع تقیہ کا سمجھے تو تقیہ کرے لوگوں کی سمجھ مختلف ہوتی ہے لہٰذا ممکن ہے کہ ایک شخص کے نزدیک کوئی ضرورت قابل تقیہ کے ہو دوسرے کے نزدیک نہ ہو۔

(۲) اہل سنت وجماعت حالت اکراہ و اضطرار میں جھوٹ بولنے یا اپنے اعتقاد کے خلاف کام کرنے کو صرف جائز کہتے ہیں فرض وواجب نہیں کہتے یعنی یہ کہتے ہیں کہ کچھ گناہ نہ ہوگا مگر کچھ ثواب بھی نہ ملے گا، بخلاف مذہب شیعہ کے کہ ان کے یہاں فرض و واجب ہے دین کے ۹/۱۰ حصے جھوٹ بولنے میں ہیں جھوٹ نہ بولے تو بے دین و بے ایمان ہے۔

(۳) اہل سنت وجماعت کے یہاں معصومین کیلئے بلکہ تمام ایسے پیشواؤں کے لئے جن کی ذات کے ساتھ خلق اللہ کی ہدایت و ضلالت وابستہ ہو حالت اکراہ و اضطرار میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں خصوصاً دینی مسائل میں۔ بخلاف مذہب شیعہ کے کہ ان کے معصومین بھی تقیہ باز ہیں اور دینی

میں ایک پورا باب ہی اس عنوان سے ہے باب انھم یعلمون متی یموتون وانھم لا یموتون الا باختیار ھم۔ پس چاہئے کہ کوئی امام کبھی تقیہ نہ کرے

اب شیعوں کو بڑی مشکل درپیش ہے اگر تقیہ کو واجب کہتے ہیں تو حضرت امام حسینؓ پر حرف آتا ہے اور اگر واجب نہیں کہتے تو دوسرے آئمہ خصوصًا ابوالآئمہ جو عمر بھر تقیہ میں بسر کرتے رہے ان کی شان میں بے ادبی لازم آتی ہے۔

ایسے مشکل موقع کے لئے "ؔ" شیعوں کے پاس ایک جادو کا منتر موجود ہے اس سے کام لیں تو ان کی مشکل کشائی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ صاحبو! یہ باتیں اسرار امامت سے تعلق رکھتی ہیں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ آئمہ نے خود فرمایا ہے کہ ہماری باتیں یا نبی مرسل سمجھ سکتے ہیں۔ یا ملک مقرب یا کوئی ایسا مومن کامل الایمان جس کے دل کو خدا نے جانچ لیا ہو ان کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ ھذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین۔

وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ

(ترجمہ) اور ضرور ضرور پہچان لیگا تو (انکے نفاق کو) (انکے) طرز کلام میں۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا دوسرا رسالہ موسوم بہ

الثَّانِي مِنَ الْمِائَتَيْنِ

علی

الْمُنْحَرِفِ عَنِ الثَّقَلَيْنِ

(نمبر دوم ملقب بہ)

الْحُجَّةُ الْقَوِيَّةُ

بذکر

مَوَاقِعِ التَّقِيَّةِ

جس میں شیعوں کے (مفروضہ) ائمہ معصومین کے تقیہ کے چالیس سے زیادہ واقعات یعنی کس کس موقع پر انہوں نے کس کس طرح تقیہ کیا عقائد و اعمال دونوں کے متعلق کتب معتبرۂ شیعہ سے دکھلا کر اس مبحث کی تینوں تنقیحات کو اظہر من الشمس کر دیا گیا ہے یعنی یہ کہ تقیہ مذہب شیعہ کا رکن اعظم اور اعلیٰ ترین فرض ہے اور یہ کہ تقیہ کے معنی سوا جھوٹ بولنے اور اپنے مذہب کے خلاف کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے کے اور کچھ نہیں ہیں اور یہ کہ تقیہ کے لئے کسی قسم کے خوف یا ضرورت شدیدہ کی شرط ہرگز نہیں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد۔ اس رسالہ کے نمبر اول میں ہم شیعوں کے ائمہ معصومین کی احادیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ تقیہ نام ہے جھوٹ بولنے یا خلاف اپنے مذہب کے کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے کا اور یہ کہ تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض ہے، اور یہ کہ تقیہ کے لئے نہ خوفِ جان کی شرط ہے نہ ضرورت شدیدہ کی۔

اب اس دوسرے نمبر میں ان تینوں امور کو ہم ائمہ کے افعال سے بھی دکھانا چاہتے ہیں، آئمہ نے جن جن موقعوں میں تقیہ کیا ہے۔ ان سب کا بیان تو بہت طول کو چاہتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی مسئلہ مسائل دین میں سے ایسا نہیں ہے جس میں ائمہ سے مختلف فتوی منقول نہ ہوں اور ان میں ایک فتوے کو علمائے شیعہ نے تقیہ پر محمول نہ کیا ہو۔ لہٰذا بطور نمونہ کے چند مواقع اماموں کے تقیہ کے شیعوں کی مستند و معتبر کتابوں سے پیش کئے جاتے ہیں امید ہے کہ مذہب شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے بہت کافی روشنی حاصل ہوگی

جو مقامات اماموں کے تقیہ کے ہم نقل کریں گے وہ وہی مقامات ہوں گے جن کو خود علمائے شیعہ نے تقیہ کہا ہے، ہم اپنی طرف سے اس کے تقیہ ہونے کا حکم نہ لگائیں گے۔

عقائد خصوصاً مسئلہ امامت کے متعلق تقیہ

(۱) ابو الائمہ یعنی حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے زمانہ خلافت میں بڑے اہتمام کیا تھ حضرات خلفائے ثلثہ خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان فرمائے ہیں ان کا افضل امت ہونا ان کا خلیفہ برحق ہونا اور خلافت کا اہل حل و عقد کی بیعت سے منعقد ہوجانا تقریراً تحریراً اس کثرت سے بیان فرمایا ہے

لہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تقیہ کی روایات ہم نے اس لئے نقل نہیں کیں کہ آپکے قول و فعل کا چنداں اثر شیعوں پر نہ ہونا ورنہ آپ کا تقیہ تو سب سے زبردست تھا۔ ان کی بہت سی آیتیں آپ نے مارے تقیہ کے تبلیغ نہ کیں (دیکھو عدالۃ اسلامیہ مولوی دلدار علی) ورنہ مت کا مسئلہ آپنے چھپا ڈالا سوائے علی کے کسی کو نہ بتایا دیکھو اصول کافی منہ اس کے علاوہ اور بڑے بڑے تقیہ آپ نے کئے ۔۲۔

کہ آج اتنی سندوں کے ساتھ کتب اہلسنت میں حضرت ممدوح کا یہ قول منقول ہے، خیر الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر۔ یعنی اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر کتب شیعہ میں بھی ایک بڑا ذخیرہ ان فضائل کا موجود ہے از انجملہ نہج البلاغہ قسم دوم ص۷ میں ایک خط آپ کا بنام حضرت معاویہ حسب ذیل ہے۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد وانما الشوریٰ للمھاجرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذلك رضی فان خرج من امرھم خارج بطعن اوبدعة ردوہ الی ما خرج منہ فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین وولاہ اللہ ما تولّی ولعمری یا معاویة لئن نظرت بعقلك دون ھواك لتجدنی ابرء الناس من دم عثمان ولتعلمن انی کنت فی عزلة منہ۔

بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے اُن لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی ابوبکر اور عمر اور عثمان سے انہیں شرائط پر جن شرائط پر ان سے بیعت کی تھی۔ لہٰذا اب نہ حاضر کو اختیار ہے، کہ وہ کسی اور کو پسند کرے اور نہ غائب کو اختیار ہے کہ وہ (میری بیعت کو) رد کرے مشورۂ خلافت کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے وہ اگر کسی شخص پر اتفاق کرلیں، اور اس کو امام کہہ دیں تو وہ پسندیدہ امام ہے، پھر اگر مہاجرین و انصار کے کئے ہوئے کام سے کوئی شخص علیحدہ ہو جائے کچھ اعتراض کرکے یا کوئی نئی بات نکال کر تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ شخص جس راہ سے ہٹ گیا ہے اسی کی طرف اس کو واپس لائیں پھر اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کریں اس بنا پر کہ اس نے ایمان والوں کی راہ کے خلاف کی پیروی کی اور اللہ اس کو اسی کی طرف پھیرے گا جس طرف وہ پھرا، اور قسم ہے مجھے اپنے جان کے مالک کی اے معاویہ اگر تم اپنی عقل سے غور کرو ہوائے نفسانی کو دخل نہ دو تو یقیناً مجھے سب سے

زیادہ خون عثمان سے بے تعلق پاؤگے اور ضرور
تم کو معلوم ہوجائے گا کہ میں اس خون سے
بالکل علیحدہ ہوں۔

ف، اس خط میں حضرت علی نے چھ باتیں قابل توجہ اور مذہب شیعہ کے خلاف بیان فرمائیں، اپنی خلافت بر بنائے نص نہ فرمائی بلکہ بر بنائے بیعت مہاجرین وانصار مہاجرین وانصار کی بے نظیر فضیلت میں چند باتیں بیان فرمائیں کہ انتخاب خلیفہ کا حق انہیں کو ہے یعنی ان کے ہوتے ہوئے دوسرے کو انتخاب کا حق نہیں ہے اور یہ کہ مہاجرین وانصار کا نامزد کیا ہوا خلیفہ پسندیدہ یعنی خلیفہ راشد ہوتا ہے، اور یہ کہ مہاجرین وانصار جس راہ پر چلیں وہ ایمان والوں کی راہ ہے، مہاجرین وانصار کے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کو جو نہ مانے وہ ایمان والوں کی راہ کا مخالف اور واجب القتل والقتال ہے ۳ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا نام لے کر ان کا خلیفہ برحق ہونا ظاہر فرما دیا علمائے شیعہ نے حضرت ممدوح کے ان اقوال کو تقیہ پر محمول کیا ہے شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب مجتہد اپنی کتاب بوارق کے ص۱۱۱ میں لکھتے ہیں:۔

اگر آنحضرت درنامہ تصریح ببطلان خلافت مشائخ ثلاثہ میکردلا محالہ آتش عداوت در کانون سینہ پر کینہ آنہا مشتعل میشد بلکہ اکثر اصحاب آنحضرت ملحق بہ معاویہ شدہ و آنجناب را مخذول و منکوب می نمودند۔

اگر آنحضرت خط میں تینوں خلیفہ کے خلافت کے باطل ہونے کی تصریح کر دیتے تو لامحالہ عداوت کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک اٹھتی بلکہ اکثر اصحاب آنحضرت کے معاویہ کے ساتھ ملکر آنجناب کو ذلیل اور سرنگوں کر دیتے۔

دیکھئے یہ کیا پر لطف تقیہ ہے جب دشمن کا خوف نہ دکھا سکے تو کہدیا کہ خود اپنے اصحاب کے خوف سے حضرت علی نے تقیہ کیا معلوم ہوا کہ حضرت علی کے اصحاب بڑے دغاباز و منافق تھے حضرت علی ان سے اس قدر ڈرتے تھے کہ اپنا اصلی مذہب نہ ظاہر کر سکتے تھے، اور جب الوالائمہ کے اصحاب کا یہ حال تھا تو باقی ائمہ کے اصحاب کا کیا حال ہوگا (۲) حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی نہ متعہ جیسی عظیم الشان عبادت کے حلال ہونے کا اعلان دیا نہ نماز تراویح جیسے گناہ کبیرہ کو روکا اصلی قرآن کی ترویج نہ کی حقوق العباد نہ دلوائے اور سب سے بڑا غضب یہ کہ حضرت فاطمہ کا حق غصب

کرنے میں بھی تینوں خلفاء کے قدم بہ قدم رہے علمائے شیعہ حضرت علی کے ان تمام کارناموں کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔

قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی کتاب احقاق الحق میں (جہاں علامہ ابن روزبہان رحمۃ اللہ علیہ کے اس بے پناہ اعتراض کا جواب دیا ہے کہ متعہ اگر حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے حرام کیا تھا، تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے حلال ہونے کا اعلان کیوں نہ دیا) لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کو اپنے زمانہ خلافت میں بھی امن نہ تھا اور وہ اپنا اصلی عقیدہ اور اصلی مذہب بالاعلان نہ بیان کر سکتے تھے، قاضی صاحب کی طویل عبارت کا آخری فقرہ یہ ہے۔

والحاصل ان امر الخلافة ماوصل الیه الا بالاسم دون المعنی وکان معارضا منازعا مبغضا فی ایام ولایته وکیف یامن فی ولایة الخلاف علی المتقدمین علیه وکل من بایعه وجمهورهم شیعة اعدائه ومن یری انهم مضوا علی اعدل الامور وافضلها وان غایة امر من بعدهم ان یتبع اثارهم ویقتفی طرائقهم۔

اور حاصل یہ ہے کہ خلافت کا کام جناب امیر علیہ السلام تک صرف برائے نام پہنچا تھا، نہ درحقیقت اور آنجناب سے آپ کی حکومت کے زمانہ میں بھی جھگڑے کئے جاتے تھے، اور بغض رکھا جاتا تھا، اور آنجناب اپنی حکومت میں اگلوں سے مخالفت کر کے کیوں کر بے خوف رہ سکتے تھے۔ اس حال میں کہ جن لوگوں نے ان سے بیعت کی تھی وہ کل ان کے دشمنوں کے شیعوں سے تھے اور ایسے لوگ تھے جو سمجھتے تھے کہ ان کے دشمن نہایت عمدہ حالت اور افضل صفت میں تھے اور ان کے بعد والوں کی انتہائی معراج یہ ہے کہ ان کے نشان قدم پر چلیں اور ان کے راستہ کی پیروی کریں۔

قاضی نوراللہ شوستری یا کسی اور کے کہنے کی ضرورت کیا خود حضرت علی کا اقرار موجود ہے کہ ان کا تمام زمانہ خلافت تقیہ میں گزرا اور اپنی خلافت میں بھی وہ دین کا کوئی کام نہ کر سکے، روضہ کافی صـ۲۹ میں ہے، کہ حضرت علی نے ایک روز اپنی خلوت خاص میں جہاں سوا ان کے اہلبیت اور چند مخصوص شیعوں کے کوئی نہ تھا فرمایا کہ،

قد عملت الولاة قبلي اعمالا خالفوا فيها رسول الله متعمدين لخلافه ناقضين لعهده مغيرين لسنته ولو احملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها و الى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم لتفرق عني جندي ۔

مجھ سے پہلے حکام نے کچھ ایسے کام کیے ہیں جن میں رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی ہے اور عمداً مخالفت کی ہے۔ اور ان کی سنت کو بدلا ہے، اور اگر میں لوگوں کو ان کاموں کے ترک کر دینے کا حکم دوں اور ان کو ان کے اصلی حالت کی طرف واپس کر دوں، اور اس حالت کی طرف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔

پھر اس کے بعد ان خلاف شریعت کاموں کی کچھ تفصیل بھی ارشاد فرمائی کہ:

لو رددت فدك الى ورثة فاطمة عليها السلام واقطعت قطائع اقتطعها رسول الله صلى الله عليه وسلم لاقوام لم تمض لهم و لم تنفذ ورددت قضايا من الجور قضي بها ونزعت نساء تحت رجال بغير حق فرددتهن الى ازواجهن وحملت الناس على حكم القرآن ومحوت دواوين العطايا واعطيت كما كان رسول الله يعطي بالسوية وحرمت المسح على الخفين اذا لتفرقوا عني والله لقد امرت الناس الا يجتمعوا في شهر

اگر میں فدک وارثانِ فاطمہ علیہا السلام کے حوالہ کر دوں، اور جو معافیاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو دی تھیں، اور وہ ان کو نہیں ملیں، نہ ان کا نفاذ ہوا ان کو دے دوں اور جو فیصلے ظلم کے کیے گئے ہیں ان کو رد کر دوں اور کچھ عورتیں جو بعض مردوں کے تصرف میں ناجائز طور پر ہیں ان کو نکال کر ان کے شوہروں کے حوالہ کر دوں اور لوگوں کو احکام قرآنی پر عمل کرنے کا حکم دوں، اور وظیفوں کا رجسٹر منسوخ کر دوں اور جس طرح رسول اللہ لوگوں کو برابر برابر دیتے تھے، اسی طرح دوں اور موزوں پر مسح کرنے کو حرام کر دوں تو یقیناً لوگ مجھ سے جدا ہو جائیں۔ اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ

رمضان الا فی فریضۃ واعلمتھم ان اجتماعھم فی النوافل بدعۃ فتنادیٰ بعض اھل عسکری ممن یقاتل معی یا اھل الاسلام غیرت سنۃ عمر ینھانا عن الصلوٰۃ فی شھر رمضان تطوعاً۔

ماہ رمضان میں سوا فرض کے اور کسی نماز میں جماعت نہ کریں، اور ان کو آگاہ کیا کہ نوافل میں جماعت کرنا (یعنی تراویح) بدعت ہے تو میرے ہی لشکر کے بعض لوگ جو میرے ساتھ ہو کر لڑتے ہیں پکارنے لگے کہ اے اہل اسلام عمر کی سنت بدل دی گئی، یہ شخص ہم کو ماہ رمضان میں نوافل پڑھنے سے منع کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں بڑے بڑے ناجائز کام ہو رہے تھے، یہاں تک کہ مسلمان اور شوہر والی عورتوں سے جبراً زناکاری کی جا رہی تھی، حقوق العباد بھی تلف ہو رہے تھے، فدک بھی اسی مغصوب حالت میں تھا، ایسے گناہ کبیرہ اعلان کے ساتھ کئے جا رہے تھے کہ ان کے تصور سے ایمان دار کے بدن پر لرزہ پڑتا ہے، مگر حضرت علی مارے تقیہ کے خاموش تھے، اور ان تمام مظالم و معاصی کو اسی طرح برقرار رکھے ہوئے تھے۔

حضرت علی کو اپنے زمانہ خلافت میں کیا خوف تھا کیا ضرورت تقیہ کی تھی خصوصاً جب کہ وہ علاوہ خلافت کے دوسری بڑی بڑی طاقتوں اور بڑے بڑے معجزوں کے مالک بنے ہوئے تھے، یہ ایک معمہ ہے جس کے حل کرنے کے لیے ابن سبا اور زرارہ و ابو بصیر کی عقل بھی کچھ کام نہ دے سکی، روایات میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی کو اپنا اصلی مذہب ظاہر کرنے اور ان مظالم و معاصی کو موقوف کر دینے میں اپنے لشکر کے جدا ہو جانے یعنی خلافت کے چھن جانے کا اندیشہ تھا، چنانچہ ابھی جو روایت ہم نے روضہ کافی سے نقل کی اس میں بھی یہی عذر تقیہ کا منقول ہے۔

مگر اہل عقل خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عذر کس حد تک معقول کہا جا سکتا ہے، بھلا خیال تو کرو کہ خلافت ہے کس لئے خلافت کا مقصد یہی ہے کہ بہ نیابت پیغمبر دین الٰہی کو قائم رکھا جائے جب یہ مقصد ہی حاصل نہ ہو تو ایسی خلافت مسلمان کے لئے جائز ہی نہیں ہو سکتی حضرت علی کو چاہئے تھا کہ خود ہی ایسی خلافت پر لات مار دیتے ان کو ایسا کیا شوق خلافت کا تھا کہ اس کے چھن جانے کے خوف سے ایسے کبیرہ گناہوں کا وبال اپنے ذمہ لے رہے تھے۔

(۳) حضرت علی کا تینوں خلفا رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کرنا ان کے پیچھے نماز پنجگانہ ادا کرنا ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے شیعہ ان سب امور کو تقیہ کہتے ہیں۔

ابوالائمہ کے بعد اب دوسرے آئمہ کا تقیہ مسئلہ امامت میں دیکھو خصوصاً امام جعفر صادق کا جو مذہب شیعہ میں بڑا درجہ رکھتے ہیں، بایں معنی کہ شیعہ کہتے ہیں ہمارے مذہب کی تعلیم و ترویج زیادہ تر انہیں کے ہاتھ سے ہوئی اسی وجہ سے شیعہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں۔

(۴) اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ص۴۸۶ میں ہے:۔

عن عبد اللہ بن سلیمان عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال لی مازال سرنا مکتومًا حتی صار فی یدی ولد کیسان فتحدثوا بہ فی الطریق وقری السواد۔	عبداللہ بن سلیمان سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ہمارا راز (یعنی دعویٰ امامت) ہمیشہ پوشیدہ رہا یہاں تک کہ فرزندان مکر و فریب کے ہاتھوں پہنچا پس انہوں نے راستہ گلی میں اور (صوبہ) سواد کی بستیوں میں اس کا چرچا کیا۔

ف اس حدیث میں امام جعفر صادق نے شیعوں کو مکار اور فریبی کہا اور فرمایا کہ انہیں نے ہمارا راز فاش کر دیا، ورنہ ہمارا دعویٰ امامت اور ہمارے عقائد بالکل پوشیدہ تھے۔

علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی جزو چہارم حصہ دوم ص۱۲ میں فرماتے ہیں "کیسان بفتح کاف وسکون یای دو نقطہ در پایین وسین بے نقطہ نام مکر و فریب ست" اور ترجمہ اس حدیث کا فارسی میں یوں لکھتے ہیں کہ "روایت ست از امام جعفر صادق علیہ السلام۔ اوی گفت مرا ہمیشہ راز ما پنہاں بود تا آنکہ افتاد در دست اہل مکر و فریب پس نقل کردند راز ما را در راہ گذر و در دہ ہائے سواد عراق۔"

علامہ خلیل قزوینی کو بھی یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اس حدیث سے شیعوں کا مکار اور فریبی ہونا خود امام معصوم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ "مراد از ولد کیسان اہل مکر ست کہ شیعہ امامیہ نیستند و بدروغ خود را از شیعہ امامیہ می شمارند"

مگر یہ تاویل عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے بچند وجہ اول یہ کہ تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ شیعوں کے سوا اور کسی فرقہ کے لوگوں نے ان ائمہ کا مدعی امامت ہونا بیان نہیں کیا نہ مذہب شیعہ کو ان کی طرف منسوب کیا سنی آج تک ان کو ہم مذہب کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں۔ پس یقیناً عقائد شیعہ کو ان ائمہ کی طرف منسوب کرنے والے شیعہ تھے اور انہیں کو امام نے مکار اور فریبی کہا۔ دوم کہ یہ بالفرض مان لیا جائے کہ یہ مسئلہ امامت کو شہرت دینے والے شیعہ نہ تھے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ ان کو یہ راز معلوم کیونکر ہوا۔ لامحالہ یا ائمہ نے ان سے بیان کیا یا ائمہ کے شیعوں نے اگر ائمہ نے بیان کیا تو ائمہ مورد اعتراض ہوتے ہیں کہ انہوں نے غیر شیعہ سے کیوں اپنا راز ظاہر کیا اور جب کہ ہر امام کے پاس ان کے شیعوں کے نام کا رجسٹر رہتا ہے، نیز امام ہر شخص کو اس کی آواز سے پہچان لیتے ہیں کہ ناجی ہے یا ناری تو دھوکہ کھا جانے کا بھی عذر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر شیعوں نے بیان کیا تو پھر وہی الزام لوٹ آیا اور شیعوں کا مکار و فریبی ہونا ثابت ہو گیا۔ **سوم** یہ کہ سرے سے یہی بات غیر معقول ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص اپنے کو جھوٹ موٹ شیعہ کہتا کیوں کہ بقول شیعہ اپنے کو اس زمانہ میں شیعہ کہنا جرم تھا، کوئی شخص ناکردہ جرم سے اپنے کو کیوں متہم کرنے لگا، چہارم یہ کہ امام باقر کی حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ مسئلہ امامت کو شہرت دینے والے حضرات شیعہ ہی تھے وہ حدیث حسب ذیل ہے۔ (۵) اصول کافی ص ۴۸۷ میں ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام ولایۃ اللہ اسرھا الی جبریل واسرھا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسرھا محمد الی علی علیہ السلام واسرھا علی الی من شاء ثم انتم تذیعون ذلک۔	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی ولایت (یعنی مسئلہ امامت) کو اللہ نے جبریل سے بطور راز کے بیان کیا، اور جبریل نے پوشیدہ طور پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور محمد نے علی علیہ السلام سے پوشیدہ طور پر بیان کیا۔ اور علی نے پوشیدہ طور پر جن سے چاہا بیان کیا مگر اب تم اس کو مشہور کئے دیتے ہو۔

ف دیکھیے اس حدیث میں امام باقر نے شیعوں ہی کو فرمایا کہ تم مسئلہ امامت کو مشہور کرتے

بھرتے ہو اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مسئلہ امامت کو شیعوں ہی نے ان آئمہ کی طرف منسوب کیا۔

یہ لطیفہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسئلہ امامت ایک ایسا راز ہے کہ خدا نے سوا جبریل کے اور کسی فرشتے کو نہ بتایا نتیجہ یہ کہ سوا جبریل کے اور کوئی فرشتہ حضرت علی اور دوسرے آئمہ کا خلیفہ بلافصل یا امام ہونا درکنار سرے سے شیعوں کی مصطلح امامت ہی سے واقف نہیں ہے اور جبریل نے بھی سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پیغمبر سے بھی یہ مسئلہ بیان نہ کیا خدا کے تمام پیغمبر عقیدۂ امامت سے بے خبر رہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سوا علی کے کسی کو اس راز سے باخبر نہ کیا حتی کہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ اور اپنے نواسوں کو بھی اس سے بے خبر رکھا غالباً اسی بے خبری کے سبب سے حضرت فاطمہ حضرت علی کی ہر بات پر سر تسلیم خم نہ کرتی تھیں، بعض اوقات سخت گفتگو کی بھی نوبت آجاتی تھی کما فی حق الیقین۔

کیا اچھا دین ہے جس سے فرشتے اور پیغمبر بھی ناواقف ہیں، مگر اب شیعہ اس کو اس درجہ شہرت دے رہے ہیں کہ اذان میں ولایت کا اعلان اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں. انا للہ وانا الیہ راجعون

ایک اور روایت سب سے زیادہ پُر لطف سنیئے۔

(۶) اصول کافی ص۱۲۳ میں ہے۔

عن سعید السمان قال کنت عند ابی عبد اللہ اذ دخل علیہ رجلان من الزیدیۃ فقالا لہ افیکم امام مفترض الطاعۃ قال فقال لا قال فقالا لہ قد اخبرنا عنک الثقات انک تفتی وتقر وتقول بہ ونسمیھم لک فلان وفلان وھم اصحاب ورع وتشمیر وھم ممن

سعید سمان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا کہ دو شخص فرقہ زیدیہ کے ان کے پاس آئے ان دونوں نے امام سے کہا کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی امام مفترض الطاعۃ ہے امام نے فرمایا کہ نہیں ان دونوں نے کہا کہ ہم سے معتبر لوگوں نے آپ سے نقل کرکے بیان کیا کہ آپ اس کا فتویٰ دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں، اور قائل ہیں اور ہم ان لوگوں کا نام بھی آپ کو بتائے دیتے ہیں. فلاں اور فلاں یہ لوگ پرہیزگار اور پاکدامن لوگ ہیں اور ایسے

لا یکذب فغضب ابو عبداللہ	لوگ ہیں کہ جھوٹ نہیں بولتے امام جعفر صادق کو
وقال ما امرتهم بهذا	اس پر غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو اس
فلما رأیا الغضب فی	کا حکم نہیں دیا جب ان دونوں نے آپ کے چہرہ میں
وجهه خرجا۔	غصہ کے آثار دیکھے تو چلے گئے۔

اسی مضمون کی روایت شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین ص۲۶ میں لکھی ہے قاضی صاحب لکھتے ہیں:۔

درکتاب مختار از سعید منقول ست کہ گفت روزے درخدمت امام جعفر علیہ السلام بودم کہ دو کس در مجلس اذن دخول طلبیدند و آں حضرت ایشاں را اذن کرد چوں بہ نشستند یکے از ایشاں از اہل مجلس پرسید کہ آیا در شما امام مفترض الطاعۃ است آنحضرت فرمود کہ چنیں کسے درمیان خود نمی شناسیم اوگفت در کوفہ قومے ہستند کہ زعم ایشاں آں ست کہ درمیان شما امام مفترض الطاعۃ موجود ست وایشاں دروغ نمی گویند زیرا کہ صاحب ورع واجتہاد ند واز جملہ ایشاں عبداللہ یعفور وفلان وفلان اند پس آنحضرت فرمودند کہ من ایشاں را بایں اعتقاد امر نہ کردہ ام گناہ من دراں چیست ومقارن ایں گفتار بر رخسار مبارک او آثار احمرار وغضب بسیار ظاہر شد وچوں آں دو کس اورا در غضب دیدند از مجلس برخاستند وچوں از مجلس بدر شدند آنحضرت باصحاب خود فرمود کہ آیا می شناسید ایں دو مرد را گفتند بلے ایشاں از زیدیہ اند گمان آں دارند کہ شمشیر حضرت رسول نزد عبداللہ بن الحسن ست پس آں حضرت فرمود کہ دروغ گفتہ اند وسہ بار برایشاں لعنت فرستاد۔

ف:۔ ان دونوں روایتوں کا ماحصل ایک ہے اور یہ مضمون کتب شیعہ میں تواتر کو پہنچ گیا ہے کہ امام جعفر صادق اور دوسرے ائمہ علانیہ لوگوں کے سامنے اپنی امامت کا اور شیعوں کے خانہ ساز مسئلہ امامت کا قطعی انکار کردیتے تھے، اور جو لوگ اس مسئلہ کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے برملا ان کی تکذیب فرماتے تھے، شیعہ راویوں نے جس قدر مخصوص باتیں شیعہ مذہب کی ان سے نقل کی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں ائمہ نے ہم سے تنہائی میں بیان کی ہیں جس کی تصدیق وہ کسی کے سامنے کبھی نہیں کرا سکے۔

ایک اور روایت اس سے بھی لطیف یہ ہے کہ ائمہ معصومین نے اپنے آپس میں بھی ایک کو

دوسرے سے تقیہ کرنے کی تعلیم دی ہے، از روئے مذہب شیعہ اصحاب نبی میں صرف چار شخص مومن تھے ان چاروں کی بھی یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے سے تقیہ کرتے تھے، بظاہر تو ایک تھے مگر عقائد میں باہم اس قدر اختلاف تھا کہ اگر ایک کے عقائد پر دوسرے کو اطلاع ہو جاتی تو کشت و خون ہو جاتا۔ وہ روایت یہ ہے۔

(۷) اصول کافی ص۲۵۴ میں ہے۔

عن ابی عبد الله علیہ السلام قال ذکرت التقیۃ یوما عند علی بن الحسین علیہما السلام فقال والله لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتل و لقد اخا رسول الله صلی الله علیہ وسلم بینہما فما ظنك بسائر الخلق ان علم العلماء صعب مستصعب لا یحتملہ الا نبی مرسل او ملك مقرب او عبد مومن امتحن الله قلبہ للایمان فقال وانما صار سلمان من العلماء لانہ امرؤ منا اہل البیت

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک دن امام زین العابدین کے سامنے تقیہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ واللہ اگر ابوذر کو معلوم ہو جاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ سلمان کو قتل کر دیتے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان میں اخوت قائم کر دی تھی، پھر کیا خیال ہے تمہارا اور مخلوقات کی طرف یقیناً علما کا علم سخت مشکل ہے، جس کو سوا نبی مرسل یا ملک مقرب یا ایسے بندۂ مومن کے جس کے قلب کو اللہ نے ایمان کے لئے جانچ لیا ہو کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا، اور سلمان علما میں سے اس سبب سے ہوئے کہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ایک شخص ہیں۔

ف:۔ اس حدیث سے تقیہ کی اہمیت و عظمت اچھی طرح ظاہر ہو رہی ہے، انتہا یہ ہے کہ سلمان ابوذر سے تقیہ کرتے تھے ابوذر کو سلمان کے اصلی عقائد کا علم نہ تھا، ورنہ سلمان کو مار ڈالتے اور ظاہر ہے کہ سلمان اور ابوذر دونوں کو اس قدر متضاد عقائد کی تعلیم رسول ہی نے دی تھی۔

سلمان کے وہ مخفی عقائد کیا تھے، خدا کی توحید میں کچھ عقیدے ان کے بدلے ہوئے تھے یا رسالت و نبوت کے متعلق کوئی دوسری باتیں ان کو سکھلائی گئی تھیں یا قیامت اور جنت و دوزخ کی بابت

ان کے عقائد مختلف تھے اس کا صریح ذکر کسی روایت میں نہیں ملتا نہ ملنا چاہیئے، ورنہ پھر تقیہ کا کمال ہی کیا ہوا۔

علامہ خلیل قزوینی شارح کافی اس روایت کو دیکھ کر بہت گھبرائے اور اس ایک روایت پر کیا موقوف خدا کی قدرت یہ ہے کہ جہاں مذہب شیعہ کی بنیاد روایت پر ہے وہاں یہی ان کی روایات ان کے لئے وبال جان بن گئی ہیں، بہرحال علامہ قزوینی نے اس حدیث کی تاویل کی ہے، اور وہ تاویل ایسی نفیس ہے کہ خود سلمان فارسی پر خیانت کا الزام عائد کر کے لکھا ہے کہ ابوذر کو اگر اس خیانت کا علم ہو جاتا تو وہ اس کو لوگوں سے ظاہر کر دیتے، اور سلمان قتل کر دیئے جاتے لیکن یہ خیال قزوینی کا سخت گستاخی اور بے دینی کا خیال ہے، حضرت سلمان کے قلب میں جو چیز تھی، وہ خیانت نہ تھی بلکہ وہ علم الٰہی کی قسم سے کوئی چیز تھی، چنانچہ حیات القلوب مطبوعہ نولکشور جلد دوم ص۲۲ میں ہے:

شیخ کشی بہ سند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ حضرت رسول فرمود کہ اے سلمان اگر علم ترا عرض کنند بر مقداد ہر آئینہ کافر خواہد شد۔

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ اگر تمہارا علم مقداد پر ظاہر کر دیا جائے تو مقداد کافر ہو جائیں۔

معلوم ہوا کہ سلمان کا مافی الضمیر جس کا ذکر کافی کی روایت میں ہے کوئی چیز از قسم علم ہے، مولانا احتشام الدین صاحب مرحوم اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ آپ حضرات شیعہ اس معمہ کو حل کریں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ سلمان کے دل کی حالت معلوم کرنے سے مقداد کافر ہو جاتے (معاذ اللہ منہا)، پس اگر رسول اللہ کے دل کی حالت جناب امیر معلوم کر لیتے تو وہ کیا ہو جاتے، اور اگر جناب امیر کے دل کی حالت حسنین یا سلمان وغیرہ معلوم کر لیتے تو کیا بن جاتے، اور اگر حسنین کی حالت باقی آئمہ کو معلوم ہو جاتی تو وہ کیا ہو جاتے، اور اگر آئمہ کے دل کی حالت تمام متقدمین و متاخرین شیعہ خصوصاً اس زمانہ کے شیعوں کو معلوم ہو جائے، تو وہ کیا ہو جائیں۔

جن کی ظاہر کی تجلی سے مسلمان ہوئے
ان کے باطن کی خبر پائیں تو کافر ہو جائیں

مولانا احتشام الدین صاحب نے بڑی ذکاوت کے ساتھ کتب شیعہ سے اس راز کا

پتہ لگایا ہے کہ سلمان کے دل میں وہ کیا چیز تھی جس کے ظاہر ہونے پر ابوذر اُن کو قتل کر دیتے اور مقداد کافر ہو جاتے اس سلسلہ میں کئی باتیں بیان فرمائی ہیں لیکن سب میں زیادہ دل نشین یہ بات ہے کہ حضرت سلمان ایک ایسی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے۔ کہ اگر وہ قائم ہو گئی ہوتی تو مذہب شیعہ کے تصنیف کرنے والوں کو زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد بھی کامیابی نہ ہوتی۔ حضرت سلمان چاہتے تھے کہ تمام کلمہ گویان اسلام قرآن کریم کو اپنا ہادی و ملجا بنائیں، حدیثوں پر بنیاد مذہب[1] نہ رکھیں وہ قرآن سے بھاگ کر حدیث کی طرف جانے کو گمراہی کا دروازہ سمجھتے تھے۔ المختصر حضرت فاروق اعظم کے زرین مقولہ حسبنا کتاب اللہ کو وہ بھی حرزِ جان بنائے ہوئے تھے، چنانچہ حیات القلوب جلد دوم صنا۶ میں ہے۔

سلمان بمردم گفت کہ گریختید از قرآن بسوئے حدیث زیراکہ قرآن راکتاب رفیع یافتید در انجا شمارا حساب می نمایند بر نقیر و قطمیر و فتیل یعنی برامر خورد ورریزہ برقدر دانہ خردے پس تنگی کردبر شما احکام قرآن پس گریختید بسوئے احادیث کہ کار را بر شما کشادہ و آسان کردہ است۔

سلمان نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ قرآن سے بھاگ کر حدیث کی طرف گئے کیونکہ قرآن کو تم نے دیکھا کہ بڑی اونچی کتاب ہے اس مقدس کتاب میں تم سے ذرا ذرا سی بات کا حساب لیا جاتا ہے لہٰذا قرآن نے تم پر تنگی کی یعنی تم کو نئے نئے مذہبوں کے تصنیف کرنے کی گنجائش نہ دی، لہٰذا تم قرآن سے بھاگ کر ان حدیثوں کی طرف گئے، جنہوں نے راستہ تم پر کشادہ اور آسان کر دیا ہے۔

---

[1] اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے کہ قرآن مجید ایک قطعی و یقینی چیز ہے اسی پر مذہب اسلام کی بنیاد ہے، احادیث صرف طریق عمل معلوم کرنے کے لئے ہیں یا بعض مجملات قرآن کی تفسیر کے لئے نہ اس لئے کہ ان پر بنیاد اعتقادات کی رکھی جائے اور نہ اس لئے کہ قرآن معمہ اور چیستان ہے بغیر روایات کے ملائے ہوئے اس کی کوئی بات سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس مضمون کو بہت مدلل و مفصل مقدمہ تفسیر آیات خلافت اور رسالہ تفسیر آیہ اولی الامر میں بیان کیا جا چکا ہے کتب شیعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمان کا بھی یہی مسلک تھا اور ہم سے پوچھو تو صرف حضرت سلمان ہی نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام کا بلا اختلاف یہی مسلک تھا انہیں حضرات کے مسلک کا نام تو مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ اگر اس مسلک کو شیعہ تھوڑی دیر کیلئے بھی اختیار کریں تو تشیع کے گھروندہ کا نام نشان بھی باقی نہ رہے۔

دوسرے مسائل دینیہ کے متعلق تقیہ

مسئلہ امامت کے متعلق تقیہ کے چند مواقع بطور نمونہ کے بیان ہو چکے اب دوسرے مسائل دینیہ میں شیعوں کے ائمہ معصومین کا تقیہ دیکھنا چاہیئے۔

(۱) فروع کافی مطبوعہ لکھنؤ جلد دوم صـ۸ میں ہے۔

عن ابان بن تغلب قال سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول کان ابی علیہ السلام یفتی فی زمن بنی امیۃ ان ما قتل البازی والصقر فھو حلال وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ما قتل۔

ابان بن تغلب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے والد (امام باقر) علیہ السلام بنی امیہ کے زمانہ میں فتوے دیتے تھے کہ باز اور شکرا جس چڑیا کو قتل کریں وہ حلال ہے میرے والد بنی امیہ سے تقیہ کرتے تھے مگر میں ان سے تقیہ نہیں کرتا اور فتوے دیتا ہوں کہ وہ چڑیا جس کو باز اور شکرا قتل کرے حرام ہے۔

ف۔ دیکھیے امام باقر علیہ السلام نے تقیہ میں حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا اور یہ تقیہ ہرگز محل خوف میں نہ تھا کیونکہ یہ مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا ایسے مسائل اجتہادیہ میں خود فقہائے اہل سنت باہم مختلف رہتے تھے۔ اور کوئی کسی پر گرفت نہ کرتا تھا۔ آخر امام جعفر صادق نے اس مسئلہ میں تقیہ نہ کیا تو ان پر کس نے گرفت کی اور بالفرض خوف کی حالت بھی ہوتی تو کیا امام مفترض الطاعۃ کی یہی شان ہے کہ اس طرح جھوٹے مسائل بیان کرے ایسے امام کے فتووں پر کیوں کر اعتبار ہو سکتا ہے۔

(۲) فروع کافی کتاب المواریث صـ۲۸ میں ہے۔

عن سلمۃ بن محرز قال قلت لابی عبداللہ علیہ السلام ان رجلا ارمانیا مات واوصی الی بترکتہ فقال لی وما الارمانی قلت

سلمہ بن محرز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ ایک ارمانی شخص مرگیا اور اس نے مجھے اپنے ترکہ کا وصی بنایا امام نے مجھ سے پوچھا کہ ارمانی کس کو کہتے ہیں میں نے کہا

نبطی من انباط الجبال مات و
اوصی الی بترکتہ و ترك ابنة
قال فقال لی اعطها النصف قال
فاخبرت بذلك زرارة فقال
لی اتقاك انما المال لها قال
فدخلت علیہ بعد فقلت
اصلحك الله ان اصحابنا
زعموا انك اتقیتنی
فقال والله ما اتقیتك
ولکنی اتقیت علیك ان
تضمن فهل علم بذلك
احد قلت لا قال فاعطها
ما بقی ۔

ایک پہاڑی قوم کو کہتے ہیں، (اور آپ کو اس سے
کیا مطلب مسئلہ تو صرف اتنا ہے کہ وہ مر گیا، اور
اس نے مجھے اپنے ترکہ کا وصی بنایا، اور ایک بیٹی
اس نے چھوڑ دی امام نے مجھ سے فرمایا کہ لڑکی کو
نصف دے دو، سلمہ راوی کہتے ہیں میں نے یہ فتویٰ
زرارہ سے بیان کیا تو زرارہ نے مجھ سے کہا کہ
امام نے تجھ سے تقیہ کیا ہے، (نصف کیسا، کل مال
اسی لڑکی کو ملے گا، سلمہ کہتے ہیں کہ پھر میں اس
کے بعد امام کے پاس گیا۔ تو میں نے کہا کہ اللہ آپ
کی حالت درست کرے ہمارے اصحاب کہتے ہیں
کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا امام نے کہا اللہ کی قسم
میں نے تم سے تقیہ نہیں کیا، بلکہ تمہارے لئے تقیہ
کیا کہ کہیں تم کو تاوان نہ پڑ جائے کسی کو اس ..
فتویٰ کا علم تو نہیں ہوا میں نے کہا نہیں تو امام
نے فرمایا کہ اچھا باقی مال بھی لڑکی کو دے دو۔

ف فروع کافی کے اسی باب میں یہی مسئلہ سلمہ بن محرز کے بھائی عبداللہ بن محرز نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ امام نے نصف مال تو بیٹی کو دلوایا اور نصف مال غلاموں کو مگر جب عبداللہ بن محرز کو معلوم ہوا کہ امام کا یہ فتویٰ غلط ہے غلاموں کو میراث میں کچھ حصہ نہیں ملنا چاہیئے تو اس نے امام سے شکایت کی کہ آپ نے مجھ سے تقیہ کیا امام نے کہا نہیں میں نے تجھ کو نقصان سے بچانے کے لئے ایسا فتویٰ دیا تھا کہ اگر کل مال بیٹی کو دے دیا جائے تو کہیں غلام تجھ سے جھگڑا نہ کریں، لیکن اگر تجھے اس کا خوف نہیں ہے تو کل مال بیٹی کو دیدے ۔

معلوم ہوا کہ امام نے ایک شیعہ کو ایک وہمی نقصان سے بچانے کے لئے تقیہ کر کے جھوٹا مسئلہ بیان کر دیا مگر ساتھ ہی ساتھ یہ کھٹکا دامنگیر تھا کہ کسی نے اس فتویٰ کو سنا تو نہیں میری غلطی کا راز

تو فاش نہیں ہوا۔

شیعوں کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ائمہ معصومین اس قدر تقیہ کرتے تھے کہ کوئی مسئلہ مسائل دینیہ میں ایسا نہیں ہے جس میں ائمہ نے مختلف فتوے نہ دیئے ہوں ان مختلف فتووں میں علمائے شیعہ جس فتوے کو چاہتے ہیں، امام کا اصلی مذہب کہہ دیتے ہیں اور جس فتویٰ کو چاہتے ہیں تقیہ کہہ کر اڑا دیتے ہیں۔

علمائے شیعہ کو اس موضوع پر مستقل تصانیف کرنی پڑی ہیں جن میں کتاب استبصار شیعوں کے اصول اربعہ میں داخل ہے انجم کے مناظرہ حصہ چہارم میں اسی کتاب استبصار سے بہت سے مواقع ائمہ کے تقیہ کے نقل کئے جا چکے ہیں، اس وقت پھر اس کا اعادہ بغرض تکمیل بحث مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۳) سب سے پہلا باب اس کتاب کا ابواب المیاہ ہے اس باب کی ایک حدیث یہ ہے۔

ما رواه محمد بن علی بن محبوب عن العباس عن عبد الله بن المغیرة عن بعض اصحابه عن ابی عبد الله علیه السلام قال اذا کان الماء قدر قلتین لم ینجسه شی والقلتان جرتان فاول ما فی هذا الخبر انه مرسل ویحتمل ان یکون ورد مورد التقیة لانه مذهب کثیر من العامة۔

جو حدیث محمد بن علی بن محبوب نے عباس سے انہوں نے عبداللہ بن مغیرہ سے انہوں نے اپنے بعض اصحاب سے انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب پانی بقدر دو قلہ کے ہو تو اس کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی قلہ مٹکے کو کہتے ہیں پس خرابی اس روایت میں یہ ہے کہ مرسل ہے اور احتمال ہے کہ یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ یہ مذہب بہت سے سنیوں کا ہے۔

ف مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ مذہب بہت سے سنیوں کا ہے لہٰذا امام نے انہیں سنیوں کے خوف سے ان کے موافق بیان کر دیا اصلی مذہب امام ممدوح کا یہ نہ تھا، اس مقام پر دیکھنے کے قابل ایک بات یہ بھی ہے کہ مسائل عرفیہ فقہیہ میں خود علمائے اہل سنت میں اختلاف رہا ہے۔ اور برابر ایک دوسرے کے مخالف فتوے دیتے تھے کوئی کسی سے خوف نہ کرتا تھا، پس امام کو ایک مسئلہ میں اختلاف کرتے

ہوئے کیا خوف لاحق تھا جو انہوں نے تقیہ کیا خاص اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ قلتین کے مخالف ہیں ان کو کچھ خوف نہ ہوا اور امام نے ڈر کر اپنے اصلی مذہب کے خلاف فتویٰ دے دیا۔

(۴) کنوؤں کے باب میں ایک حدیث یہ ہے :-

ما رواه احمد بن محمد عن ابن محبوب
عن الحسن بن صالح الثوری عن ابی
عبد الله علیه السلام قال اذا كان
الماء فی الرکی کرا لم ینجسه شئ قلت
وکم الکر قال ثلاثة اشبار ونصف
طولها فی ثلثة اشبار ونصف عمقها
فی ثلثة اشبار ونصف عرضها فیحتمل
هذا الخبر وجهین احدهما ان یکون
المراد بالرکی المصنع الذی لا یکون له
مادة بالنبع دون الآبار التی لها مادة
به فان ذلك هو الذی یراعی فیه الاعتبار
بالکر علی ما بیناه والثانی ان یکون ذلك
قد ورد مورد التقیه لان الفقهاء من یسوی
بین الآبار والغدران فی قلتها وکثرتها۔

جو حدیث احمد بن محمد نے ابن محبوب سے انہوں
نے حسن بن صالح ثوری سے انہوں نے ابوعبداللہ
علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا
جب پانی کنوئیں میں ایک کر ہو تو اس کو کوئی
چیز نجس نہیں کرتی میں نے پوچھا کہ کر کس قدر
ہوتا ہے، امام نے فرمایا ساڑھے تین بالشت
طول ساڑھے تین بالشت عمق ساڑھے تین
بالشت عرض پس اس حدیث میں دو احتمال
ہیں، اول یہ کہ کنوئیں سے وہ کنواں مراد ہو
جس میں سوت ہوں کیونکہ بے سوت کے کنوئیں
میں کر کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے
ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حدیث بطور
تقیہ کے ہو کیونکہ بعض فقہا کنوؤں اور
حوضوں کو قلت اور کثرت میں برابر سمجھتے ہیں۔

ف :- اس مقام پر بھی یہ لطیفہ قابل غور ہے کہ جب بعض فقہا کا یہ مذہب اور بعض کا اس کے خلاف ہے تو ایک فریق سے کیوں امام ڈرے دوسرے سے کیوں نہ ڈرے، اور پھر وہ فقہا باہم اختلاف کرتے ہوئے کیوں نہ ڈرتے تھے، سارا خوف امام ہی کو کیوں تھا تقیہ تو اس مسئلہ میں ہونا چاہیئے جو مخصوصات شیعہ سے ہو کہ اصل مسئلہ بتا دینے سے لوگ شیعہ سمجھ لیں گے اور مسئلہ مخصوصات شیعہ سے نہ ہو اس میں تقیہ کیسا، مگر اصل تو یہ ہے کہ تقیہ اصلی درجہ کی عبادت ہے، تقرب الی اللہ اس کی جس

قدر کثرت ہو بہتر۔

(۵) شیعوں کے یہاں مسئلہ یہ قرار پایا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد تین مرتبہ عضو مخصوص کو نچوڑ ڈالے بعد اس کے جس قدر قطرات نکلیں وہ پاک ہیں جسم میں کپڑے میں لگ جائیں کچھ مضائقہ نہیں دھونے کی حاجت نہیں اس مسئلہ کے خلاف ایک حدیث اسی کتاب استبصار میں لکھ کر یہ جواب دیا ہے۔

ما رواه الصفار عن محمد بن عيسى قال كتب اليه رجل هل يجب الوضوء مما خرج من الذكر بعد الاستبراء فكتب نعم فالوجه فيه ان نحمله على ضرب من الاستحباب دون الوجوب او نحمله على ضرب من التقية لانه موافق لمذهب اكثر العامة

جو حدیث صفار نے محمد بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امام باقر علیہ السلام کو لکھ کر بھیجا کہ کیا جو چیز عضو مخصوص سے بعد نچوڑ ڈالنے کے نکلتی ہے اس سے وضو واجب ہے امام نے لکھا ہاں، تو مطلب اس کا یہ ہے کہ یا تو ہم اس حکم وضو کو استحباب پر محمول کریں نہ وجوب پر یا ہم اس کو ایک قسم تقیہ پر محمول کریں کیونکہ یہ مسئلہ اکثر سنیوں کے موافق ہے

(۶) اسی کتاب کے باب الاستنجاء میں ہے:

ما رواه احمد بن محمد عن البرقي عن وهب بن وهب عن ابي عبد الله عليه السلام قال كان نقش خاتم ابي العزة لله جميعاً وكان في يساره يستنجي بها وكان نقش خاتم امير المؤمنين عليه السلام الملك لله وكان في يده اليسرى ويستنجي بها فهذا الخبر محمول على التقية۔

جو حدیث احمد بن محمد نے برقی سے انہوں نے وہب بن وہب سے انہوں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے والد کی انگوٹھی میں یہ عبارت کندہ تھی "العزۃ للہ جمیعا" یہ انگوٹھی ان کے بائیں ہاتھ میں رہتی تھی، اور وہ اسی سے آبدست لیتے تھے اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی انگوٹھی میں یہ عبارت کندہ تھی الملک للہ اور وہ انگوٹھی ان کے ہاتھ میں رہتی تھی، اور اسی سے وہ آبدست لیتے تھے، بس یہ حدیث تقیہ پر محمول ہے۔

ف:- یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تقیہ کس نے کیا آیا امام جعفر نے تقیہ کیا اور جھوٹی خبر بیان کی فی الواقع امام باقر اور حضرت علی ایسی حرکت نہ کرتے تھے، یا حضرت امام باقر اور حضرت علی نے تقیہ کیا کہ ایسی نا ملائم کاروائی کے مرتکب ہوئے۔ پھر نہیں معلوم ہوتا کہ یہ تقیہ کیوں کیا، اگر انگوٹھی اتار کر رکھ جاتے اور خدا کے نام کی بے ادبی نہ کرتے تو کون ان کو مار ڈالتا اور یہ فعل شنیع کس مذہب میں جائز ہے جس کے خوف سے تقیہ عمل میں آیا۔

(۷) شیعوں کے یہاں مسئلہ ہے کہ وضو میں سر کے مسح کے لئے جدید پانی نہ لینا چاہئے اس کے خلاف جو حدیثیں ائمہ سے مروی ہیں ان کا جواب شیخ صاحب موصوف نے اس طرح دیا ہے۔

وما رواه الحسين بن سعيد عن حماد عن شعيب عن ابي بصير قال سألت ابا عبد الله عليه السلام عن مسح الراس قلت امسح بما في يدي من الندى راسي فقال لا بل تضع يدك في الماء ثم تمسح فالوجه في هذين الخبرين ان نحملها على ضرب من التقية لانهما موافقان لمذهب كثير من العامة۔

اور جو حدیث حسین بن سعید نے حماد بن شعیب سے انہوں نے ابو بصیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سر کے مسح کے بابت پوچھا میں نے کہا کہ جو کچھ تری میرے ہاتھوں میں باقی ہے اسی سے میں اپنے سر کا مسح کر لوں امام نے فرمایا نہیں بلکہ پانی میں ہاتھ ڈالو پھر سر کا مسح کرو بس مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حدیثیں بہت سے سنیوں کے موافق ہیں۔

(۸) نیز اسی کتاب میں باب مسح رجلین میں بہت سی مختلف حدیثیں روایت کی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے:-

ما رواه احمد بن محمد بن عيسى عن بكر بن صالح عن الحسن بن محمد بن عمران عن زرعة عن

اور جو حدیث احمد بن عیسیٰ نے بکر بن صالح سے انہوں نے حسن بن محمد بن عمران سے انہوں نے زرعہ سے انہوں نے سماعہ بن مہران

سماعة بن مهران عن ابی عبد الله علیه السلام قال اذا توضأت فامسح قدميك ظاهرهما و باطنهما ثم قال هكذا فوضع يده على الكعب وضرب الاخرى على باطن قدميه ثم مسحهما الى الاصابع فالوجه فى هذا الخبر ماذكرنا فى الباب الذى قبل هذا من حمله على التقية لانه موافق لمذهب بعض العامة فمن يرى المسح على الرجلين و يقول باستيعاب الرجل۔

سے انہوں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب تم وضو کرو تو اپنے پیروں کا مسح کرو، نیچے بھی اور اوپر بھی انگلیوں تک بعد اس کے آپ نے اپنا ایک ہاتھ ٹخنے پر رکھا اور دوسرا ہاتھ تلوے پر رکھا اور دونوں کو انگلیوں تک لے گئے، اور فرمایا کہ اس طرح مسح کیا کرو پس مطلب اس حدیث کا وہی ہے جو ہم اس سے قبل کے باب میں بیان کر چکے ہیں یعنی یہ حدیث تقیہ پر محمول ہے کیونکہ بعض سنیوں کے مذہب کے موافق ہے کیونکہ سنیوں میں بعض لوگ ایسے ہیں، جو مسح رجلین کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ پورے پیر کا مسح ہونا چاہئے۔

ف:۔ اس مقام پر عجیب ہی لطیفہ ہے اہل سنت میں کوئی شخص بھی مسح رجلین کا قائل نہیں ہے، اور اگر بالفرض کوئی غیر معروف شخص قائل رہا بھی ہو تو اس سے کیا خوف ہوسکتا ہے، اور مزید لطف یہ ہے کہ مسح رجلین کا مسئلہ بتاتے ہوئے امام کو خوف نہ آیا موضع مسح کی تحدید کرتے ہوئے خوف آگیا یہ بھی عجیب حیرت انگیز بات ہے یہ ویسی ہی مثل ہے کہ ایک شخص نے کسی بے گناہ کو قتل کرڈالا تھا، اور فخریہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ میں نے فلاں شخص کو مارڈالا لیکن جب یہ پوچھا جاتا کہ تم نے اس کو کس آلہ سے قتل کیا تو کہتا تھا کہ یہ نہ بتاؤں گا، اس میں مجھے خوف ہے کہ گرفتار ہوجاؤں گا۔

(۹) نیز اسی کتاب میں باب وجوب مسح رجلین میں ہے۔

ما رواه محمد بن احمد بن يحيى عن احمد بن الحسن بن على بن فضال عن عمرو بن سعيد المدائنى

جو حدیث محمد بن احمد بن یحییٰ نے احمد بن حسن بن علی بن فضال سے انہوں نے عمرو بن سعید المدائنی سے انہوں نے مصدق بن صدقہ

عن مصدق بن صدقۃ عن عمار بن موسیٰ
عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل
یتوضأ الوضوء کلہ الا رجلیہ ثم یخوض
الماء بھما خوضاً قال اجزاہ ذلک
فھذا الخبر محمول علی حال التقیۃ
فاما مع الاختیار فلا یجوز الا
المسح علیھما علی ما بیناہ۔

سے انہوں نے عمار بن موسیٰ سے انہوں نے
امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے،
کہ کوئی شخص پورا وضو کرے پیروں پر مسح نہ
کرے، پھر پیروں کو پانی میں غوطہ دے۔ امام
نے فرمایا اس کو یہی کافی ہے، پس یہ حدیث
حالت تقیہ پر محمول ہے مگر بغیر تقیہ صرف
مسح کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور سنئے اسی باب کی ایک حدیث یہ بھی ہے:۔

ما رواہ احمد بن الحسن الصفار عن
عبد اللہ بن المنبہ عن الحسین بن
علوان عن عمرو بن خالد عن زید
بن علی عن آبائہ عن علی علیہ السلام
قال جلست اتوضأ فاقبل رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حین ابتدأت فی الوضوء فقال لی
تمضمض واستنشق واستن
ثم غسلت وجھی ثلاثاً فقال
قد یجزیک من ذلک المرتان فقال
فغسلت ذراعی ومسحت براسی
مرتین فقال قد یجزیک من
ذالک المرۃ وغسلت قدمی فقال
یا علی خلل بین الاصابع لا تخلل
بالنار فھذا الخبر موافق للعامۃ وقد

جو حدیث محمد بن حسن صفار نے عبد اللہ بن
منبہ سے انہوں نے حسین بن علوان سے انہوں
نے عمرو بن خالد سے انہوں نے زید بن علی
سے، انہوں نے اپنے باپ دادا سے، انہوں
نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے،
کہ وہ کہتے تھے میں وضو کرنے بیٹھا اتنے میں
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے
آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کلی کرو اور ناک میں
پانی ڈالو، اور مسواک کرو، پھر میں نے تین مرتبہ
اپنا منہ دھویا، تو آپ نے فرمایا کہ دو ہی مرتبہ
دھونا کافی تھا، پھر میں نے اپنی کہنیاں دھوئیں
اور دو مرتبہ سر کا مسح کیا، آپ نے فرمایا کہ ایک
ہی مرتبہ مسح کرنا کافی تھا، پھر میں نے اپنے پیر
دھوئے تو آپ نے فرمایا کہ انگلیوں کا خلال کرو
تاکہ آگ میں نہ ڈالی جائیں، پس یہ حدیث سنیوں

وردمورد التقية لان المعلوم الذين لا يتخالج فيه الشك من مذاهب ائمتنا عليهم السلام القول بالمسح على الرجلين وذلك اشهر من ان يدخل فيه شك او ارتياب۔

کے موافق ہے، اور بطور تقیہ کے ہے کیونکہ ہم کو جو اپنے ائمہ کا مذہب یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہی ہے کہ وہ مسح رجلین کے قائل تھے، یہ بات بہت مشہور ہے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

ف:۔ اس حدیث میں معلوم نہیں تقیہ کس نے کیا، آیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیہ کیا، اور ایک غلط مسئلہ حضرت علی کو تعلیم کیا یا حضرت علی نے تقیہ کر کے (معاذ اللہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹی حدیث بیان کر دی یا بعد والے کسی راوی نے تقیہ کر کے حضرت علی پر افترا کر لیا۔

دوسری بات شیخ صاحب کے کلام سے یہ معلوم ہوئی کہ جو بات یقینی طور سے ثابت ہو جائے اس کے خلاف کوئی روایت مقبول نہیں ہوتی۔ یہ بات اگرچہ فی نفسہ عمدہ اور قابل قبول ہے مگر افسوس کہ حضرات شیعہ اپنی کسی بات کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات ائمہ کی ہم کو قطعی طور سے معلوم ہے کیونکہ ان کے علم کا ذریعہ یہی روایتیں ہیں، ان کے سوا کچھ نہیں ہے، اور روایتیں سب برابر کوئی بھی ان میں سے قطعی نہیں ہے جیسا کہ اصولین کا اس پر اتفاق ہے، ہاں اہلسنت ایسا کہہ سکتے ہیں، کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال و اقوال کے معلوم کرنے کا ذریعہ علاوہ کتابی روایتوں کے ایک دوسرا اور بھی ہے وہ کیا ہے، عمل ائمہ اور مجتہدین کا، یہاں تقیہ تو ہے نہیں کہ ڈر کے مارے کھل کر اعمال مذہبی ادا نہ کر سکتے ہوں بخلاف اپنے علم و اعتقاد کے عمل کریں خیر اس بحث کو ہم آئندہ بھی لکھیں گے۔

(۱۰) اسی کتاب میں وجوب موالات کے متعلق یہ حدیث ہے۔

ما رواه محمد بن احمد بن يحيى عن احمد بن محمد عن ابيه عن عبد الله بن المغيرة عن حريز في الوضوء يجف قال قلت فان جف الاول قبل ان اغسل الذي يليه

جو حدیث محمد بن احمد بن یحیی نے احمد بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عبداللہ بن مغیرہ سے انہوں نے حریز سے وضو کے متعلق روایت کی ہے کہ اگر کچھ اعضا خشک ہو جائیں قبل اس کے کہ باقی اعضاء دھوئے

قال جف او لم يجف اغسل ما بقي قلت وكذلك غسل الجنابة قال هو بتلك المنزلة وابداء بالراس ثم افض على سائر جسدك قلت وان كان بعض يوم قال نعم فالوجه في هذا الخبر انه اذا لم يقطع المتوضي وضوئه وانما تجففه الريح الشديدة او الحر العظيم فعند ذلك لا يجب عليه اعادة وانما تجب الاعادة في تفريق الوضوء مع اعتدال الوقت والهواء ويحتمل ايضاً ان يكون ورد مورد التقية لانه مذهب كثير من العامة۔

جائیں تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جو اعضا رہ باقی رہ گئے ہیں ان کو دھو لو، راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ غسل جنابت کا یہی حال ہے، امام نے فرمایا کہ ہاں اور غسل میں پہلے سر پر پانی ڈالو پھر باقی جسم پر، میں نے پوچھا کہ اگرچہ اعضاء کے دھونے میں بقدر بعض حصہ دن کے فصل واقع ہو جاوے تب بھی خشک شدہ اعضاء کے دھونے کی ضرورت نہیں، امام نے فرمایا ہاں پس مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ متوضی اپنا وضوء قطع نہ کرے۔ بلکہ سخت ہوا کے باعث سے یا گرمی کے سبب سے اعضا خشک ہو جائیں تو اعادہ وضو کی ضرورت نہیں، اعادہ اس وقت واجب ہے کہ باوجود اعتدال وقت و ہوا کے وضو کرنے میں تفریق کر دی (مثلاً منہ دھونے کے بعد کچھ اور کام کرنے لگے، اس کے بعد ہاتھ دھوئے اور اس درمیان میں منہ خشک ہو چکا ہو) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ موالات کا واجب نہ ہونا اکثر سنیوں کا مذہب ہے۔

ف شیخ صاحب نے دو تاویلیں اس حدیث کی کیں اول یہ کہ امام نے جو یہ حکم دیا کہ باوجود خشک ہو جانے اعضاء کے صرف باقی اعضاء کا دھو لینا کافی ہے وضو کے اعادہ کی ضرورت نہیں، یہ حکم صرف اس صورت کے لئے ہے جبکہ ہوا وغیرہ کی وجہ سے اعضاء خشک ہو جائیں نہ تفریق کی وجہ سے، دوم یہ کہ امام نے یہ حکم بطور تقیہ کے دے دیا ہو۔ تاویل اول کی حقیقت یہ ہے کہ خود اسی حدیث میں موجود ہے کہ راوی نے کہا وان کان بعض یوم جس سے صاف ظاہر ہے کہ تفریق کی وجہ سے جو خشکی اعضاء میں آ جائے وہ بھی قابل لحاظ نہیں۔ باوجود اس صاف و صریح لفظ کے پھر یہ تاویل کرنا حضرات شیعہ کے سوا کس سے ہو سکتا ہے

اگر کہا جائے کہ وان کان بعض یوم کا تعلق صرف غسل جنابت سے ہے تو اوّلاً غسل جنابت اور وضو میں مابہ الفرق کیا ہے، ثانیاً غسل جنابت کا ذکر تو بطور جملہ معترضہ کے ہے اصل استفسار سائل کا وضو کے متعلق ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ یہ جملہ وضو و غسل جنابت دونوں سے متعلق ہو۔

تاویل دوم کی حالت یہ ہے کہ خود اہل سنت اس بارہ میں مختلف ہیں۔ امام مالک جو خاص مدنی ہیں یعنی امام جعفر صادق کے ہم وطن ہیں وجوب موالات کے قائل ہیں پس تعجب ہے کہ امام مالک کو وجوب موالات کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے کچھ خوف نہ ہوا اور امام جعفر صادق اس مسئلہ کے بیان کرنے سے ڈر گئے، معلوم نہیں اس میں کیا خوف تھا۔

(۱۱) نیز اسی کتاب میں نواقض وضو کی بحث میں ہے:۔

وما رواه محمد بن علي بن محبوب عن محمد ابن عبد الجبار عن الحسن بن علي بن فضال عن صفوان عن منصور عن ابي عبيدة الحذاء عن ابي عبد الله عليه السلام قال الرعاف والقيء والتخليل يسيل الدم اذا استكرهت شيئا ينقض الوضوء وان لم تستكرهه لم ينقض الوضوء فهذان الخبران يحتملان وجهين احدهما ان يكونا وردا مورد التقية لان ذلك مذهب بعض العامة۔

اور جو حدیث محمد بن علی بن محبوب نے محمد بن عبد الجبار سے انہوں نے حسن بن علی بن فضال سے انہوں نے صفوان سے انہوں نے منصور سے انہوں نے ابو عبیدہ حذا سے انہوں نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ امام نے فرمایا کہ نکسیر اور قے سے اور خلال کرنے سے اگر خون نکل آئے تو اگر تمہیں کراہیت پیدا ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔ پس یہ دونوں حدیثیں دو مطلب کا احتمال رکھتی ہیں۔ اول یہ کہ بطور تقیہ کے ہوں کہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے۔

ف:۔ اس حدیث میں تقیہ کا عجیب لطیفہ ہے، اگر امام کا اصلی مذہب یہ تھا کہ قے سے اور خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو اس کے بیان کرنے میں امام کو کیا خوف تھا خود اہل سنت میں بھی بعض ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک بھی اسی طرف ہیں۔ اور یہ تو اہلسنت میں کسی کا بھی مذہب نہیں کہ کراہیت پیدا ہو تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

(۱۲) نیز اسی کتاب کی بحث مذکور میں ہے:۔

ما رواه الحسين بن سعيد عن اخيه الحسن عن زرعة عن سماعة قال سألته عما ينقض الوضوء قال الحدث تسمع صوته او تجد ريحه والقرقرة في البطن الا شئ تصبر عليه والضحك في الصلوٰة والقئ فالوجه في هذا الخبر ان نحمله على ضرب من الاستحباب او على الضحك الذي لا يملك معه نفسه ولا يأمن ان يكون قد احدث ويحتمل ان يكون الخبر ان وردا مورد التقية لانهما موافقان لمذاهب بعض العامة۔

جو حدیث حسین بن سعید نے اپنے بھائی حسن سے انہوں نے زرعہ سے انہوں نے سماعہ سے روایت کی کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے نواقض وضو پوچھے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ حدث جس کی آواز سنی جائے یا بو محسوس ہو اور جو قراقر شکم میں ہوا سوا اس کے کہ تم اس کو روک لو اور نماز میں ہنسنا اور قے، پس مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ ہم ان کو استحباب پر محمول کریں۔ یا ہنسی سے وہ ہنسی مراد لیں جس میں آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے اور اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ حدث ہو گیا ہو بعد یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں حدیثیں بطور تقیہ کے ہوں، کیونکہ بعض سنیوں کا مذہب ہے۔

ف، پہلی تاویل بھی عجیب و غریب ہے، امام تو نواقض وضو میں ہنسی کو شمار کرتے ہیں۔ اور شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز میں ہنسنے کے بعد وضو مستحب ہے، اگر الفاظ حدیث اس طرح ہوتے کہ نماز میں ہنسنے سے وضو کرنا چاہیے یا وضو کر لیا کرو تو البتہ اس تاویل کی گنجائش تھی۔ آخری تاویل تقیہ والی جس سے ہماری بحث متعلق ہے ویسے ہی لطیف ہے جیسے سابق میں اور تاویلیں گذر چکیں کیونکہ نماز میں ہنسنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا اہل سنت کا مذہب ہے، امام مالک امام شافعی امام احمد تینوں اسی طرف ہیں صرف حنفیہ کے نزدیک نماز میں ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں امام کو کیا خوف لاحق تھا، کہ انہوں نے تقیہ کر کے اپنے اصلی مذہب کے خلاف نماز میں ہنسنے کو ناقض وضو کہہ دیا۔

(۱۳) نیز اسی کتاب کے بحث غسل میں ہے۔

عن عمر بن يزيد قال اغتسلت يوم

عمر بن یزید سے روایت ہے۔ کہتے تھے کہ

الجمعة بالمدينة ولبست ثيابي وتطيبت فمرت لي وصيفة ففخذت لها فامذيت انا وامنت هي فدخلني من ذلك ضيق فسألت ابا عبد الله عليه السلام عن ذلك فقال ليس عليك وضوء ولا عليها غسل۔

میں نے جمعہ کے دن مدینہ میں غسل کیا، اور کپڑے پہنے خوشبو لگائی اس کے بعد ایک لونڈی میرے پاس آئی میں نے اس کی ران میں عضو مخصوص کو رکھا، تو میری مذی خارج ہو گئی اور عورت کو انزال ہو گیا اس سبب سے میرے دل میں تردد ہوا اور میں نے امام جعفر صادق سے اس کو جا کر پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ تیرے اوپر وضو واجب ہے نہ اس عورت پر غسل واجب ہے۔

ف، اس حدیث میں تو عجیب ہی مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے جس کے نہ سنی قائل نہ شیعہ غالباً قدماء شیعہ قائل ہوں گے کیونکہ شہوت پرستی کی توسیع میں یہ حدیث پوری مدد دیتی ہے۔ مگر اب تو کوئی شیعہ بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ خروج منی سے غسل نہ واجب ہو شیخ صاحب کو اس حدیث میں بڑی دقت پیش آئی۔ اور باوجود شیخ الطائفہ ہونے کے سخت پیچ و تاب میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ کیا تاویل کریں، اگر کسی سنی کا مذہب اس کے موافق ہوتا تو فوراً تقیہ پر رکھ کر حدیث کو اڑا دیتے مگر اب کیا کریں بالآخر ایک نہایت لطیف بات آپ نے ارشاد فرمائی ہے۔

فالوجه في هذا الخبر انه يجوز ان يكون السامع قد وهم في سماعه وانه انما قال امذت فوقع له امنت فرواه على ما ظن ويحتمل ان يكون انما اجابه عليه السلام على حسب ما ظهر له في الحال منه وعلم انه اعتقد في جاريته

اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ راوی کو سننے میں وہم ہو گیا ہو، عمر بن یزید نے امذت (یعنی اس عورت کے بھی مذی خارج ہوئی) کہا ہو راوی نے امنت (یعنی اس عورت کے منی خارج ہوئی) سمجھا اور اپنی سمجھ کے موافق روایت کردی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ امام نے امر واقعی کے موافق جواب دیا ہو امام کو معلوم ہو گیا ہو کہ عمر بن یزید نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ اس عورت

انها امنت ولم يكن كذلك فاجابه عليه السلام على ما يقتضيه الحكم لا على اعتقاده۔	کے منی خارج ہوئی فی الواقع اس کی منی خارج نہ ہوئی تھی، لہٰذا امام نے سائل کے اعتقاد کے موافق جواب نہ دیا، بلکہ امر واقعی کے موافق جواب دیا۔

ف:۔ سبحان اللہ یہ لطیفہ تو تقیہ سے بھی بڑھ گیا۔ امام نے اسی طرح امر واقعی کے موافق جواب دے کر نہ معلوم کتنے بندگان خدا کو گمراہ کیا ہوگا۔ اور نہ معلوم کس قدر حدیثیں امام کی ایسی ہوں گی جن میں بوجہ اس کے کہ امام نے امر واقعی کے موافق مسئلہ بتایا ہوگا، اور راویوں کو غلطی ہوئی ہوگی، عمر بن یزید تو یہی سمجھا ہوگا کہ خروج منی سے غسل واجب نہیں ہوتا، اگر امام کو اپنی غیب دانی پر ایسا ہی بھروسہ تھا، تو بیچارے عمر بن یزید کو بھی متنبہ کر دیتے کہ تو غلط سمجھا ہے۔ اس عورت کے منی نہیں خارج ہوئی اس کے بعد یہ مسئلہ بتاتے، وہ بیچارہ گمراہ تو نہ ہوتا۔

گو ہم کو یہاں تقیہ کی احادیث کا نقل کرنا مقصود ہے مگر چونکہ اس حدیث میں تقیہ کا مفاد پورا پورا بلکہ اس سے بھی زیادہ موجود ہے لہٰذا ہم نے اس کو نقل کر دیا۔

(۱۴) نیز اسی کتاب کے اسی باب میں ہے:۔

ما رواه الحسين بن سعيد عن ابن ابى عمير عن حفص بن سوقه عمن اخبره قال سألت ابا عبد الله عليه السلام فى الرجل ياتى اهله من خلفها قال هو احد المأتيين فيه الغسل فلا ينافى الاخبار الاولة لان هذا الخبر مرسل مقطوع مع انه خبر واحد وما هذا حكمه لا يعرض	جو حدیث حسین بن سعید ابن ابی عمیر سے انہوں نے حفص بن سوقہ سے انہوں نے اور کسی شخص سے روایت کی ہے کہ وہ کہتا تھا میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ پیچھے سے صحبت کرے امام نے فرمایا کہ جماع کے دو مقاموں میں سے ایک مقام وہ بھی ہے، اور اس صورت میں بھی غسل ضروری ہے پس یہ حدیث مرسل اور مقطوع ہے اور ساتھ ہی اس کے خبر واحد بھی ہے۔ پس وہ ان احادیث کی کیونکر معارض ہو سکتی ہے۔

به الاخبار المسندة على انه يمكن ان يكون ورد مورد التقية لانه موافق المذاهب العامة ۔

جو مع السند مروی ہوں، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث بطور تقیہ کے ہو کیونکہ یہ مسئلہ سنیوں کے مذہب کے موافق ہے۔

ف:۔ یہاں بھی تقیہ میں اس قدر لطف ضرور ہے کہ فروع میں برابر ائمہ اہل سنت اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تقیہ کیسا۔ اس حدیث کے متعلق ضمناً ایک بات اور بھی خیال کرنے کی ہے۔ پیچھے سے کرنا جس کو لواطت کہتے ہیں ایسی قبیح حرکت ہے کہ شرع مقدس سے قطع نظر کے عقل اور لطافت طبع انسانی بھی اس کو نہایت مکروہ جانتی ہے حتّٰی کہ نصاریٰ کے قوانین سلطنت میں بھی اس کو جرم قرار دیا گیا ہے، اور اس کو خلاف وضع فطرت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اہل سنّت بالاتفاق قائل ہیں کہ یہ فعل شنیع قطعاً حرام ہے احادیث میں اس پر وعید وارد ہوئی ہے۔ مگر حضرات شیعہ کے یہاں جہاں شہوت پرستی کے اور ذرائع ایجاد کئے گئے ہیں، وہاں ایک طریقہ یہ بھی اس کا نکالا گیا ہے۔ کہ مرد کے ساتھ نہ سہی تو کم از کم عورت کے ساتھ اس ناپاک فعل کا جواز انہوں نے ائمہ سے روایت کر لیا (حاشا جنابهم عن ذالک) اور شوق سے بے کھٹکے اس پر عمل کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی یہ آسانی بھی پیدا کی گئی ہے۔ کہ اس فعل سے غسل بھی واجب نہیں ہوتا۔ ہاں اگر انزال کی وجہ سے غسل کرنا پڑے گا۔ نہ کہ اس فعل کے باعث۔ اب ایک حدیث جو اس کے خلاف وارد ہوئی ہے، اور اس میں اس فعل کو موجب غسل قرار دیا گیا، تو شیعہ محدثین کو کیسے چین آتا۔ لہٰذا شیخ صاحب نے فوراً تقیہ کے پہلو پر رکھ کر حدیث کو اڑا دیا۔

(۱۵) نیز اسی کتاب کے ابواب نجاست میں ہے:۔

ما رواه احمد بن يحيى عن محمد ابن عيسى عن فارس قال كتب اليه رجل يسأله عن ذرق الدجاج يجوز الصلوة فيه فكتب لا فالوجه فى هذه الرواية انه لا يجوز الصلوة

جو حدیث احمد بن یحییٰ نے محمد بن عیسیٰ سے انہوں نے فارس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امام باقر علیہ السلام کو لکھا کہ مرغی کی بیٹ میں نماز جائز ہے امام نے جواب لکھا کہ نہیں۔ پس تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ نماز اس وقت جائز نہیں جبکہ مرغی کھلی ہوئی پھرتی ہو اور یہ بھی

فیما اذا کان الدجاج جلالا ویجوز ایضا ان یکون محمولا علی ضرب من الاستحباب او محمولا علی التقیۃ لان ذلک مذهب کثیر من العامۃ

ممکن ہے کہ ایک قسم کا استحباب مراد لیا جائے یا یہ حدیث تقیہ پر محمول کی جائے، کیونکہ یہ بہت سے سنیوں کا مذہب ہے۔

ف: حضرات شیعہ کے یہاں مرغی کی بیٹ کپڑے میں بدن میں لگی ہو کچھ حرج نہیں دھونے کی حاجت نہیں ہے، یہ حدیث اس کے خلاف تھی لہٰذا تقیہ پر رکھ کر اڑا دی گئی۔

(۱۶) نیز اسی کتاب کے ابواب مذکورہ میں ہے:۔

ما رواہ الحسین بن سعید عن عثمان بن عیسیٰ عن سماعۃ قال سألتہ عن بول السنور والکلب والحمار والفرس فقال کابوال الانسان فالوجہ فی ھذا الخبران نحمل قولہ کابوال الانسان علیٰ انہ راجع الی بول السنور والکلب لانھما مما لا یوکل لحمھما ویجوز ان یکون الوجہ فی ھذہ الاحادیث ایضاً ضرباً من التقیۃ لانھا موافقۃ لمذاھب بعض العامۃ۔

جو حدیث حسین بن سعید نے عثمان بن عیسیٰ سے انہوں نے سماعہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے امام جعفر یا باقر سے بلی کتے اور گدھے اور گھوڑے کے پیشاب کا مسئلہ پوچھا، امام نے فرمایا انسان کے پیشاب کے مثل ہیں۔ پس تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ صرف بلی اور کتے کا پیشاب مراد لیا جائے کیونکہ یہی دونوں ایسے ہیں کہ ان کا گوشت نہیں کھایا جاتا، اور ممکن ہے کہ ان احادیث میں بھی کچھ تقیہ ہو کیونکہ یہ حدیثیں بعض سنیوں کے مذہب کے موافق ہیں۔

ف: سبحان اللہ کیسی نفیس تاویلات ہیں، حدیث میں تو چار چیزوں کا ذکر ہے بلی، کتے، گدھا، اور گھوڑا۔ چاروں کے پیشاب کو انسان کے پیشاب کے مانند نجس کہا گیا مگر شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم صرف دو ہی چیزیں مراد لیں گے، مراد لینے کی ایک ہی رہی، زمین سے آسمان مراد لے لیجئے آپ کو اختیار ہے۔ بقول[1] ایک نافہم نکتہ چین کے شیعوں کو اختیار ہے، اپنے امام کے کلام

[1] ایڈیٹر الشمس کی ناصبیت کے نمونے جہاں بہت کچھ دکھائے جا چکے ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے شیعوں کی کتابوں سے جو احادیث تحریف قرآن کی نقل کی گئیں تھیں، ان کے جواب میں شیعہ اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں جس لفظ سے جو چاہیں مراد لے لیں۔

(۱۷) نیز اسی کتاب کے اسی باب میں ہے:۔

ما رواه احمد بن محمد بن يحيىٰ عن غياث عن جعفر عن ابيه عليهم السلام قال لا باس بدم البراغيث والبق والبول الخشاشيف فالوجه في هذه الرواية ان نحملها على ضرب من التقية لانها مخالفة لاصول المذاهب۔	جو حدیث احمد بن محمد بن یحییٰ نے غیاث سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا پسو اور مچھر اور چمگادڑ کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں پس تاویل اس کی یہ ہے کہ ہم اس روایت کو تقیہ پر محمول کریں کیونکہ یہ روایت تمام مذاہب کے اصول کے خلاف ہے۔

ف:۔ سبحان اللہ یہ نیا تقیہ ہے۔ ابھی تک تو یہ معلوم تھا کہ مذہب مخالف سے ڈر کر اس کے موافق بات کہہ دینے میں تقیہ ہوتا تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمام مذاہب کے خلاف ایک بات کہہ دی جائے معلوم نہیں اس تقیہ میں کیا مصلحت ہے، اور یہ تقیہ کس کے خوف سے تھا۔

(۱۸) نیز اسی کتاب کی بحث صلوٰۃ میں ہے:۔

ما رواه احمد بن محمد بن عيسىٰ عن علي بن الحكم عن علي بن ابي حمزة عن ابي بصير قال قلت لابي عبد الله متى اصلي ركعتي الفجر قال لي بعد طلوع الفجر قلت له ان ابا جعفر عليه السلام امرني ان اصليهما قبل طلوع الفجر	جو حدیث احمد بن محمد بن عیسیٰ بن حکم سے انہوں نے علی بن حمزہ سے انہوں نے ابو بصیر سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ سنت فجر کس وقت پڑھوں، امام نے مجھ سے فرمایا کہ بعد طلوع فجر کے میں نے ان سے کہا کہ امام باقر علیہ السلام نے تو مجھ سے حکم دیا تھا کہ قبل طلوع

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) جس میں یہ مضمون ہے کہ قرآن کے خلاف کوئی حدیث نہ ماننی چاہیے۔ جواب اس کے میں نے لکھا تھا کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہ شان ائمہ نے قرآن موجود کی بیان کی ہے۔ ایڈیٹر النجم لکھتے ہیں کہ وہ ہمارے امام ہیں ہم کو بتا دیا ہے کہ یہ مراد ہے۔

فقال يا ابا محمد ان الشيعة اتوا ابي مسترشدين فافتاهم بمر الحق واتوني شكاكا فافتيتهم بالتقية۔

فجر کے پڑھا کر دتو امام صادق نے فرمایا کہ اے ابو محمد میرے والد کے پاس شیعہ ہدایت حاصل کرنے کیلئے آئے تھے، للہٰذا میرے والد نے انہیں صحیح صحیح مسئلہ بتا دیا، اور میرے پاس شک کرتے ہوئے آئے تو میں نے ان کو تقیہ سے فتویٰ دیا۔

ف:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ائمہ اپنے شیعہ مخلصین سے بھی تقیہ کیا کرتے تھے اب فرمایئے شیعوں کے فن حدیث کی کیا حالت ہوگئی، شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کرام سنیوں سے تقیہ کیا کرتے تھے، مگر اب خود انہیں کے اصول اربعہ کی یہ حدیث بتا رہی ہے کہ خود شیعوں سے بھی تقیہ ہوتا تھا اور شیعہ بھی کون شیخ ابو بصیر جس کی روایت پر تقریباً ایک ربع فن حدیث کا دار و مدار ہے جب ایسے رکن رکین سے بھی ائمہ نے تقیہ کیا تو اوروں کی حالت کیا سمجھی جائے، یہ بھی عجیب لطیفہ ہے کہ امام صادق رض فرماتے ہیں کہ میرے پاس شیعہ شک کرتے ہوئے آئے، اس وجہ سے میں نے ان کو صحیح مسئلہ نہ بتایا تقیہ کر لیا، اے صاحب جو کوئی شک کرتا ہوا آئے اس کو تو اور بھی صاف صاف صحیح مسئلہ بتانا چاہیئے تاکہ اس کا شک دفع ہو جائے، شیخ جی ابو بصیر کی عجیب حالت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے، جب ان کو یہ مسئلہ امام باقر رض سے معلوم ہو چکا تھا، تو ان کو کیا ضرورت تھی کہ پھر امام صادق سے اسی مسئلہ کو انہوں نے پوچھا شاید امام کا امتحان لینا مقصود ہو، انہیں بے ادب شیعوں نے ائمہ کرام پر افترا کیئے اور تودۂ طومار حدیثیں گڑھ کر ان کی طرف منسوب کر دیں۔

(۱۹) نیز اسی کتاب کی بحث اذان میں ہے:۔

الحسين بن سعيد عن فضالة عن العلاء عن محمد بن مسلم عن ابي جعفر عليه السلام قال كان ابي ينادي في بيته بالصلوٰة خير من النوم ولو رددت

حسین بن سعید نے فضالہ سے انہوں نے علاء سے انہوں نے محمد بن مسلم سے انہوں نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میرے والد امام زین العابدین اپنے گھر میں اذان صبح کے اندر الصلوٰۃ خیر من النوم

ذلك لم يكن به باس وما	کہتے تھے، اور اگر میں اس کو نہ کہوں تب بھی کچھ
اشبہ ھذین الخبرین	حرج نہیں، اس قسم کی جس قدر حدیثیں ہیں
مما یتضمن ذکر ھذہ الالفاظ	جن میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا ذکر ہے سب
فانھا محمولۃ علی التقیۃ۔	تقیہ پر محمول ہیں۔

ف:۔ کیوں صاحب گھر کے اندر تقیہ کیسا امام کو کس نے مجبور کیا تھا کہ اپنے گھر میں اذان دیجئے اور ان الفاظ کو کہے پھر معلوم نہیں یہ تقیہ کس کا ہے۔ امام باقر کا کہ انہوں نے اپنے والد پر غلط افترا کیا یا امام زین العابدین کا انہوں نے ایک خلاف حق عمل کا ارتکاب فرمایا۔

(۲۰) نیز اسی کتاب کی بحث مذکور میں ہے:۔

ما رواہ محمد بن علی بن محبوب	جو حدیث محمد بن علی بن محبوب نے علی بن
عن علی بن السندی عن حماد	سندی سے انہوں نے حماد سے انہوں نے
عن حریز عن محمد بن	حریز سے انہوں نے محمد بن مسلم سے روایت
مسلم قال سألت ابا عبد الله	کی ہے انہوں نے کہا میں نے امام جعفر صادق
علیہ السلام عن الرجل یکون	علیہ السلام سے پوچھا کہ کوئی شخص امام ہو وہ
اماما یستفتح بالحمد ولا یقول	الحمد سے نماز شروع کرے، اور بسم اللہ الرحمٰن
بسم الله الرحمٰن الرحیم	الرحیم نہ کہے تو کیسا ہے، امام نے فرمایا کچھ
قال لا یضرہ ولا باس بذلك	مضر نہیں۔ اس میں کچھ حرج نہیں البتہ تاویل
فالوجہ فیہ ان نحملہ علی حال التقیۃ۔	اس کی یہ ہے کہ ہم اس کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔

ف:۔ حضرات شیعہ کے یہاں نماز میں بسم اللہ بآواز بلند کہنا چاہیئے۔ اس حدیث میں جو اس کے خلاف مروی ہوا، تو تقیہ کہہ کر اڑا دیا گیا مگر حیرت ہے کہ یہ تقیہ کیسا خود اہل سنت میں بعض ائمہ بسم اللہ بآواز بلند کہنے کے قائل ہیں پھر کیا خوف تھا جس کی وجہ سے تقیہ کیا گیا۔

(۲۱) اسی کتاب کے اسی باب میں ہے:۔

ما رواہ احمد بن محمد عن	جو حدیث احمد بن محمد نے احمد بن اسحاق سے
احمد بن اسحاق عن یاسر	انہوں نے یاسر خادم سے روایت کی ہے کہ

الخادم قال مر بی ابو الحسن علیہ السلام وانا اصلی علی الطبری وقد القیت علیہ شیئا اسجد علیہ فقال لی مالك لا تسجد علیہ الیس ھو من نبات الارض فالوجہ فی ھذا الخبر ان نحملہ علی حال التقیۃ ۔	وہ کہتے تھے کہ امام ابوالحسن علیہ السلام کا گذر میری طرف سے ہوا میں طبری (ایک قسم کی چٹائی) پر نماز پڑھ رہا تھا۔ اور اس پر میں نے کوئی چیز سجدہ کرنے کے لئے رکھ لی تھی تو امام نے فرمایا کہ تم طبری پر سجدہ کیوں نہیں کرتے کیا وہ زمین کی نبات نہیں ہے۔ پس تاویل اس حدیث کی یہ ہے کہ ہم اس کو تقیہ کی حالت پر محمول کرتے ہیں ۔

ف :۔ اس مقام پر دو حدیثیں اور سن لیجئے جن سے آپ کو ائمہ شیعہ کی عجیب و غریب حالت ظاہر ہوگی، پہلی حدیث اسی کتاب استبصار کے بیان جمعہ میں اس طرح ہے ۔

الحسین بن سعید عن صفوان عن عبد اللہ بن بکیر عن ابی بصیر قال دخلت علی ابی عبد اللہ فی یوم الجمعۃ وقد صلیت الجمعۃ والعصر فوجدتہ قد باھا یعنی من الباہ ای جامع فخرج الی فی ملحفۃ ثم دعی جاریتہ فامرھا ان تضع ماء تصبہ فقلت اصلحك اللہ ما اغتسلت فقال ما اغتسلت ولا صلیت بعد فقلت لہ قد صلیت الظھر والعصر جمیعا قال لا باس ۔	حسین بن سعید نے صفوان سے انہوں نے عبداللہ بن بکیر سے انہوں نے ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں امام جعفر صادق کے پاس جمعہ کے دن نماز جمعہ اور نماز عصر پڑھنے کے بعد گیا تو میں نے ان کو اس حالت میں پایا کہ وہ جماع کر چکے تھے اور ایک چادر اوڑھے ہوئے باہر نکل آئے بعد اس کے اپنی لونڈی سے کہا کہ نہانے کے لئے پانی رکھ دے میں نے کہا اللہ آپ کی حالت درست کرے کیا آپ نے ابھی تک غسل نہیں کیا، امام نے فرمایا کہ میں نے نہ تو ابھی تک غسل کیا نہ نماز پڑھی ۔ میں نے کہا کہ میں تو ظہر عصر دونوں کی نماز پڑھ آیا ۔ امام نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں ۔

عجیب لطیفہ کی بات ہے جمعہ کی نماز غائب ہوگئی اور امام صاحب فرماتے ہیں کچھ مضائقہ نہیں شیخ صاحب نے اس حدیث میں تاویل کی ہے کہ شاید امام کو کوئی ضرورت رہی ہوگی، مگر کیا وہ ضرورت صرف نماز کو مانع تھی خلوت خاص کو مانع نہ تھی، کیا یہی امام مفترض الطاعۃ تھے جن کو فریضہ نماز کے فوت ہوجانے کا بھی کچھ خیال نہ تھا، لو فرضاً کسی شدید ضرورت سے نماز قضا بھی ہوگئی تھی، تو اس پر بجائے افسوس کے فرماتے ہیں کہ کچھ مضائقہ نہیں، سبحان اللہ۔

دوسری حدیث اسی کتاب کے بغیر وضو نماز پڑھانے کے بیان میں ہے۔

علی بن الحکم عن ابن عبد الرحمٰن العرزمی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال صلی علی علیہ السلام بالناس علی غیر طہر وکانت الظہر فخرج منادیہ ان امیر المومنین علیہ السلام صلی علی غیر طہر فاعیدوا ولیبلغ الشاھد الغائب ۔

علی بن حکم نے ابن عبد الرحمٰن عرزمی سے انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ علی علیہ السلام نے ایک مرتبہ بے وضو نماز پڑھا دی، اور وہ ظہر کا وقت تھا، پس ان کا منادی یہ اعلان کرتا ہوا نکلا کہ امیر المومنین نے اس وقت بغیر وضو نماز پڑھا دی، پس تم لوگوں کو چاہیئے کہ نماز کا اعادہ کر لو، اور حاضر کو چاہیئے کہ غائب کو یہ خبر پہنچا دے۔

اب ذرا ملاحظہ کیجئے کہ کہاں وہ عصمت کا افسانہ کہ ائمہ مثل انبیاء کے معصوم ہوتے ہیں خطا اور سہو و نسیان سے پاک ہوتے ہیں اور کہاں یہ بے وضو نماز پڑھانا اور پھر طرہ یہ کہ مسئلہ بھی شیعہ مذہب کے خلاف شیعہ مذہب میں ایسی صورت میں مقتدیوں پر اعادۂ نماز ضروری نہیں، افسوس ہے کہ شیخ صاحب نے اس مقام پر تقیہ کی تاویل نہیں کی، حالانکہ خوب موقعہ تھا بلکہ اس مقام پر آپ نے ایک دوسری تاویل فرمائی ہے، کہ یہ حدیث چونکہ عصمت کے منافی ہے لہٰذا قابل قبول نہیں۔ اب ذرا حضرات شیعہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اہل سنت کے سامنے ان احادیث سے استدلال نہ کریں، جن سے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی صحت خلافت یا فضیلت میں قدح کریں ۔

(۲۲۲) نیز اسی کتاب کے ابواب الجمعہ میں ہے۔

عنه عن العلاء عن محمد ابن مسلم قال سألته عن صلوة الجمعة فی السفر فقال تصنعون كما يصنعون فی الظهر ولا يجهر الامام فيها بالقراءة انما يجهر اذا كانت خطبة فالوجه فی هذين الخبرين ان نحملهما علی حال التقية والخوف

حسین بن سعید نے علاء سے انہوں نے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام جعفر صادق سے سفر میں نماز جمعہ پڑھنے کی بابت پوچھا امام نے فرمایا جیسا ظہر میں کرتے ہیں ویسا ہی کریں، امام بلند آواز سے قرارت نہ کرے صرف خطبہ بلند آواز سے پڑھ دے پس ان دونوں حدیثوں کو ہم حالت تقیہ اور خوف پر محمول کرتے ہیں۔

ف: یہاں تقیہ کا عجیب ہی رنگ ہے معلوم نہیں امام نے کس کے خوف سے اس مسئلہ میں تقیہ کیا، کون سنی ان کا قائل ہے کہ سفر میں نماز جمعہ آہستہ آواز سے پڑھنا چاہئے۔

(۲۳) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے۔

ما رواه احمد بن محمد عن محمد بن يحيى عن طلحة بن زيد عن جعفر عن ابيه عن علی عليه السلام قال لا جمعة الا فی مصر يقام فيه الحدود فالوجه فی هذا الخبر التقية لانه موافق لمذاهب اكثر العامة۔

جو حدیث احمد بن محمد نے محمد بن یحیی سے انہوں نے طلحہ بن زید سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز جمعہ صرف اسی شہر میں جائز ہے جس میں حدود قائم کئے جاتے ہوں پس تاویل اس حدیث کی تقیہ ہے، کیونکہ یہ بہت سے سنیوں کا مذہب ہے۔

ف: اے جناب شیخ صاحب اگر یہ مذہب سنیوں کا ہے کہ مصر کے سوا اور کسی مقام پر نماز جمعہ جائز نہیں تو یہ بھی سنیوں کا مذہب ہے کہ مصر و قریہ ہر جگہ نماز جمعہ جائز ہے، پھر امام کو کیا خوف تھا کہ انہوں نے اپنا اصلی مذہب چھپا کر غلط مسئلہ بتا دیا کہ سوا مصر کے نماز جمعہ کہیں جائز نہیں بندگان خدا کی نماز جمعہ فوت کرانے کا کس قدر وبال ہوا ہوگا اور یہ وبال

کس پر پڑا۔

(۲۴) نیز اسی کتاب کے ابواب العیدین میں ہے:۔

ما رواه الحسين بن سعيد عن ابن ابى عمير عن ابن اذينه عن زرارة عن عبد الملك بن اعين سال ابا جعفر عليه السلام عن الصلوٰة فى العيدين فقال الصلوٰة فيهما سواء يكبر الامام تكبير الصلوٰة تاما كما يصنع فى الفريضة ثم يزيد فى الركعة الاولى ثلث تكبيرات و فى الاخرى ثلثا سوى تكبيرات الصلوٰة والركوع والسجود وان شاء ثلثا وخمسا وان شاء خمسا و سبعا بعد ان يلحق ذلك الى الوتر فالوجه فى هاتين الروايتين تقية لانهما موافقتان لمذاهب كثير من العامة۔	جو حدیث حسین بن سعید نے ابن ابی عمیر سے انہوں نے ابن اذینہ سے انہوں نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ عبد الملک ابن اعین نے امام باقر علیہ السلام سے نماز عیدین کی ترکیب پوچھی امام نے فرمایا دونوں کی نماز یکساں ہے، امام تکبیریں پوری کہے، جیسی فرض نمازوں میں کہتا ہے، پھر پہلی رکعت میں تین تکبیریں اور دوسری میں تین تکبیریں کہے، علاوہ تکبیر نماز و رکوع و سجود کے اور اگر چاہے تین اور پانچ کہے اور اگر چاہے پانچ اور سات کہے مگر طاق رہیں بس یہ دونوں روایتیں تقیہ پر محمول ہیں کیونکہ اکثر سنیوں کے مذہب کے موافق ہے۔

ف:۔ اگر امام کا مذہب یہ تھا کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ کہنا چاہیے تو اس مذہب کے ظاہر کر دینے میں کیا خوف تھا، اہل سنت کے یہاں بھی اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں پھر تقیہ کیسا اور ایک عجیب لطف یہ ہے کہ تقیہ کر کے جو امام نے ارشاد فرمایا وہ کسی کا بھی مذہب نہیں اہل سنت میں کون اس کا قائل ہے کہ جتنی تکبیریں چاہے کہہ لے صرف عدد طاق کا لحاظ رکھے۔

(۲۵) نیز اسی کتاب کے ابواب الجنائز میں ہے:۔

ما رواه محمد بن احمد بن يحيى عن جعفر بن محمد بن عبد الله القمى	جو حدیث محمد بن احمد ابن یحیٰی نے جعفر بن محمد بن عبد اللہ قمی سے انہوں نے عبد اللہ بن میمون

عن عبد الله بن ميمون القداح
عن جعفر عن ابيه ان عليا عليه
السلام كان اذا صلى على ميت يقرأ
بفاتحة الكتاب و يصلي على النبي
وآله تمام الحديث فالوجه في
هذين الخبرين التقية لانهما
موافقتان لمذاهب بعض العامة۔

قداح سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں
نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ علی علیہ
السلام جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو سورۂ
فاتحہ پڑھتے تھے اور نبی اور ان کی آل پر درود
پڑھتے تھے پس یہ دونوں حدیثیں تقیہ پر
محمول ہیں کیونکہ یہ بعض سنیوں کے مذہب
کے موافق ہیں۔

ف:۔ یہاں بھی وہی لطیفہ ہے، چنانچہ خود شیخ صاحب کو بھی اقرار ہے کہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے، اور بعض کا اس کے خلاف ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ امام صاحب بعض سنیوں سے ڈر گئے اور بعض سے نہ ڈرے۔ پھر یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ تقیہ کس کا ہے حضرت علی کا کہ وہ تقیہ میں ایسا فعل کرتے تھے یا امام باقر وغیرہ کا تقیہ ہے کہ انہوں نے ایک غلط روایت حضرت علی سے نقل کر دی۔

(۳۶) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے:۔

سعد عن ابي جعفر عن ابيه عن
عبد الله بن المغيرة عن غياث بن
ابراهيم عن ابي عبد الله عن ابيه عن
علي عليهم السلام انه كان لا يرفع
يديه في الجنازة الا مرة يعني في
تكبير فالوجه في هاتين الروايتين
ضرب من الجواز ورفع الوجوب
وان كان الافضل ما تضمنته
الروايات الاولة و يمكن ان
يكونا وردا مورد التقية
لان ذلك مذهب كثير من

سعد نے ابوجعفر سے انہوں نے اپنے والد سے
انہوں نے عبداللہ بن مغیرہ سے انہوں نے
غیاث بن ابراہیم سے انہوں نے امام جعفر
صادق سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں
نے علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ وہ
نماز جنازہ میں صرف ایک مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ
کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پس ان دونوں
حدیثوں میں یا تو ایک قسم کا جواز مراد ہے کہ ہاتھ
اٹھانا واجب نہیں اگرچہ افضل وہی ہے جو
پہلی روایتوں میں بیان ہوا اور یہ بھی ممکن ہے
کہ یہ دونوں حدیثیں بطور تقیہ کے ہوں کیونکہ

العامة۔ یہ بہت سے سنیوں کا مذہب ہے۔

ف تقیہ بھی عجیب چیز ہے اے جناب شیخ صاحب بہت سے سنیوں کا وہ بھی مذہب ہے جو امام کا اصلی مذہب تھا، اور جس کو امام نے مارے ڈر کے چھپا کر یہ غلط مسئلہ بتایا، غلط فعل کیا۔

(۲۷) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے:۔

احمد بن محمد عن الحسن بن علی ابن یقطین عن اخیہ الحسین عن ابیہ علی بن یقطین قال سألت ابا الحسین علیہ السلام لکم یصلی علی الصبی اذا بلغ من السنین والشهور قال تصلی علیہ علی کل حال الا ان یقسط لغیر تمام فالوجہ فی ھذین الخبرین ما قلناہ فی خبر عبد اللہ بن سنان من الحمل علی التقیۃ۔

احمد بن محمد نے حسن بن علی بن یقطین سے انہوں نے اپنے بھائی حسین سے انہوں نے اپنے والد علی بن یقطین سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ لڑکا کئے سال اور کئے مہینے کا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، امام نے فرمایا ہر حال میں اس پر نماز پڑھے سوا اس صورت کے کہ کم دنوں کا حمل ساقط ہو جائے، پس ان دونوں حدیثوں کی تاویل وہی ہے جو ہم عبداللہ ابن سنان کی حدیث میں بیان کر چکے ہیں کہ تقیہ پر محمول ہیں۔

(۲۸) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے:۔

احمد بن ابی عبد اللہ عن ابیہ عن ابن عمیر عن حفص بن البختری عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی المرأۃ تموت ومعہا اخوہا وزوجہا ایہما یصلی علیہا فقال اخوہا احق بالصلوٰۃ علیہا فالوجہ فی ھذین الخبرین ضرب من التقیۃ

احمد بن ابی عبداللہ نے اپنے والد سے انہوں نے ابن ابی عمیر سے انہوں نے حفص بن بختری سے انہوں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو عورت مر جائے اس کے ساتھ اس کا بھائی اور اس کا شوہر ہو تو نماز جنازہ کون پڑھے، امام نے فرمایا اس کا بھائی نماز پڑھنے کا زیادہ مستحق ہے پس ان دونوں حدیثوں

لانهما موافقتان لمذاهب العامة۔

میں تقیہ ہے، کیونکہ یہ دونوں سنیوں کے مذہب کے موافق ہیں۔

ف:۔ تقیہ بھی عجیب چیز ہے بھلا فروعی مسائل میں جو محض اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں خود اہل سنت کے یہاں مختلف اقوال ہیں تقیہ کی کیا ضرورت اور کیا حاجت ہے۔ اسی کتاب استبصار میں کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اپنے اصلی مذہب کے اظہار میں کم ازکم فروعی مسائل میں بے باک تھے، چنانچہ کتاب الزکوٰۃ کی ایک یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

علی بن الحسن عن محمد واحمد بن الحسن عن علی بن یعقوب الهاشمی عن هارون ابن مسلم عن ابی البختری قال سألت ابا عبد الله علیه السلام عن الحلی علیه زکوٰة قال انه لیس فیه زکوٰة وان بلغ مائة الف کان ابی یخالف الناس فی هذا۔

علی بن حسن نے محمد اور احمد پسران حسن سے انہوں نے علی بن یعقوب ہاشمی سے انہوں نے ہارون بن مسلم سے انہوں نے ابو البختری سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے زیور کی بابت پوچھا کہ اس پر زکوٰۃ ہے امام نے فرمایا اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ ایک لاکھ روپے کا ہو میرے والد (امام باقر) اس بارہ میں سب سے مخالفت کرتے تھے۔

دیکھئے یہ شان البتہ امام کی معلوم ہوتی ہے کہ جو مسئلہ حق تھا اس کے ظاہر کرنے میں انہیں کچھ باک نہ تھا اور کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے تھے، اور دوسری حدیث اسی باب کی یہ ہے۔

سعید بن عبد الله عن احمد بن محمد عن الحسین بن سعید عن حماد بن عیسٰی عن عمر بن اذینه عن زرارة قال کنت قاعدا عند ابی جعفر علیه السلام ولیس عنده غیر ابنه جعفر فقال

سعید بن عبداللہ نے احمد بن محمد سے انہوں نے حسین بن سعید سے انہوں نے حماد بن عیسیٰ سے انہوں نے عمر بن اذینہ سے انہوں نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے، میں امام باقر علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اور ان کے پاس سوا ان کے بیٹے جعفر صادق علیہ السلام کے کوئی نہ تھا تو امام باقر نے مجھ سے فرمایا کہ اے زرارہ

یا زرارة ان اباذر و عثمان
تنازعا علی عهد رسول الله
صلی الله علیه وآله وسلم
فقال عثمان ان کل مال من
ذهب او فضة یدار ویعمل
به ویتجر ففیه الزکوة
اذا حال علیه الحول فقال
ابوذر اما ما اتجر به او
دبر وعمل به فلیس فیه
زکوة انما الزکوة اذا کان
رکازا کنزا موضوعا فاذا
حال علیه الحول ففیه
الزکوة فاختصما فی
ذلک الی رسول الله صلی
الله علیه وآله وسلم
فقال القول ما قال ابوذر
فقال ابوعبدالله علیه السلام
لابیه ما ترید الا ان تخرج
مثل هذا فیکف الناس
ان یعطوا فقراءهم ومساکینهم
فقال له ابوه الیک عنی لا اجد
منها بدا۔

ابوذر اور عثمان کے درمیان رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں نزاع ہوئی عثمان کہتے تھے
کہ جو مال سونے چاندی کی قسم سے ہو اور دست بدست
لیا جاتا ہو اور اس سے کام کیا جاتا ہو اور تجارت کی
جاتی ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے ابوذر کہتے تھے کہ جس
مال میں تجارت کی جائے یا اس کی کوئی چیز بنائی جائے
اس میں زکوٰۃ نہیں ہے زکوٰۃ صرف اس مال میں ہے
جو مدفون ہو یعنی خزانہ بنا کر رکھا گیا ہو جب اس پہ
سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی پس دونوں
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے آپ نے
فرمایا بات وہی ہے جو ابوذر کہتے ہیں۔ اس کو
سن کر جعفر صادق نے اپنے والد سے کہا کہ اس
قصہ کے بیان کرنے سے آپ کا مقصود کیا ہے'
سوا اس کے کہ یہ بات مشہور ہو اور لوگ فقیروں
اور مسکینوں کو دینا چھوڑ دیں، امام باقر علیہ السلام
نے فرمایا خاموش رہو۔ مجھے اس کے بیان کرنے
سے کوئی مفر نہیں ہے۔ ان دونوں حدیثوں
سے خبر یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ امام نے جو بات
انکے نزدیک حق تھی ظاہر کر دی مگر اس کے ساتھ ایک
تعجب بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ زیور کی زکوٰۃ کی بابت
جو امام جعفر صادق نے بیان کیا کہ میرے والد اس
مسئلہ میں تمام لوگوں سے مخالفت کرتے تھے عجب
بات ہے کیونکہ بعض ائمہ اہلسنت بھی زیور میں عدم

وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں دوسری حدیث میں تعجب کی
یہ بات ہے کہ دو اماموں میں اختلاف پایا جاتا ہے جعفر
صادق کہتے ہیں کہ اس قصہ کے بیان کرنے سے نتیجہ یہ
نکلے گا کہ لوگ فقراء و مساکین کو دنیا چھوڑ دیں گے ، اور
یہ صحیح بات ہے ، امام باقر فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے
بیان کرنے میں معذر نہیں معذر نہ ہونے کی معلوم نہیں کیا
وجہ تھی سیکڑوں مسائل غلط بیان کر دیئے ہزاروں
فتوے غلط دیدیئے زکوٰۃ کا یہ مسئلہ معلوم نہیں کیوں اس
درجہ اہم تھا کہ اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہو گیا
شاید معذر ہونے کی یہ وجہ ہو کہ زرارہ صاحب نے خواہش کی ہو کہ
کسی طرح زکوٰۃ کو اڑا دیجئے امام نے اس کے خوف سے
زکوٰۃ کے اڑا دینے کیلئے یہ کہانی تراشی ہو جعفر صادق چونکہ
اس وقت بچہ تھے وہ اس رمز کو نہ سمجھے اور جھٹ
اعتراض کر بیٹھے ، واللہ اعلم بالصواب ۔

خیر اس قسم کے لطیفہ تو بہت ہیں دو چار حدیثیں تقیہ کی اور سن لیجئے ۔

(۲۹) اسی کتاب استبصار کے باب زکوٰۃ میں ہے :-

عنه عن حماد عن حريز عن محمد	حسین بن سعید نے حماد سے انہوں نے حریز سے
ابن مسلم قال سمعت ابا عبد الله	انہوں نے محمد بن مسلم سے روایت کی ہے کہ وہ
عليه السلام يقول الصدقة	کہتے تھے میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے سنا وہ
لمن لا يجد الحنطة والشعير	فرماتے تھے کہ جس کو گیہوں اور جو نہ مل سکیں اس کو
يجزى عنه القمح والسلت	معلوم ہے کہ صدقہ فطر میں گیہوں اور مسور اور
والعدس والذرة نصف صاع	جنا بھی کافی ہے یہ سب چیزیں نصف صاع
من ذلك كله او صاع من تمر	کافی ہیں یا ایک صاع چھوہارا یا موید دینا چاہیئے

او زبيب فالوجه في هذه الاخبار
وماجرى مجريها ان نحملها
على ضرب من التقية ووجه التقية
في ذلك ان السنة كانت جارية
في اخراج الفطرة بصاع عن كل
شئ فلما كان زمن عثمان او بعده من
ايام معاوية جعل نصف صاع من
حنطة بازاء صاع من تمر و
تابعهم الناس على ذلك فخرجت
هذه الاخبار وفاقا لهم على جهة التقية۔

پس تاویل ان احادیث کی اور جو مثل ان کے ہوں
یہ ہے کہ ہم ان کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں، اور وجہ
تقیہ کی اس بارہ میں یہ ہے صدر اول میں سنت
یہی تھی کہ ہر چیز سے ایک صاع دیا جائے
مگر جب زمانہ عثمان یا معاویہ کا ہوا تو انہوں
نے گیہوں کے نصف صاع کو چھوہارے کے
ایک صاع کے برابر کر دیا، اور لوگوں نے اس
بارہ میں ان کی موافقت کر لی، پس یہ حدیثیں
انہیں لوگوں کی موافقت میں بطور تقیہ
کے ہیں۔

ف شیخ صاحب نے یہاں بھی جو وجہ تقیہ کی بیان کی ہے وہ کچھ چلتی ہوئی نہیں ہے، اگر حضرت عثمانؓ نے نصف صاع ایجاد کیا تھا یا حضرت معاویہ نے تو حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیوں نہیں کیا، اور سب مسلمانوں کو اس پر کیوں متفق ہونے دیا، حضرت عثمانؓ کی سنت سنت شیخین نہ تھی کہ اس کی مخالفت کرنے سے حضرت علی کو خود انہیں کا لشکر قتل کر دیتا، بہر کیف تقیہ ایک عجیب چیز ہے۔

(۳۰) نیز اسی کتاب کے ابواب صیام میں ہے:۔

الحسين بن سعيد عن محمد بن ابي
عمير عن هشام بن سالم وابي ايوب
عن محمد بن مسلم عن ابي جعفر عليه
السلام في الرجل يصوم اليوم الذي
شك فيه من رمضان قال عليه
قضاءه وان كان كذلك فالوجه
في هذا الخبر احد شيئين احدهما
ان نحمله على ضرب من التقية

حسین بن سعید نے محمد بن ابی عمیر سے انہوں نے
ہشام بن سالم اور ابو ایوب سے انہوں نے
محمد بن مسلم سے انہوں نے امام باقر علیہ السلام
سے روایت کی ہے کہ جو شخص اس دن روزہ
رکھے جس کے رمضان ہونے میں شک ہے
تو اس پر اس دن کی قضا ضروری ہوگی اگرچہ
وہ دن فی الحقیقت رمضان کا ہو پس تاویل
اس حدیث کی دو ہیں، اول یہ کہ ہم اس کو

لانہ موافق لمذہب بعض العامۃ۔	تقیہ پر محمول کریں کیونکہ یہ بعض سنیوں کے موافق ہے۔

(۳۱) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے:۔

سعد بن عبد اللہ عن ابی جعفر عن سعد بن اسماعیل بن عیسٰی عن ابیہ قال سألت ابا الحسن الرضاء علیہ السلام عن رجل اصابتہ جنابتہ فی شہر رمضان فنام متعمداً حتی اصبح ای شئ علیہ قال لا یضرہ ھذا ولا یفطر ولا یبالی فان ابی علیہ السلام قال قالت عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصبح جنباً من جماع غیر احتلام لانہ یحتمل شئین احدھما ان یکون خرج مخرج التقیہ۔	سعد بن عبد اللہ نے ابو جعفر سے انہوں نے سعد بن اسماعیل بن عیسٰی سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے ابو الحسن رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کسی شخص کو ماہ رمضان میں جنابت ہو جائے اور وہ عمداً سو رہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے تو اس پر کیا ہوگا امام نے فرمایا کچھ نقصان نہیں وہ روزہ رکھے، اور کچھ پرواہ نہ کرے. میرے والد علیہ السلام فرماتے تھے کہ عائشہؓ کہتی تھیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صبح کو اس حالت میں اُٹھے کہ آپ جُنب تھے، جماع کے سبب سے نہ احتلام کی وجہ سے پس اس حدیث میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ تقیہ پر محمول ہو۔

ف:۔ اب حضرات شیعہ خود ہی انصاف کریں، کہ تقیہ کا اثر کہاں سے کہاں تک پہنچا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی افترا ہونے لگا۔ ایک مومن کے تن بدن پر یہ سُنکر لرزہ پڑ جائے گا، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ طوفان باندھا گیا۔ اس حدیث میں جس تقیہ کا ذکر ہے وہ کس کا تقیہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تقیہ ہے کہ انہوں نے تقیہ میں ایسا فعل کیا یا امام کا تقیہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ پر افترا کیا۔ اگر شیعہ صاحبان فرمائیں کہ یہ افترا رسول اللہ پر (معاذ اللہ) ام المؤمنین نے کیا تھا امام نے تو انہیں کے ذریعہ سے اس حدیث کو نقل کیا تو جواب یہ ہے کہ امام ضرور جانتے ہوں گے کہ یہ حدیث جھوٹی

ہے پھر انہوں نے کیوں جھوٹی حدیث نقل کی کیا امام پر کسی نے یہ زور ڈالا تھا کہ اس مضمون کی حدیث بھی سناؤ۔ معاذاللہ۔ معاذاللہ۔

(۳۲) نیز اسی کتاب کے ابواب الحج میں ہے۔

ما رواه احمد بن محمد بن عيسى عن الحسن بن على عن عمر بن ابان الكلبى قال انتهيت الى باب ابى عبد الله عليه السلام فخرج المفضل فاستقبلته فقال مالك قال اردت ان اصنع شيئا فلم اصنع حتى يامرنى ابو عبد الله فاردت ان يحصن الله فرجى ويغض بصرى فى احرامى فقال كما انت ودخل فسأله عن ذلك فقال هذا الكلبى على الباب وقد اراد الاحرام واراد ان يتزوج ليغض الله بذلك بصره ان امرته فعل والا انصرف عن ذلك فقال لى مره فليفعل وليستتر فالوجه فى هذا الخبر احد شيئين احدهما ان يكون امر بذلك قبل ان يدخل فى الاحرام فاما ما بعد عقد الاحرام فلا يجوز على حال والوجه الآخر ان

جو حدیث احمد بن محمد بن عیسیٰ نے حسن بن علی نے انہوں نے عمر بن ابان کلبی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں امام جعفر صادق کے دروازہ پر گیا مفضل گھر کے اندر سے نکل رہے تھے، میں ان سے ملا انہوں نے پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو میں نے کہا کہ میرا ارادہ ایک کام کرنے کا تھا، مگر میں نے نہیں کیا نہ کروں گا، جب تک کہ ابو عبداللہ (جعفر صادق) مجھے اجازت نہ دیں۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ (کہ نکاح کروں) تاکہ اللہ حالت احرام میں میری شرمگاہ کو اور میری آنکھ کو (حرام سے) محفوظ رکھے مفضل نے کہا اچھا تم یہیں ٹھہرو اور وہ اندر گئے اور انہوں نے امام سے کہا کہ یہ کلبی دروازہ پر کھڑے ہیں انہوں نے احرام کا بھی ارادہ کیا ہے اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ نکاح کریں تاکہ اللہ اس کے ذریعہ سے ان کی آنکھ کو (نظر حرام سے) محفوظ رکھے۔ اگر آپ حکم دیں تو وہ نکاح کریں ورنہ نہ کریں امام نے فرمایا کرلے، مگر پوشیدہ رکھے پس تاویل اس حدیث کی دو ہیں یا یہ کہ امام نے احرام باندھنے سے پہلے نکاح

يكون محمولا على ضرب من التقية لان ذلك مذهب بعض العامة۔

کرنے کا حکم دیا ہو کیونکہ بعد احرام باندھنے کے نکاح کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ حدیث تقیہ پر محمول ہو کیونکہ یہ بعض سنیوں کا مذہب ہے۔

ف: شیخ صاحب نے اس حدیث کی دو تاویلیں کی ہیں اور خدا کے فضل سے دونوں بے نظیر بھلا اگر احرام باندھنے سے پہلے نکاح کرنے کا حکم دیا ہوتا تو اول تو سائل کو اس میں پوچھنے کی کیا بات تھی، کیا وہ خیال کرتا تھا کہ احرام باندھنے سے پہلے بھی نکاح شاید ناجائز ہے دوسرے امام کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ نکاح کرلے مگر پوشیدہ رکھنے کی تاکید خود بتا رہی ہے کہ امام نے کوئی ایسی بات بتائی ہے جس کے اور مسلمان قائل نہیں ہیں اور احرام کے پہلے عدم جواز کا کوئی قائل نہیں۔ رہی دوسری تاویل تقیہ والی وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے خود اہل سنت میں بعض ائمہ بحالت احرام نکاح کو جائز کہتے ہیں بعض ناجائز پھر اس میں تقیہ چہ معنی قطع نظر اس سے پوشیدہ رکھنے کی تاکید یہ بھی بتا رہی ہے کہ یہ تقیہ نہیں ہے، ورنہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی، تقیہ کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ ایسی بات بتائی گئی ہے جس کے ظاہر ہونے میں کوئی خوف نہیں ہے۔

(۳۳) نیز اسی کتاب کے انہیں ابواب میں ہے:۔

ما رواه محمد بن يعقوب عن عدة من اصحابنا عن سهيل بن زياد عن احمد بن محمد عن علي بن ابي حمزة قال سالت ابا الحسن عن الرجل يطوف يقرن بين اسبوعين فقال ان شئت رويت لك عن اهل المدينة قال فقلت لا والله ما لي في ذلك من حاجة جعلت فداك

محمد بن یعقوب نے ہمارے کئی اصحاب سے انہوں نے سہیل بن زیاد سے انہوں نے احمد بن محمد سے انہوں نے علی بن ابی حمزہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام ابوالحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ کوئی شخص طواف کرے اور دو اسبوع کو ایک ساتھ ملا دے تو کیسا امام نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اہل مدینہ کا قول تم سے روایت کردوں میں نے کہا نہیں خدا کی قسم مجھے اس کی ضرورت نہیں ہیں آپ پر

ولکن اسادلی ما ادین اللہ عزو جل مبہا۔ فراموجاؤں مجھ سے وہ روایت بیان فرمایئے جس پر میں اللہ کے لئے عمل کروں۔

ف:۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ ائمہ کرام کی عادت شریف یہ بھی تھی کہ سائل کو اناپ شناپ باتیں بھی بتا دیا کرتے تھے اپنا اصلی مذہب اس کو نہ بتاتے تھے گو وہ شیعہ مخلص ہو۔ دوسری روایات میں صاف صاف مذکور ہے، کہ ائمہ ہر شخص کی آواز سن کر پہچان لیتے تھے کہ ناجی ہے یا ناری اور ہر شخص سے اسی کے موافق بات کرتے تھے۔ یعنی مومن کو ایمان سکھاتے تھے، اور کافر کو کفر۔

(۴۴) کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے ابواب الصوم میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا من کان فی بلد فیہ سلطان فالصوم معہ والفطر معہ، یعنی جو شخص ایسے شہر میں ہو جہاں کوئی بادشاہ ہو تو اس کو بادشاہ کے ساتھ روزہ رکھنا اور اسی کے ساتھ افطار کرنا چاہیئے یعنی جس دن سے بادشاہ روزہ رکھے اسی دن سے اس کو روزہ رکھنا چاہیئے، اور جس دن سے وہ موقوف کردے، اسی دن سے موقوف کر دینا چاہیئے۔ نیز ایک دوسری حدیث اسی باب کی ہے:۔

قد روی عن عیسیٰ بن ابی منصور انہ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الیوم الذی یشک فیہ فقال یاغلام اذھب فانظر ھل صام الامیرام لا فذھب ثم عاد فقال لا فدعا بالغداء فتغدینا معہ۔

عیسیٰ بن ابی منصور سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں یوم شک میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا انہوں نے ایک لڑکے سے فرمایا کہ جا دیکھ امیر نے روزہ رکھا یا نہیں وہ لڑکا گیا اور اس نے لوٹ کر کہا نہیں۔ پس امام نے کھانا منگایا، اور ہم سب نے ان کے ساتھ کھانا کھایا۔

ف:۔ دیکھئے تقیہ میں فرائض اسلام بھی چٹ کئے جاتے تھے، روزہ ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی مخفی طور پر بھی رکھ سکتا ہے کون شخص معلوم کر سکتا ہے کہ فلاں شخص نے روزہ رکھا ہے جب تقیہ میں وہ بھی چیٹ ہو گیا تو اور فرائض کو کیا کہا جائے۔

یہ ایک ہلکا سا نمونہ شیعوں کے آئمہ معصومین کے تقیہ کا تھا جس سے کچھ اندازہ تقیہ کے مواقع کا ہو سکتا

ہے، اور یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ تقیہ کے لیئے نہ ہرگز کسی قسم کے خوف کی شرط ہے نہ کسی اور ضرورت کی بلکہ ائمہ شیعہ نے ہر موقعہ پر تقیہ کیا ہے، موافقین سے بھی مخالفین سے بھی دنیاوی امور میں بھی اور دینی مسائل میں فتوی دینے میں بھی۔ عقائد کے متعلق بھی اور اعمال کے متعلق بھی، کتب شیعہ خاص کر کافی، استبصار، تہذیب کے دیکھنے سے بڑے بڑے عمدہ لطائف تقیہ کے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔

ائمہ شیعہ کی ان اختلاف بیانیوں یا تقیہ پردازیوں کے سبب سے ان کے اصحاب میں مذہبی اختلاف بکثرت پیدا ہوئے، اور اصحاب کے بعد علما اور آئمہ مجتہدین میں وہی اختلاف رونما ہوئے اور یہ اختلافات صرف اعمال میں نہیں بلکہ عقائد میں اور عقائد میں بھی جو مسئلہ مذہب شیعہ میں سب سے زیادہ مہتم بالشان ہے جس کو ان کے عقائد کا گل سرسبد کہنا چاہیئے یعنی مسئلہ امامت اس میں بھی اختلاف ہوا۔ ائمہ کے بعض اصحاب ائمہ کو معصوم کہتے تھے، اور بعض لوگ مثل اہل سنت کے ان کے معصوم ہونے کا انکار کرتے تھے، اور ان کو علمائے نیکوکار جانتے تھے۔ علامہ باقر مجلسی کتاب حق الیقین کے صفحہ ۲۹۶ پر لکھتے ہیں:۔

از احادیث ظاہر می شود کہ جمعے از راویان کہ در اعصار آئمہ علیہم السلام بودہ اند از شیعیان اعتقاد بہ عصمت ایشان نداشتہ اند بلکہ ایشان را علمائے نیکوکار میدانستہ اند چنانکہ از رجال کشی ظاہر میشود و مع ذلک آئمہ علیہم السلام حکم بایمان بلکہ عدالت ایشان می کردند

احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ راویوں کی ایک جماعت جو آئمہ علیہم السلام کی ہم عصر تھی آئمہ کے معصوم ہونے کا اعتقاد نہ رکھتی تھی، بلکہ آئمہ کو نیکوکار عالم جانتی تھی چنانچہ رجال کشی سے معلوم ہوتا ہے اور باوجود اس کے آئمہ علیہم السلام نے ان کے مومن اور بلکہ عادل ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اس اختلاف کا سبب یہی ہے کہ آئمہ نے اپنی امامت اور عصمت کا انکار بھی کیا ہے۔ اب چاہے یہ انکار واقعی ہو یا از رہِ تقیہ۔

اصحاب آئمہ کا اختلاف اعمال میں اس حد کو پہنچا کہ علمائے شیعہ کو بادل ناخواستہ اقرار کرنا پڑا کہ ان کا اختلاف اہل سنت کے آئمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام حنبلؒ

کے باہمی اختلاف سے بدرجہا زائد ہے۔ چنانچہ شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب اپنی کتاب اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ عہد شاہی ص۱۹ پر لکھتے ہیں۔

وقد ذكرت ما ورد منهم من الاحاديث المختلفة التي تختص الفقه في الكتاب المعروف بالاستبصار وفي كتاب تهذيب الاحكام ما يزيد على خمسة الاف حديث وذكرت في اكثرها اختلاف الطائفة في العمل بها وذلك اشهر من ان يخفى حتى انك لو تاملت اختلافهم في هذه الاحكام وجدته يزيد على اختلاف ابي حنيفة والشافعي ومالك ووجدتهم مع هذا الاختلاف العظيم لم يقطع احد منهم موالاة صاحبه ولم ينته الى تضليله وتفسيقه والبراءة من مخالفه۔

ائمہ سے جو مختلف حدیثیں خاص کر فقہ کے متعلق منقول ہیں وہ کتاب مشہور استبصار اور تہذیب الاحکام میں پانچ ہزار احادیث سے زائد بیان کی گئی ہیں، اور اکثر ان حدیثوں میں شیعوں کے اختلاف عمل کا بھی ذکر ہے (یعنی کسی عالم شیعہ نے کسی حدیث پر کسی نے کسی پر) یہ بات بہت مشہور ہے چھپ نہیں سکتی یہاں تک کہ اگر تم ان کے اختلاف کو ان احکام میں غور سے دیکھو تو ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک کے اختلاف سے زائد پاؤ گے، اور یہ بھی دیکھو گے کہ باوجود اس عظیم اختلاف کے ایک دوسرے سے ترک موالات نہیں کرتا، ایک دوسرے کو گمراہ اور فاسق نہیں کہتا، اور اپنے مخالف سے بیزاری نہیں ظاہر کرتا۔

اپنے مجتہد اعظم کی اس عبارت کو شیعہ غور سے دیکھیں جو بعض اوقات ناواقف سنیوں کو یہ کہہ کر بہکاتے ہیں کہ تمہارے ائمہ اربعہ میں دیکھو ایسا اختلاف ہے کیونکہ یہ جادۂ حق پر ہو سکتے ہیں۔

هذا آخر الكلام والحمد لله رب العلمين

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

ترجمہ:- تردد میں ہیں اس کے (یعنی کفر و اسلام کے) درمیان نہ اس طرف ہیں نہ اس طرف

الحمد للہ تعالیٰ

کہ مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا دوسرا رسالہ ہدایت مقالہ

موسوم بہ

الثّانی مِنَ المائتین

علیٰ

المنحرف عن الثقلین

نمبر سوم ملقب بہ

التُّحفةُ البَهِیَّة فی نتائجُ التَّقِیَّة

تقیہ کے خطرناک نتائج دکھلا کر یہ بات روز روشن کی طرح ثابت کر دی گئی ہے کہ شیعوں کے اولین و آخرین اپنے ائمہ کا کوئی اصلی مذہب نہیں بتا سکتے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

حامداً و مصلیاً و مسلماً

امابعد واضح ہو کہ اثنی من المائتین کا یہ تیسرا نمبر ہے جس میں انشاء اللہ تعالیٰ تقیہ کے نتائج بیان کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بیان کو ذریعہ ہدایت بنائے آمین

پہلے دونوں نمبروں میں حسب ذیل امور شیعوں کی اعلیٰ ترین معتبر کتابوں سے ثابت کئے جا چکے ہیں

(۱) تقیہ کے معنی خلاف واقع کے یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا (جس کو جھوٹ بولنا کہتے ہیں)، یا کوئی کام کرنا۔

ف: تقیہ اور نفاق بالکل ایک چیز ہے اگرچہ شیعہ تقیہ اور نفاق میں بڑا فرق بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ تقیہ دین کے چھپانے اور بے دینی کے ظاہر کرنے کا نام ہے، اور نفاق بالکل اس کے برعکس ہے لیکن یہ فرق شیعوں کی ایک اصطلاح کی بنیاد پر ہے مسلمانوں کے نزدیک اپنی جن مذہبی باتوں کو شیعہ چھپاتے ہیں وہ خالص بے دینی کی ہیں، اور جن باتوں کو وہ مسلمانوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں وہ یقیناً دین ہیں لہٰذا اس کے نفاق ہونے میں کچھ شک نہیں۔

(۲) تقیہ اعلیٰ درجہ کا فرض اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے دین کے ۹/۱۰ حصہ تقیہ میں ہیں، اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین و بے ایمان ہے۔

(۳) ائمہ و انبیاء کا بلکہ خدا کا دین تقیہ کرنا ہے۔

(۴) تقیہ کے لئے نہ خوف جان وغیرہ کی شرط ہے نہ اور کسی معذوری و مجبوری کی تحدید ہے بلکہ ہر ضرورت پر تقیہ کا حکم ہے، اور ضرورت کی تشخیص خود صاحب ضرورت کی رائے پر محول ہے۔

(۵) ائمہ شیعہ نے عقائد میں بھی تقیہ کیا ہے اور اعمال میں بھی تقیہ میں اپنے امام معصوم ہونے کا بھی انکار کیا ہے فرائض بھی ترک کئے ہیں فعل حرام کا بھی ارتکاب کیا ہے جھوٹے فتوے دیئے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، ظالموں بدکاروں کی تعریف بھی کی ہے اور تعریف بھی انتہائی مبالغہ کے ساتھ۔

(۶) ائمہ اپنے مخلص شیعوں کو از راہ تقیہ غلط مسائل بتا دیا کرتے تھے، اور کبھی یہ راز کھل جاتا تھا تو ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نے تم کو فلاں نقصان سے بچانے کے لئے ایسا کیا یا اس لئے ایسا کیا کہ تم میں باہم اختلاف رہے گا تو لوگ تم کو ہم سے روایت کرنے میں سچا نہ سمجھیں گے، اور اسی میں ہمارے اور تمہارے لئے خیریت ہے۔

(۷) ائمہ علانیہ ہمیشہ عقائد و اعمال میں اپنے کو اہل سنت و جماعت ظاہر کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی مذہب اہل سنت و جماعت ہی کی تعلیم دیتے تھے۔ مذہب شیعہ کی تعلیمات جس قدر ان سے شیعوں نے نقل کی ہیں ان کی بابت شیعہ راویوں کا یہ بیان ہے کہ ائمہ نے خلوت میں تنہائی میں ہم سے بیان فرمائی تھیں۔

(۸) بسا اوقات ائمہ نے ایسے مواقع میں تقیہ کیا ہے کہ وہاں ہرگز کسی قسم کی ضرورت کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا مثلاً ان فروعی اجتہادی اعمال میں جن میں خود اہل سنت کے مجتہدین باہم مختلف ہیں ایسے فروعی اعمال میں جس شخص کا جی چاہے جو پہلو اختیار کرے کسی قسم کے خطرہ کا احتمال نہیں مگر ائمہ نے ایسے مواقع میں بھی اپنا اصلی مذہب چھپایا، اور اس کے خلاف عمل کیا۔

یہ آٹھ باتیں تو گزشتہ دونوں نمبروں میں ثابت ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ دو باتیں اور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

(۹) ائمہ سے جو حدیثیں منقول ہیں ان میں اختلاف بے حد و بے نہایت ہے اور خود علمائے شیعہ اقرار کر چکے ہیں کہ ہر موقع میں یہ معلوم کر لینا کہ یہ اختلاف کس سبب سے ہے آیا تقیہ کے باعث سے ہے یا کسی اور وجہ سے، طاقت انسانی سے بالاتر ہے۔

مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ اساس الاصول ۱ھ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

الاحادیث الماثورة عن الائمة	جو حدیثیں کہ ائمہ سے منقول ہیں ان میں
مختلفة جدا لایکاد یوجد حدیث	بہت سخت اختلاف ہے ایسی کوئی حدیث
الا وفی مقابلته ما ینافیه ولا یتفق	نہ ملے گی جس کے مقابل میں اس کی مخالف
خبرا الا وبازائه ما یضاده حتی	خبر نہ ہو۔ یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض
صار ذلک سببا لرجوع بعض	ناقص لوگوں کے لئے مذہب شیعہ سے پھر

الناقصين عن اعتقاد الحق كما صرح به شيخ الطائفة في اوائل التهذيب والاستبصار ومناشی هذه الاختلاف كثيرة جداً من التقية والوضع واشتباه السامع والنسخ والتخصيص والتقييد وغير هذه المذكورات من الامور الكثيرة كما وقع التصريح على اكثرها في الاخبار الماثورة عنهم وامتياز المناشی بعضها عن بعض في باب كل حديثين مختلفين بحيث يحصل العلم واليقين تبعين المنشاء عسير جدا وفوق الطاقة كما لا يخفى۔

جانے کا سبب بن گیا جیسا کہ شیخ الطائفہ نے تہذیب اور استبصار کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے۔ ان اختلافات کے اسباب بہت ہیں مثلاً تقیہ اور وضعی حدیثوں کا بنایا جانا اور سننے والے سے غلط فہمی کا ہونا اور منسوخ یا مخصوص ہو جانا یا مقید ہو جانا اور ان کے علاوہ بہت سے امور ہیں چنانچہ ان میں سے اکثر امور کی تصریح ائمہ کی احادیث میں موجود ہے۔ اور ہر دو مختلف حدیثوں میں یہ امتیاز کرنا کہ یہاں اختلاف کا سبب کیا ہے، اس طور پر کہ اس سبب کا علم و یقین ہو جائے بہت دشوار اور انسانی طاقت سے بالاتر ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

(۱۰) ائمہ کے اصحاب نے ائمہ سے نہ اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا نہ فروع دین کو علامہ شیخ مرتضیٰ فرائد الاصول مطبوعہ ایران ص۱۰۲ میں لکھتے ہیں:۔

ثم ان ما ذكره من تمكن اصحاب الائمة من اخذ الاصول والفروع بطريق اليقين دعوى ممنوعة واضحة المنع واقل ما يشهد عليها ما علم بالعين والاثر من اختلاف اصحابهم صلوات الله عليهم في الاصول

پھر یہ جو اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع کو یقین کے ساتھ حاصل کرنے پر قادر تھے، یہ ایک دعویٰ ہے جو تسلیم کرنے کے لائق نہیں کم از کم اس کی شہادت وہ ہے جو آنکھ سے دیکھی گئی اور اثر سے معلوم ہوئی کہ ائمہ صلوات اللہ علیہم کے اصحاب اصول و فروع

لہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کے زمانے میں بھی احکام شرعیہ منسوخ ہوتے ہیں ائمہ کو اختیار کہ رسول کے جس حکم کو چاہیں منسوخ کر دیں اس سے زیادہ ختم نبوت کا انکار اور کیا ہو گا ۱۲ -

والفرع ولذا اشكى غير واحد من
اصحاب الائمة اليهم اختلاف
اصحابه فاجابوهم تارة بانهم
قد القوا الاختلاف حقنا لدمائهم كما
فى رواية حريز وزرارة وابى ايوب الخزاز
واخرى اجابوهم بان ذلك من جهة
الكذابين كما فى رواية الفيض بن
المختار قال قلت لابى عبد الله
جعلنى الله فداك ماهذا الاختلاف
الذى بين شيعتكم قال واى اختلاف
يا فيض فقلت له انى اجلس فى حلقهم
بالكوفة واكاد اشك فى اختلافهم
فى حديثهم حتى ارجع الى المفضل
ابن عمر فيوقفنى من ذلك على ما
تستريح به نفسى فقال عليه السلام
اجل كما ذكرت يا فيض ان
الناس قد اولعوا بالكذب علينا
كان الله افترض عليهم ولا
يريد منهم غيره انى احدث
احدهم بحديث فلا يخرج
من عندى حتى يتناوله على
غير تاويله وذلك لانهم
لا يطلبون بحديثنا وبحبنا

میں باہم مختلف تھے، اور اسی سبب سے بہت
لوگوں نے آئمہ سے شکایت کی کہ آپ کے
اصحاب میں اختلاف بہت ہے تو آئمہ نے
ان کو کبھی یہ جواب دیا کہ یہ اختلاف ان میں
خود ہم نے ڈالا ہے، ان کی جان بچانے
کے لئے جیسا کہ حریز اور زرارہ اور ابو ایوب
خزار کی روایتوں میں ہے اور کبھی یہ جواب
دیا کہ یہ اختلاف جھوٹ بولنے والوں کے سبب
سے پیدا ہو گیا ہے، جیسا کہ فیض بن مختار کی
روایت میں ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام
جعفر صادق سے کہا کہ اللہ مجھے آپ پر فدا کرے
یہ کیسا اختلاف ہے جو آپکے شیعوں میں ہے، امام
نے فرمایا کہ اے فیض کون سا اختلاف میں نے
عرض کیا کہ میں کوفہ میں ان کے حلقہ درس میں
بیٹھتا ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف کی
وجہ سے قریب ہوتا ہے کہ میں شک میں پڑ
جاؤں یہاں تک کہ میں مفضل بن عمر کی طرف رجوع
کرتا ہوں تو وہ مجھے ایسی بات بتلا دیتے ہیں جس
سے میرے دل کو تسکین ہوتی ہے، امام نے فرمایا
کہ اے فیض یہ بات سچ ہے لوگوں نے ہم پر
افترا پردازی بہت کی گویا کہ خدا نے ان پر جھوٹ
بولنا فرض کر دیا ہے، اور ان سے سوا جھوٹ بولنے
کے اور کچھ نہیں چاہتا، میں ان میں سے ایک

ما عند الله تعالى وكل يحب
ان يدعى راسا وقريب منها
رواية داؤد بن سرحان و
استثناء القميين كثيرا من
رجال نوادر الحكمة معروف
وقصة ابن ابى العوجاء انه
قال عند قتله قد دسست
فى كتبكم اربعة الاف
حديث مذكورة فى الرجال
وكذا ما ذكره يونس بن
عبد الرحمن من انه
اخذ احاديث كثيرة من
اصحاب الصادقين ثم
عرضها على ابى الحسن الرضا
عليه السلام فانكر منها
احاديث كثيرة الى غير
ذلك مما يشهد بخلاف
ما ذكره۔

سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر جانے سے پہلے ہی اس کے مطلب میں تحریف شروع کر دیتا ہے یہ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے آخرت کی نعمت نہیں چاہتے بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ سردار بن جائے، اور اسی کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے، اور اہل قم کا نوادر الحکمۃ کے بہت سے راویوں کو مستثنیٰ کر دینا مشہور ہے۔ اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتب رجال میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے قتل کے وقت کہا کہ میں نے تمہاری کتابوں میں چار ہزار حدیثیں بنا کر درج کر دی ہیں۔ اسی طرح وہ واقعہ جو یونس ابن عبدالرحمن نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بہت سی حدیثیں آئمہ کے اصحاب سے حاصل کیں پھر ان کو امام رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا انکار کر دیا، ان کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی نے تو اس سے بھی زیادہ نفیس بات لکھی کہ اصحاب آئمہ پر یقین کا حاصل کرنا واجب بھی نہ تھا چنانچہ اساس الاصول صـ۲۴۲ میں لکھتے ہیں۔

لہ علمائے شیعہ سے یہ بھی صاف تصریح کی ہے کہ ان جعلی روایتوں کا ہماری کتابوں سے نکال دیا جانا ثابت نہیں ہوا دیکھو توضیح المقال صـ۴۳ ۱۲۔

لانسلم انهم كانوا مكلفين بتحصيل
القطع واليقين كما يظهر من سجية
اصحاب الائمة بل انهم كانوا مامورين
باخذ الاحكام من الثقاة ومن
غيرهم ايضا مع قيام قرينة
تفيد الظن لما عرفت مرارا بانحاء
مختلفة كيف ولو لم يكن الامر كذلك
لزم ان يكون اصحاب ابى جعفر و
الصادق الذين اخذ يونس كتبهم
وسمع احاديثهم مثلا هالكين
مستوجبين النار وهكذا حال
جميع اصحاب الائمة فانهم كانوا
مختلفين فى كثير من المسائل الجزئية
الفرعية لما يظهر ايضا من كتاب العدة
وغيره وقد عرفته ولم يكن احد منهم
قاطعا لما يرويه الآخر فى متمسكه
لما يظهر ايضا من كتاب العدة وغيره
ولنذكر فى هذا المقام رواية رواها
محمد بن يعقوب الكلينى فى الكافى
فانها مفيدة لما نحن بصدده ونرجو من
الله ان يطمئن بها قلوب المؤمنين
يحصل لهم الجزم بحقية ما ذكرنا

ہم نہیں مانتے کہ اصحاب آئمہ پر لازم تھا کہ یقین
حاصل کریں، چنانچہ اصحاب آئمہ کی روش سے
یہ بات ظاہر ہوتی ہے بلکہ اصحاب آئمہ کو حکم
تھا کہ احکام دین معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کے
لوگوں سے حاصل کر لیا کریں، بشرطیکہ کوئی قرینہ
مفید ظن موجود ہو جیسا کہ بار بار تم کو مختلف طریقوں
سے معلوم ہو چکا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم
آئے گا کہ امام باقر اور امام صادق کے اصحاب[1]
جن کی کتابوں کو یونس نے لیا اور ان کی حدیثوں
کو سنا ہلاک ہونے والے اور مستحق دوزخ ہوں
اور یہی حال تمام اصحاب آئمہ کا ہو گا کیونکہ وہ
بہت سے مسائل جزئیہ فرعیہ میں باہم مختلف
تھے، چنانچہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر ہے
اور تم اس کو معلوم کر چکے ہو اور ان میں سے
کوئی شخص اپنے مخالف کے روایت کی تکذیب
نہ کرتا تھا جیسا کہ کتاب العدۃ وغیرہ سے ظاہر
ہے اور ہم اس مقام پر ایک روایت کو ذکر
کرتے ہیں جس کو محمد بن یعقوب کلینی نے کافی
میں ذکر کیا ہے وہ روایت ہمارے مقصود کیلئے
ہے اور ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ اس روایت
سے ایمان والوں کے قلوب کو اطمینان حاصل
ہو گا اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کے حق

[1] اجی حضرت ہوش کی باتیں کیجئے بسم اللہ کے اصحاب دوزخی ہو گئے تو باقر و صادق کس شمار میں ہیں ۔ ۔

فنقول قال ثقة الاسلام في الكافي علی
ابن ابراهيم عن الشريع بن الربيع قال
لم يكن ابن ابي عمير يعدل بهشام
ابن الحكم شيئا ولا يغب اتيانه
ثم انقطع عنه وخالفه وكان سبب
ذلك ان ابا مالك الحضرمي كان احد
رجال هشام ووقع بينه وبين ابن
ابي عمير ملاحاة في شيئ من الامامة
قال ابن عمير الدنيا كلها للامام
من جهة الملك وانه اولى بها من
الذين هي في ايديهم وقال ابو مالك
كذلك املاك الناس لهم الا ما حكم
الله به للامام الفيء والخمس والمغنم
فذلك له وذلك ايضا قد بين الله
للامام ان يضعه وكيف يصنع به
فتراضيا بهشام ابن الحكم وصارا
اليه فحكم هشام لابي مالك علی
ابن ابي عمير فغضب ابن ابي عمير
وهجر هشاما بعد ذلك فانظروا
يا اولي الالباب واعتبروا يا
اولي الابصار فان هذه الاشخاص
الثلاثة كلهم كانوا من ثقات
اصحابنا وكانوا من اصحاب

ہونے کا یقین ان کو ہو جائیگا لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ
ثقۃ الاسلام نے کافی میں بیان کیا ہے کہ علی بن
ابراہیم نے شریع بن ربیع سے روایت کی ہے
وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی عمیر ہشام بن حکم کی بہت
عزت کرتے تھے ان کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے
اور بلاناغہ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے
تھے، پھر اُن سے قطع تعلق کر لیا، اور ان کے
مخالف ہو گئے اور اس کا سبب یہ ہوا کہ
ابو مالک حضرمی جو ہشام کے راویوں میں سے
ایک شخص ہیں ان کے اور ابن ابی عمیر کے
درمیان میں مسئلہ امامت کے متعلق کچھ بحث
ہو گئی۔ ابن ابی عمیر کہتے تھے کہ دنیا سب کی
سب امام کی ملک ہے اور امام کو تمام اشیاء میں
تصرف کا حق اُن لوگوں سے زیادہ ہے جن
کے قبضہ میں وہ اشیاء ہیں ابو مالک کہتے تھے
کہ لوگوں کی املاک انہیں لوگوں کی ہیں، امام کو
صرف اسی قدر ملے گا جو اللہ نے مقرر کیا ہے
یعنی فی اور خمس اور غنیمت اور اس کے متعلق
بھی اللہ نے امام کو بتا دیا ہے کہ کہاں کہاں
صرف کرنا چاہیے اور کس طرح صرف کرنا چاہیے
آخر ان دونوں نے ہشام بن حکم کو پنچ بنایا اور
دونوں ان کے پاس گئے ہشام نے اپنے شاگرد
ابو مالک کے موافق اور ابن ابی عمیر کے خلاف فیصلہ

الصادق والکاظم والرضا علیہم السلام کیف وقع النزاع بینہم حتی وقعت المہاجرۃ فیما بینہم مع کونہم متمکنین من تحصیل العلم والیقین عن جناب الائمۃ۔

کیا اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آگیا اور اس کے بعد انہوں نے ہشام سے قطع تعلق کر دیا، پس اے صاحبان عقل دیکھو اور اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو یہ تینوں اشخاص ہمارے معتبر اصحاب میں سے ہیں اور امام صادق امام کاظم و امام رضا کے اصحاب میں سے ہیں ان میں باہم کسی طرح جھگڑا ہوا یہاں تک کہ باہم قطع تعلق ہوگیا باوجودیکہ ان کو قدرت حاصل تھی کہ جناب آئمہ سے اپنی نزاع کا فیصلہ کرا کر علم و یقین حاصل کر لیتے۔

ان دونوں عبارتوں کے چند قابل قدر فوائد حسب ذیل ہیں:۔

ف ۱۔ اصحاب آئمہ پر باوجود قدرت کے علم و یقین حاصل کرنے کا فرض نہ ہونا ایک ایسی بات ہے کہ غالباً مذہب شیعہ کے عجائبات میں بہت عزت کی نظر سے دیکھی جائے گی، کیا کوئی شیعہ صاحب اس کی کوئی وجہ بتا سکتے ہیں کہ باوجود قدرت علم و یقین کا حاصل کرنا ان پر کیوں فرض نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ شیعوں کو بڑی مشکل یہ درپیش ہے کہ اگر اصحاب آئمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کو فرض کہتے ہیں تو ان کے باہمی اختلافات کا کیا جواب دیں امام زندہ موجود ہیں لوگوں کی آمد و رفت ان کے پاس جاری ہے مگر ان کے اصحاب مسائل دینیہ میں لڑتے جھگڑتے ہیں نوبت ترک کلام و سلام تک آجاتی ہے کوئی امام سے جا کر اس مسئلہ کا تصفیہ نہیں کراتا بلکہ امام کو چھوڑ کر اپنے غیرے پنچ بنائے جاتے ہیں، لہٰذا اس مشکل کے حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی تجویز کیا گیا کہ اصحاب آئمہ پر علم و یقین حاصل کرنے کی فرضیت ہی سے انکار کر دیا جائے۔

ف ۲۔ آئمہ کے اصحاب بلا واسطہ امام سے علوم حاصل نہ کرتے تھے، بلکہ ثقہ غیر ثقہ جو کوئی بھی ان کو مل جاتا اس سے احکام دین سیکھ لیتے تھے اور ان کیلئے اس کا حکم بھی تھا۔

یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ امام معصوم زندہ موجود ہیں لوگ ان سے استفادہ کر

کر سکتے ہیں مگر اصحاب امام اس طرف رُخ بھی نہیں کرتے اور ہر فاسق و فاجر سے جو انہیں مل جاتا ہے علم دین حاصل کر لیتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بھی کوئی شیعہ ایسی مثال دکھلا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے باوجود قدرت کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی اور سے علم دین حاصل کیا ہو اور وہ بھی فاسق و فاجر سے۔

شیعہ ایسا کہنے پر مجبور ہیں، اگر ایسا نہ کہیں تو اصحاب آئمہ کے باہمی اختلاف کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اگر اصحاب آئمہ کے جمیع علوم کا آئمہ سے ماخوذ ہونا تسلیم کریں تو پھر یہ عقدہ لاینحل ہوگا کہ آئمہ کی زندگی ہی میں ان میں باہم اس قدر شدید اور کثیر اختلاف کیوں تھا۔

تیسری بات: ف۳. اصحاب آئمہ میں باہم لڑائی ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی اور اس کی بنا محض نفسانیت پر ہوتی تھی، اور آخری نوبت یہاں تک پہنچتی تھی کہ تمام عمر کیلئے آپس میں سلام و کلام ترک ہو جاتا تھا تین تین اماموں کی صحبت سے مشرف ہوتے اور اس نزاعی مسئلہ کا تصفیہ نہ ہوتا تھا نہ آپس میں صلح ہوتی تھی خیر یہ تو سب کچھ ہوتا تھا لائق عبرت بات یہ ہے کہ شیعہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کو اپنا پیشوا مانتے ہیں کسی ایک کی طرف ہو کر دوسرے کو بُرا نہیں کہتے بخلاف اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں اگر باہم اس قسم کی کوئی بات پیش آئی ہے تو اس موقع پر شیعوں نے بات کا بتنگڑ بنانے میں اپنی ساری طاقت ختم کر دی ہے، اور ایک فریق کا طرفدار بن کر دوسرے کو بُرا بھلا کہنا نہایت ضروری قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ ناممکن بات ہے کہ کوئی شخص دونوں لڑنے والوں سے تعلق رکھ سکے۔ یہاں سے صاف نظر آتا ہے کہ شیعوں کی نظر میں اپنی خانہ ساز آئمہ کی صحبت کی تو عزت ہے مگر رسول کی صحبت کی کچھ بھی عزت نہیں کیا ایمان اسی کا نام ہے۔

چوتھی بات: ف۴:۔ استغفر اللہ مولوی دلدار علی اپنی تقریر میں فرماتے ہیں کہ اگر ہم علم و یقین کا حاصل کرنا فرض قرار دیں تو لازم آئیگا کہ امام باقر و امام صادق کے اصحاب نابکار اور دوزخی ہو جائیں اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک امام باقر و امام صادق کے اصحاب کا دوزخی ہونا ایسا امر محال ہے کہ کسی طرح اس کو فرض بھی نہیں کر سکتے۔ مگر سید الانبیا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا دوزخی ہونا محال کیا معنی

متبسد کبھی نہیں بلکہ ضروری اور نہایت ضروری ہے اے اہل اسلام خدا کیلئے انصاف کرو کہ کیا ایمان واسلام کا تقاضا یہی ہے مقام عبرت ہے کہ علم ویقین کے تحصیل کا باوجود قدرت کے فرض نہ ہونا کیسی خلاف عقل بات ہے جس کا نتیجہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ آئمہ کا وجود ہی عبث اور بیکار ہو جائے مگر شیعوں نے اپنے خانہ ساز آئمہ کے اصحاب کے روز خی مان لینے کے مقابلہ میں اس خلاف عقل بات کو کس طرح قبول کر لینا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ان دس باتوں کو جو اوپر بیان ہوئیں

اچھی طرح ذہن نشین کر کے اپنی عقل سے اگر کوئی شخص کام لے گا۔ تو یقیناً نہایت صحیح فیصلہ مذہب شیعہ کے متعلق کر سکے گا۔

یہ دس باتیں جو بیان ہوئیں ان میں مذہب شیعہ کی کسی خاص روایت پر گرفت نہیں ہے بلکہ پورے مذہب یا پورے فن روایت سے جو کچھ نتائج نکل سکتے ہیں وہی پیش کئے گئے ہیں۔

شیعوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا مذہب یعنی ان کے عقائد و اعمال آئمہ اہل بیت کے تعلیم کئے ہوئے ہیں لیکن ان دس باتوں کے ہوتے ہوئے دنیا کی کسی عدالت سے ان کو ڈگری نہیں مل سکتی کسی انصاف کی کچہری میں ان کا یہ دعویٰ سچا نہیں سمجھا جا سکتا۔

ایک موٹی سی بات ہے اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ امام باقر و امام جعفر صادق یا دیگر آئمہ کی بابت شیعہ سنی میں اختلاف ہے سنی ان کو اپنا ہم مذہب بیان کرتے ہیں شیعہ ان کو اپنا ہم مذہب کہتے ہیں فریقین کے اس اختلاف کی بنیاد محض اپنے اپنے راویوں کے بیانات پر ہے ایک طرف شیعہ راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان آئمہ نے ہم کو مذہب شیعہ کی تعلیم دی ہے لیکن کوٹھڑی کے اندر تنہائی میں جہاں سوا ہمارے کوئی بھی نہ تھا۔ ہم کسی کے سامنے آئمہ سے نہ اپنی بیان کی تصدیق کرسکتے ہیں اور نہ اپنے موافق کوئی گواہی پیش کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف سنی راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان آئمہ نے ہم کو مذہب اہل سنت کی تعلیم دی اور یہ تعلیم علانیہ مجمع عام میں بھی دی اور تنہائی میں بھی دی جس کا جی چاہے ہمارے ساتھ چلے ہم آئمہ سے اپنے بیان کی تصدیق کرا سکتے ہیں نیز دوسری شہادتیں بھی پیش کر سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا موقع بھی پیش آیا کہ شیعہ راویوں

کو امام کے سامنے جانا پڑا تو امام نے ان کی تکذیب کر دی اور سنیوں ہی کی تائید کی۔

پس اب خدا کے لئے بتاؤ کہ ایک تیسرا شخص ایماناً و انصافاً کس فریق کی بات پر اعتبار کر سکتا ہے کیا وہ شیعہ راویوں کو سچا مان کر خدا کی دی ہوئی نعمت عظمیٰ یعنی عقل کو معطل کر دینے کا مجرم بننا گوارا کرے گا۔ یقیناً دنیا میں کوئی عقلمند ایسا نہ ملے گا جو ایسی حرکت کا مرتکب ہو۔

حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب کوئی شخص شیعوں کو یہ دعویٰ کرتے ہوئے سنتا ہے کہ ہمارا مذہب عقل کے مطابق ہے اور اس کے بعد مذہب شیعہ کی اس حقیقت سے واقف ہوتا ہے۔

بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل کے اس قدر خلاف دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہو سکتا۔ جس قدر کہ مذہب شیعہ ہے۔ بھلا کون ایسا ہو سکتا ہے جو مذہب کو ایک راز قرار دے اور گو اس راز کے نقل کرنے والے نہ اپنے موافق کوئی شہادت پیش کر سکیں نہ صاحب راز سے تصدیق کرا سکیں اور گو اس راز کے خلاف علانیہ اور منقولات موجود ہوں تب بھی وہ اس راز کو مان لے۔

شیعہ ادھر ادھر کی باتوں پر تو تقریر تحریر کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی اس بنیاد مذہب پر غور کرنے کیلئے یا اس کا جواب دینے کیلئے کوئی شیعہ کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔

اس وقت دو پہلو ہمارے سامنے ہیں۔

اول یہ کہ شیعہ راویوں کو ہم مفتری و کذاب قرار دیں اور جس قدر تعلیمات مذہب شیعہ کی انہوں نے ان کی طرف منسوب کی ہیں ان کو محض کذب و دروغ مانیں۔ اس صورت میں بھی مذہب شیعہ کا تمام گھروندا بگڑ جاتا ہے اس لئے کہ اس مذہب کی تمام تر بنیاد انہیں روایات پر ہے جو زرارہ ابو بصیر ابن ابی یعفور وغیرہم نے بیان فرمائی ہیں۔ اس مذہب کا ایک حرف بھی قرآن شریف سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرآن شریف تو اس مذہب کی بیخ کنی کر رہا ہے بخلاف اہل سنت و جماعت کے کہ ان کے مذہب کا جزو اعظم یعنی عقائد کا حصہ تو قرآن مجید ہی سے ثابت ہے رہا جزو اصغر یعنی اعمال وہ البتہ روایات پر موقوف ہے لیکن اس میں بھی اکثر و بیشتر اعمال کا ثبوت روایات متواترۃ المعنی اور تعامل سے ہو جاتا ہے۔

دوم یہ کہ شیعہ راویوں کو ہم سچا مانیں اور جو کچھ انہوں نے ائمہ کے خلوت کدۂ راز کی خفیہ تعلیمات کے متعلق بیان فرمایا ہے اس کو بے کم و کاست وحی آسمانی کے مانند واجب القبول قرار دیں۔

اس صورت میں خود ائمہ کا دین و مذہب اس قدر مشتبہ ہو جاتا ہے کہ شیعوں کے اولین و آخرین مل کر بھی نہیں بتا سکتے ہیں کہ ان ائمہ کا مذہب کیا تھا جب کسی شخص کی عادت یہ ہو کہ کسی خوف یا مصلحت سے اپنی مذہب کے متعلق مختلف لوگوں سے بیان کیا کرتا ہو اور احیاناً و اتفاقاً نہیں بلکہ بکثرت روزمرہ اس کا یہی وتیرہ ہو اس کی بابت کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ اصلی مذہب اس شخص کا کیا تھا۔

ممکن ہے کہ ائمہ شیعوں سے ڈرتے رہے ہوں اور جب دیکھتے ہوں کہ اس وقت تنہائی ہے۔ اور فقط شیعہ ہی میرے پاس ہیں اس وقت مارے خوف کے انہیں کے موافق باتیں ان سے کرتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ دراصل وہ عیسائی یا مجوسی ہوں یا اپنے آبائے سابقین کے مذہب بت پرستی پر ہوں لیکن دیکھتے تھے کہ ہر سمت میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے۔ اگر اپنے اصلی مذہب کا اظہار کریں تو جان کا خطرہ ہے، اس لئے اپنے کو مسلم کہہ دیتے ہوں اور نماز روزہ کی پابندی کرتے ہوں۔

رہا یہ خیال کہ شیعوں سے ڈرنے کی کوئی وجہ اس زمانہ میں نہ تھی ڈر اور خوف ان لوگوں سے ہو سکتا ہے جن کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہو اور یہ بات اس وقت اہل سنت میں تھی نہ شیعوں میں تو جواب اس کا یہ ہے کہ ڈر اور خوف کا صرف اہل حکومت ہی کی طرف سے ہونا خلاف مشاہدہ ہے، بسا اوقات غیر اہل حکومت سے اس قدر خوف ہوتا ہے کہ اہل حکومت سے نہیں ہو سکتا حکومت والے جو کچھ کرتے ہیں کسی آئین و قانون کے ماتحت ہو کر کرتے ہیں، اور غیر اہل حکومت جس قدر بدمعاشی کے افعال بے قاعدہ و بے اصول کر بیٹھتے ہیں، اہل حکومت کی طرف سے ان کا تصور بھی نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ پے درپے ائمہ کا قتل ان کی توہین و تذلیل انہیں شیعوں کے ہاتھ سے وقوع میں آ رہی تھی تو ان سے ائمہ کا ڈرنا بہت ہی قرین قیاس ہے،

ائمہ کا مذہب اس تقیہ نے ایسا مشتبہ کر دیا ہے کہ اگر اسی ایک مسئلہ پر کوئی شخص خالی الذہن ہو کر انصاف کے ساتھ غور کرے تو اس پر مذہب شیعہ کا بطلان اظہر من الشمس ہو جائے گا۔

حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وازاں جہت کہ امت متفق ست برانکہ امام حق   اور اس طریقہ سے کہ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے

بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یکے ازیں دو
کس بود پس می گوئیم کہ مرتضیٰ امام نبود زیرا
کہ متواتر شد کہ در ایام خلافت خود مکرر گفت
خیر هذه الامة ابوبکر ثم عمر و ایں قول
او خالی از سہ احتمال نیست۔ قلبش او با زبان
موافق بود دریں قول وهو الحق وبه یثبت
المطلوب یا نبودہ است خلاف او لیکن بغیر
ضرورت و بغیر تقیہ با جمعے ایں سخن مے گفت
و با جمعے خلاف این پس مدلس و خائن واقع
باشد و مدلس و خائن و معهذا لائق امامت نباشد
یا تقیہ بود و تقیہ در خلافت وجہے ندارد و
معهذا اگر اکراہے بودہ است مے بایست
کہ بقدر اکراہ اکتفا می کرد و چندیں مبالغہ
نمی نمود۔ و اگر تقیہ با وجود خلافت و شجاعت
و شوکت و قیام بقتال جمیع اہل ارض جائز
باشد مے توان گفت کہ با جمعے کہ با شیخین
بد می بودند در خفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین
می نمود پس کلام خیر الامۃ متحقق است و
خلاف او تقیہ دے توان گفت کہ اظہار اسلام
و نماز پنجگانہ خواندن و از دوزخ ترسیدن
ہمہ بنا بر تقیہ مسلمین بود در شک نیست تنفر
قوم بترک اسلام شدہ بود از تنفر بسبب
انکار شیخین پس امن [illegible]

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق یا حضرت
صدیق تھے یا حضرت مرتضیٰ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت
مرتضیٰ امام نہ تھے کیونکہ یہ بات بتواتر ثابت ہے
کہ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں باربار فرمایا
کہ اس اُمت میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور ان
کے بعد عمر حضرت علی کا یہ قول تین احتمال سے خالی
نہیں ہے ایک یہ کہ اس قول میں ان کا دل زبان
کے ساتھ موافق تھا، اور یہی حق ہے اور اسی سے
ہمارا مقصود ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ
حضرت علی کا عقیدہ اس کے خلاف تھا مگر وہ
بغیر ضرورت کے اور بغیر تقیہ کے کسی جماعت سے
یہ بات کہتے تھے اور کسی جماعت سے اس کے
خلاف کہتے تھے اس صورت میں حضرت علی کا
فریبی اور خائن اور ضعیف الرائی ہونا لازم آئیگا
اور ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہوسکتا تیسرے
یہ کہ حضرت علی کا یہ قول تقیہ کی حالت میں تھا
مگر تقیہ اپنی خلافت کے زمانہ میں محض بے وجہ
ہے اور با ایں ہمہ اگر کوئی مجبوری تھی تو چاہیے
تھا کہ جس قدر مجبوری تھی اسی کے مطابق شیخین
کی تعریف کردیتے اس قدر مبالغہ نہ کرتے اور اگر
باوجود خلیفہ ہوتے شجاع ہوتے اور صاحب شوکت
ہوتے اور تمام اہل ملک سے لڑائی کے لئے آمادہ
ہونے کے بھی تقیہ جائز ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ

برخاست چہ جای امامت واین ہمہ
بقباحاتے میکشد کہ ہیچ مسلمانے خیال آں
نمے تواند کرد ۔ پس ثابت شد کہ خلافت
حق صدیق بود وبعد ازاں حق فاروق
بہ ہمیں دلیل بعینہ (ازالۃ الخفا مقصد
اول ص ۲۸۲)

شیخین کے دشمن تھے تنہائی میں حضرت علی ان سے
ڈر کر بطور تقیہ شیخین کا انکار کردیتے تھے پس شیخین
کی تعریف جو انہوں نے کی ان کا اصلی عقیدہ وہی
ہے اور اس کے خلاف جو کچھ کہا وہ تقیہ ہے۔ اور یہ
بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا ظاہر کرنا اور پنجگانہ نماز
پڑھنا اور دوزخ سے ڈرنا یہ سب باتیں مسلمانوں سے
تقیہ کی بنا پر ہوں اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو جو
نفرت ترک اسلام سے ہوتی وہ شیخین کے انکار کی نفرت سے زیادہ سخت ہوتی۔ پس حضرت علی کے ایمان کا اعتبار نہ رہا امامت کا ذکر اور یہ سب باتیں ایسے برے نتائج تک پہنچاتی ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا خیال بھی نہیں کر سکتا پس ثابت ہوگیا کہ خلافت حضرت صدیق کی حق تھی اور ان کے بعد حضرت فاروق کی حق تھی بعینہ اسی دلیل سے۔

یہ جو کچھ نتائج تقیہ کے بیان کیے گئے ان کو ائمہ تک پہنچا کر اس لیے ختم کر دیا گیا کہ شیعوں کا دعویٰ بھی انہیں کی طرف انتساب کا ہے اور اسی وجہ سے اپنے کو امامیہ کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ ان کو نہیں ہے ان کی کتابوں میں شاذ و نادر ہی کہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ملتی ہے، ورنہ یہی تقریر رسول کے متعلق بھی ہو سکتی ہے۔

تقیہ کے ایجاد کرنے سے مذہب شیعہ کے خوش مزاج مصنفوں کا مقصود تو یہ تھا کہ جس مذہب کو وہ ائمہ کے نام سے رواج دینا چاہتے تھے، ائمہ کے جو افعال یا اقوال یا احوال کھلم کھلا اس مذہب کے خلاف ہیں اور وہ حد تواتر کو پہنچ گئے ہیں ان کا انکار بھی نہیں ہو سکتا، اور کوئی تاویل بھی ان کی نہیں ہو سکتی ان کا جواب دیا جائے مثلاً حضرت علی مرتضیٰ کا تینوں خلفا کے ہاتھ پر بیعت کرنا پانچوں وقت ان کے پیچھے نماز پڑھنا اپنے زمانہ خلافت میں بھی ان کی بے حد تعریف کرنا، اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا کی لخت جگر ام کلثوم کا حضرت فاروق کے نکاح میں دینا وغیرہ وغیرہ مگر ان کی بد قسمتی کہ تقیہ نے اس مشکل کو تو حل کیا یا نہ کیا دوسرے مشکلات میں

ان کو ایسا چھپا دیا کہ اب بالی ناممکن ہے۔

شیعوں کیلئے یہ آسانی تو خوب پیدا ہوگئی اور اس پر وہ بہت نازاں ہیں کہ جہاں کسی عالم اہل سنت نے ان کی معتبر کتابوں سے کوئی قول یا فعل حضرت علی مرتضیٰ کا یا کسی امام کا مذہب شیعہ کے خلاف پیش کیا تو فوراً کہدیا یہ تقیہ ہے۔

علامہ ابن روزبہان نے جب کتاب ابطال الباطل میں فرمایا کہ متعہ اگر حلال تھا اور حضرت عمر نے اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں کیوں اس کے حلال ہونے کا اعلان نہ فرمایا۔ تو اس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں بے تامل یہی تقیہ کا عذر پیش کر دیا۔ مصنف تحفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب نہج البلاغہ سے حضرت علی کے وہ خطبے اور فرامین پیش کئے جن میں حضرات خلفائے ثلثہ کی تعریف ہے تو شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد نے بڑی صفائی کے ساتھ یہی تقیہ کا گیت گایا بوارق میں فرماتے ہیں کہ اگر جناب امیر علیہ السلام حضرت معاویہ کے خط میں ایسے مضامین نہ لکھتے تو آپ کے ساتھی آپ کو سرنگوں کر دیتے۔ کتب شیعہ میں زیادہ تر اقوال امام باقر و امام جعفر صادق کے ملتے ہیں شیعوں کا بیان ہے کہ ان دونوں اماموں نے مذہب شیعہ کی علانیہ تعلیم دی اور ان کے نام جو صحیفہ خدا کی طرف سے آیا تھا اس میں حکم تھا کہ تم تقیہ نہ کرو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو مگر عجب تماشا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں اور دوسری طرف یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ان دونوں اماموں کے اقوال جس قدر تقیہ پر محمول کئے گئے ہیں کسی دوسرے امام کے اس قدر نہیں۔ مولوی حامد حسین استقصاء الافحام میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں اماموں کے صحیفہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقیہ بالکل نہ کرو بلکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بہ نسبت دوسرے ائمہ کے تقیہ کم کرو۔

الغرض یہ تقیہ ہر آڑے وقت میں کام آتا ہے اور ہر لاینحل مشکل کو حل کر دیتا ہے۔ لیکن جب آخری نتیجہ پر پہنچے اور پوچھا گیا کہ حضرت آپ کے ان ائمہ کا مذہب کیا تھا جب ان کی حالت یہ تھی کہ سنیوں کے سامنے سنی اور شیعوں کے سامنے شیعہ تو یہ پتہ کیسے چلے کہ ان کا اصلی اعتقاد کیا تھا۔ بس اس سوال کو سن کر بڑے سے بڑے حیا کے دشمن کے بھی حواس مختل ہو جاتے ہیں اس وقت فبہت الذی کفر کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

مجھے خیال نہیں ہوتا کہ علمائے شیعہ میں کسی نے اس مشکل کی عقدہ کشائی پر توجہ کی ہو لیکن غالباً مولوی حامد حسین کو حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مولانا حیدر علی مصنف منتہی الکلام رحمۃ اللہ علیہما کی تحریرات نے خواہ مخواہ اس وادی میں کھینچا۔ چنانچہ استقصاء الافحام میں لکھتے ہیں کہ:۔

اعلام اہل حق تصریحات صریحہ فرمودہ اند باین کہ آئمہ علیہم السلام در ہر امریکہ تقیہ کردہ اند مسبوق بود باظہار حق یعنی اولاً امر حق را ظاہر مے کردند تا حجت تمام شود بعد آں بنا بر رعایت مصالح تقیہ مے فرمودند۔	علمائے شیعہ نے صاف صاف تصریح اس بات کی ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے جس معاملہ میں تقیہ کیا ہے وہ تقیہ اظہار کے بعد تھا یعنی پہلے وہ امر حق کو ظاہر کر دیتے تھے تاکہ حجت پوری ہو جائے بعد اس کے مصلحتوں کی رعایت کر کے تقیہ فرماتے تھے۔

مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کے تقیہ کرنے سے ائمہ کا اصلی مذہب مشتبہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ائمہ جس مسئلہ میں تقیہ کرتے تھے اس میں پہلے وہ اظہار حق کر دیتے تھے۔

اول تو اس جواب سے وہ شبہہ کیسے رفع ہوا اس کو مولوی حامد حسین صاحب یا ان کے معتقدین ہی سمجھ سکتے ہیں اور تو دنیا میں کسی کے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اچھا مان لیا کہ پہلے وہ اپنا اصلی مذہب بیان کر دیتے تھے اس کے بعد تقیہ کرتے تھے تو اس سے کیا ہوا۔ کیا پہلے سچ بول کر اس کے بعد جھوٹ بولنے سے پہلا سچ مشتبہ نہیں ہو جاتا۔

دوسرے یہ مولوی حامد حسین کا ایک بے دلیل دعویٰ ہے کہ ہر معاملہ میں ائمہ پہلے اظہار حق کر دیا کرتے تھے اگر اس کا ثبوت ان سے مانگا جائے تو وہ کیا ساری دنیا کے شیعہ نہیں دے سکتے کیا جن جن امور میں ائمہ نے تقیہ کیا ہے ان کی تاریخ شیعوں کے پاس ہے اور پھر اس اظہار حق کی بھی تاریخ موجود ہے۔

مولوی حامد حسین کی پوری طولانی عبارت مناظرہ حصہ چہارم میں نقل کر کے میں نے حسب ذیل جواب دیا تھا جس کا کوئی جواب الجواب آج تک نہیں ہوا۔ دہو ہذا:۔

مولوی حامد حسین صاحب ایک آرزوئے محال کے حاصل کرنے میں کوشاں ہیں اس کا نتیجہ سوا ملال و اضمحلال کے کچھ نہیں تقیہ کی بدولت جو اشکال احادیث مذہب شیعہ پر در د

ہوتا ہے اس کا اندفاع ناممکن ہے۔ مولوی صاحب نے جو فرمایا کہ ائمہ پہلے اظہار حق کر دیتے تھے اس کے بعد تقیہ کرتے تھے یعنی تقیہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ اظہار حق کے بعد ہوگا اس پر چند شبہات وارد ہوتے ہیں، اگر کوئی شیعہ ان شبہات کو دفع کر دے تو ہم کو اس کے مان لینے میں کچھ تامل نہ ہوگا۔ وہ شبہات حسب ذیل ہیں۔

جن لوگوں کو ائمہ سے ایسے وقت میں ملنے کا اتفاق ہوا کہ وہ از روئے تقیہ حدیث بیان فرما رہے تھے اور اس سے بیشتر ائمہ کے زبان سے انہوں نے کوئی حدیث نہ سنی تھی، وہ لوگ اس وقت کی احادیث کو کس دلیل سے تقیہ پر محمول کریں گے۔ بسا اوقات تقیہ کے اسباب و دواعی معنوی ہوتے ہیں سوا صاحب ضرورت کے دوسرے کو ان پر اطلاع نہیں ہوتی۔ (۲) فی زمانہ جن جن احادیث کو محدثین شیعہ تقیہ پر محمول کرنے میں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ حدیثیں بعد کی ہیں اور جن حدیثوں کو بغیر تقیہ کہتے ہیں، وہ پہلے کی ہیں ممکن ہے کہ امر بالعکس ہو (۳) کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ امام کو کسی مسئلہ کے بیان کرنے کا موقع اولاً بحالت تقیہ ملے اور اس وقت تک اس مسئلہ میں اظہار حق کی نوبت نہ آئی ہو۔ (۴) تقیہ کی پہچان اگر آسان ہے تو مولوی دلدار علی صاحب اساس الاصول میں یہ کیوں فرماتے ہیں کہ امتیاز انشی بعضہا عن بعض فی باب کل حدیثین مختلفین بحیث یحصل العلم والیقین بتعیین المنشا عسیر جداً فوق الطاقۃ یعنے تقیہ وغیرہ اسباب اختلاف احادیث کی تمیز ایک دوسرے سے ہر دو مختلف حدیثوں میں اس طرح کہ تعیین منشا کا علم و یقین حاصل ہو جائے سخت مشکل اور طاقت سے باہر ہے (۵) ائمہ نے ایک مسئلہ کے متعلق ایک حکم بتا دیا پھر اسی مسئلہ کے متعلق کوئی حکم اور بتائے جو حکم اول کے بھی مخالف اور باہم بھی مخالف ایسی صورت اکثر واقع بھی ہوئی ہے چنانچہ اصول کافی وغیرہ سے ہم نقل کر چکے ہیں اس صورت میں کس حکم کو تقیہ پر محمول کریں گے، اور اس کے محمول کرنے کی کیا وجہ ہوگی، اسی قسم کے اور شبہات بھی وارد ہوتے ہیں بنظر اختصار ان کو ذکر نہیں کیا جاتا خلاصہ یہ ہے کہ تقیہ کے سبب سے خلاف حق کہنے کا جو الزام ائمہ کے ذمہ تھا وہ بھی بدستور قائم رہتا ہے، اور ائمہ کے اقوال میں جو بے اعتباری پیدا ہوتی تھی وہ بھی علی حالہ باقی رہتی ہے۔

معلوم نہیں مولوی حامد حسین صاحب نے اس مضمون کے لکھ دینے میں کہ ائمہ کا تقیہ اظہار حق کے بعد ہوتا تھا کیا نفع سوچا ہے۔ کیا ایک مرتبہ سچ بول دینے کے بعد برابر جھوٹ بولتے رہنا گناہ نہیں ہے یا ایک مرتبہ سچ بول دینے کے بعد پھر جھوٹ بولنے میں امر حق کے اشتباہ کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

المختصر شیعوں کی جان عجب ضیق میں ہے اگر وہ اپنی روایات کو جھوٹا مانتے ہیں تو مذہب تشریف لے گیا اور اگر روایات کو سچا مانتے ہیں تو آئمہ کا دین مشتبہ ہوگیا، پھر بھی مذہب تشریف لے گیا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وھوا رحم الراحمین۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا

(ترجمہ) بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے، وہ بالکل جھوٹ کہتے ہیں۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ

مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا تیسرا رسالہ

موسوم بہ

الثالث من المائتین

علی

المنحرف عن الثقلین

ملقب بہ

تحقیق مسألہ بدا

جس میں بحوالہ کتب شیعہ عقیدۂ بدا کی تحقیق لکھ کر یہ بات ظاہر کی گئی ہے۔ کہ مذہب شیعہ خدا کیلئے بدا کو نہایت ضروری قرار دیکر اپنے خدا کے جاہل کہنے پر اصرار کرتا ہے اور اس پر نازاں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہٗ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ طَھَّرَھُمُ اللّٰہُ تَطْھِیْرًا ط

اما بعد مسئلہ بدا کے متعلق النجم میں کئی مرتبہ محققانہ مضامین شائع ہوئے جن میں سب سے پہلا مضمون ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ میں نکلا اور دوسرا مضمون جمادی الاول ۱۳۳۰ھ میں ان دونوں پرچوں کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً مضامین نکلتے رہے۔ ان مضامین نے مذہب شیعہ کا یہ راز فاش کر دیا کہ شیعوں کے نزدیک خدا کا جاہل ہونا نہایت ضروری عقیدہ ہے۔

بیس بائیس سال کے بعد اب سہیل لکھنؤ نے پھر اس کی یاد تازہ کر دی اور شعبان ۱۳۴۶ھ کے پرچے میں خواہ مخواہ اس مبحث پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے النجم کا نام بھی لے لیا۔ سہیل نے اپنی اس تحریر میں نہ النجم کے کسی مضمون کا جواب دیا ہے نہ اپنی روایات سے بحث کی ہے، محض اپنی لفاظیوں سے اپنے مذہب کے عیب پوشی کی ناکام کوشش کی ہے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھ دیا جائے جس میں بدا کی پوری تحقیق ہو اور سہیل کے مضمون مذکورہ بالا کا جواب بھی ہو جائے۔

مسئلہ بدا کی تحقیق سے جہاں یہ بات ظاہر ہوگی کہ مذہب شیعہ کا عقیدہ خدا کے متعلق کیا ہے وہاں یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہو جائے گی کہ مذہب شیعہ کی بقا و ترقی کے لئے اس مذہب کے تصنیف کرنے والوں نے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں، اس سے مذہب شیعہ کی حقیقت کا انشاء اللہ تعالیٰ ایک حد تک انکشاف ہو جائے گا، اور یہ بات روشنی میں آجائے گی کہ یہ مذہب کس طرح ایجاد ہوا۔

اس رسالہ کو چار فصل اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ **فصل اول** میں عقیدۂ بدا کی اہمیت اور اس کی تاکید و فضیلت کا بیان ہے **فصل دوم** میں بدا کے معنی کا بیان ہے، **فصل سوم** میں اس امر کا بیان ہے کہ عقیدۂ بدا کے ایجاد کی کیا ضرورت بانیان مذہب شیعہ کو پیش آئی۔ **فصل چہارم** میں علمائے شیعہ نے جو تاویلات بدا کے متعلق کی ہیں خصوصاً سہیل

کی تاویلات کا جواب ہوگا۔ خاتمہ میں سہیل کے پردہ نشین محقق کو اس رسالہ کے جواب کے لئے کچھ ہدایتیں کی گئی ہیں۔

فصل اوّل

جاننا چاہیئے کہ عقیدۂ بدا شیعوں کا ایک بہت بڑا مہتم بالشان عقیدہ ہے اور اس عقیدہ کی بڑی تاکید ان کے یہاں ہے اور اس پر بڑے ثواب کا وعدہ خدا کی طرف سے کیا گیا ہے۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۸۴ پر ایک مستقل باب بدا کا قائم کیا گیا ہے۔ اس باب کی حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و تعظیم اس سے زیادہ کسی بات میں نہیں ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ خدا کو بدا ہوتا ہے جب کوئی نبی ہوا تو اس سے یہ اقرار ضرور لیا گیا کہ خدا کو بدا ہوتا ہے۔ بطور نمونہ کے دو ایک حدیثیں اس باب کی ملاحظہ ہوں۔

۱ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ما عظم اللہ بمثل البدا۔

امام جعفر صادق ؑ سے روایت ہے کہ اللہ کی تعظیم بدا کی برابر کسی چیز میں نہیں ہے۔

۲ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام یقول لو علم الناس ما فی القول بالبدا من الاجر ما فتروا عن الکلام فیہ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بدا کا چرچا کرنے میں کس قدر ثواب ہے تو اس کے چرچا کرنے میں سستی نہ کریں۔

۳ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام یقول ما تنبأ نبی قط حتی یقر للہ بخمس۔ بالبدا و المشیۃ والسجود والعبودیۃ والطاعۃ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کوئی نبی کبھی نہیں ہوا یہاں تک کہ وہ اللہ کیلئے پانچ چیزوں کا اقرار کرے بدا کا اور مشیت کا اور سجود کا اور عبودیت کا اور طاعت کا۔

ان احادیث میں دیکھو کس قدر اہمیت اور فضیلت عقیدۂ بدا کی بیان کی گئی ہے اور اس عقیدہ کا چرچا کرنے میں کس قدر ثواب دکھلایا گیا ہے۔ شیعوں کو چاہیئے کہ صبح اٹھ کر

روزانہ دو ایک تسبیح اس مضمون کی پڑھ لیا کریں کہ اللہ کو بدا ہوتا ہے، اللہ کو بدا ہوتا ہے۔

اور لطف تو دیکھئے ارشاد ہوتا ہے کہ خدا کی تعظیم اس کی برابر کسی چیز میں نہیں کہ کہا جائے خدا کو بدا ہوتا ہے، اور ارشاد ہوتا ہے کہ تمام نبیوں کا متفقہ عقیدہ بدا ہے۔ غالباً اتنی اہمیت عقیدۂ توحید و عقیدۂ رسالت کی بھی کتب شیعہ میں نہ ملے گی۔

شاید شیعوں کے سوا کوئی فرقہ دنیا میں ایسا نہ ہو جس نے اپنے معبود کی ایسی توہین اس طرح جزو مذہب بنائی ہو۔ اور اسی ایک مسئلہ پر کیا موقوف اس مذہب کے جتنے مسائل ہیں سب ایک سے ایک نور علی نور ہیں۔

فصل دوم

کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے لیے اس زبان کی لغت اور اہل زبان کے محاورات سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ لفظ بدا کی تحقیق میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔

لغت کو دیکھو تو سب متفق اللفظ کہہ رہے ہیں کہ بدا لہ ای ظهر له مالم يظهر یعنی جو بات معلوم نہ تھی اس کے معلوم ہو جانے کو بدا کہتے ہیں۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جو بات اب معلوم ہوئی پہلے اس کے خلاف کا علم تھا جو اب غلط ثابت ہوا، یا پہلے سے کچھ علم نہ تھا۔ پہلی صورت جہل مرکب کی اور دوسری صورت جہل سادہ کی ہے۔

اللہ کو بدا ہوتا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ اللہ جاہل ہے اور اس کے معلومات غلط بھی ہو جاتے ہیں۔

بدا کا مستلزم جہل ہونا علمائے شیعہ کے اقرار سے اور سہیل کے کلام سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آئندہ ہم لکھیں گے۔

قرآن مجید میں بھی بدا کے لفظ کئی جگہ وارد ہوئے ہیں، اور ہر جگہ یہی معنی ہیں کہ نا معلوم چیز معلوم ہو جائے چنانچہ سورہ یوسف میں ہے ثم بدا لهم من بعد ما رأوا الايات ليسجننه حتى حين یعنی حضرت یوسف کی پاکدامنی کے دلائل دیکھنے کے بعد لوگوں کو یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ کچھ دنوں کے لیے ان کو قید کر دیں۔ قید کرنے کی رائے نئی پیدا ہوئی جو پہلے

نہ تھی اسی کا نام جہل ہے۔

اگرچہ لغت اور محاورات سے بدا کے معنی متعین ہو چکے لیکن پھر بھی تاویل کی گنجائش باقی ہے مگر جس ضرورت کے لئے یہ عقیدہ تصنیف کیا گیا تھا، وہ ضرورت اس بات کو چاہتی تھی کہ تاویل کا دروازہ بالکل بند ہو جائے چنانچہ کچھ واقعات بدا کے تصنیف کئے گئے اور ان واقعات میں بدا کی حقیقت اس طرح متعین کی گئی کہ اب کوئی شخص تاویل نہیں کر سکتا، الفاظ کی تاویل ہو سکتی ہے مگر واقعات کی تاویل ممکن نہیں۔ ان واقعات نے صاف ظاہر کر دیا کہ بدا سے مراد خدا کا جاہل ہونا ہے اور مذہب شیعہ اسی کی تاکید کرتا ہے۔

بدا کے واقعات جو شیعوں کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں ان میں سے دو تین واقعہ اس جگہ لکھے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ امام مہدی کا ہے کہ خدا کو کئی مرتبہ اور کئی قسم کا بدا ان کے متعلق ہوا اور ہر مرتبہ خدا کو اپنی رائے بدلنی پڑی۔ سب سے پہلے خدا نے امام مہدی کے ظہور کے لئے ۷۰ھ مقرر کیا مگر ۶۱ھ میں شیعوں نے امام حسین کو قتل کر کے خدا کو ناراض کر دیا اس لئے ۷۰ھ کی پیشین گوئی ٹل گئی یعنی شیعہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم کر دیئے گئے، پھر ۱۴۰ھ مقرر ہوا مگر یہ سنہ بھی گزر گیا اور امام مہدی کا ظہور نہ ہوا۔ پھر ایک مرتبہ خدا نے امام جعفر صادق ہی کو امام مہدی بنانے کی تجویز کی لیکن بعد میں یہ رائے بھی بدل گئی۔

اصول کافی مطبوعہ لکھنو صفحہ ۲۳۲ میں ہے:-

عن ابی حمزة الثمالی قال سمعت	ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے وہ کہتا ہے
اباجعفر علیہ السلام یقول یا	میں نے امام باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے
ثابت ان اللہ تبارك وتعالیٰ	سنا کہ اے ثابت اللہ تبارک و تعالیٰ نے
قد کان وقت ھذا الامر فی السبعین	اس امر یعنی ظہور مہدی کو ۷۰ھ میں مقرر کیا
فلما ان قتل الحسین صلوات	تھا مگر جب حسین صلوات اللہ علیہ قتل کر
اللہ علیہ اشتد غضب اللہ	دیئے گئے تو اللہ کا غصہ اہل زمین پر بہت
علی اھل الارض فاخرہ الی	سخت ہو گیا، لہٰذا اللہ نے ظہور مہدی

اربعين ومائة فحدثناكم فاذعتم الحديث فكشفتم قناع الستر ولم يجعل الله بعد ذلك وقتا عندنا قال ابوحمزة فحدثت اباعبدالله عليه السلام فقال قد كان ذالك۔

کو ۱۴۰ھ تک مؤخر کردیا مگر ہم نے تم سے یہ بات بیان کردی اور تم نے اس بات کو مشہور کردیا اور راز فاش کردیا اب اللہ نے اس کا کوئی وقت ہمیں نہیں بتایا۔ ابوحمزہ کہتا ہے میں نے یہ سب باتیں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کیں تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہوا۔

اس روایت کو دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ یا تو خدا کو یہ خبر نہ تھی کہ امام حسین ۶۰ھ سے پہلے قتل کردیئے جائیں گے یا یہ تو معلوم تھا مگر یہ علم نہ تھا کہ ان کے قتل پر مجھے اس قدر غصہ آجائیگا کہ اپنی بات کا بھی پاس ولحاظ نہ رہے گا پھر اس کے بعد ۱۴۰ھ کی بابت یا تو خدا کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ آئمہ شیعوں سے اس راز کو بیان کردیں گے، یا یہ علم نہ تھا کہ شیعہ راز داری نہ کریں گے یا یہ علم نہ تھا کہ اس راز کے فاش ہوجانے پر مجھے اپنی رائے کے بدلنے کی ضرورت پیش آجائے گی۔

علامہ طوسی کتاب الغیبۃ میں (علی مانقلہ القزوینی) لکھتے ہیں:۔

عن ابی حمزة الثمالی قال قلت لابی جعفر علیه السلام ان علیا کان یقول الی السبعین بلاء وکان یقول بعد البلاء رخاء وقد مضت السبعون ولم نر رخاء۔

ابوحمزہ ثمالی کہتا ہے میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا کہ علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ۷۰ھ تک مصائب ہیں اور بعد مصائب کے راحت ہوگی مگر ۷۰ھ گزر گیا اور ہم کو راحت نصیب نہ ہوئی۔

نیز اسی کتاب الغیبۃ میں ہے:۔

عن عثمان بن النواء قال سمعت اباعبدالله علیه السلام یقول كان هذا الامر فيَّ

عثمان بن نواء سے روایت ہے وہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امر یعنی مہدی کا

فاخرہ اللہ و یفعل اللہ بعد فی ذریتی ما یشاء۔	منصب میرے لئے تھا مگر خدا نے اس کو پیچھے کر دیا، اور اب اللہ میری اولاد میں جو چاہے گا کرے گا۔

اس روایت سے دو واقعہ بدا کے ثابت ہوتے ہیں **اوّل** یہ کہ امام جعفر صادق کو یہ منصب امام مہدی کا ملنے والا تھا، مگر خدا کو بدا ہوا اور وہ اس دولت سے محروم کر دیئے گئے۔ **دوم** یہ کہ پہلے خدا کی رائے سلسلہ امامت کو بارہ امام پر ختم کرنے کی تھی اس لئے کہ بارہ اماموں کے نام کے بارہ لفافے سربمہر رسول پر نازل کئے تھے مگر پھر یہ رائے ہوئی کہ چھ پر یہ سلسلہ ختم کر دیا جائے، اور امام جعفر صادق جو چھٹے امام ہیں آخری امام بنا دیئے جائیں امام مہدی کا آخری امام ہونا پہلے ہی سے معین ہے لہٰذا اگر امام جعفر صادق ہی امام مہدی ہوتے تو امام صرف چھ ہوتے بارہ نہ ہوتے مگر خدا جانے اس رائے میں کیا غلطی محسوس ہوئی کہ پھر وہی بارہ امام کی تجویز عود کر آئی۔

ایک اور لطیفہ قابل سننے کے ہے امام باقر علیہ السّلام سے خدا کی رائے بار بار بدلنے کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے کہہ دیا کہ جن لوگوں نے ظہور مہدی کا وقت بتایا وہ سب جھوٹے تھے اصول کافی صفحہ ۲۲۳ میں ہے:۔

عن ابی جعفر علیہ السّلام قال قلت لھذا الامر وقت فقال کذب الوقاتون کذب الوقاتون کذب الوقاتون۔	امام باقر علیہ السّلام سے روایت ہے راوی کہتا ہے میں نے اُن سے کہا کہ کیا ظہور مہدی کا کوئی وقت مقرر ہے تو امام نے فرمایا کہ وقت کے بیان کرنے والے جھوٹے تھے جھوٹے تھے جھوٹے تھے۔

ظہور مہدی کا وقت بتانے والے ائمہ تھے جیسا کہ ہم اصول کافی کی روایت اوپر نقل کر چکے لہٰذا بقول امام باقر وہ سب جھوٹے ہوئے۔ استغفر اللہ۔

دوسرا واقعہ بدا کا جو پہلے سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہے اسمٰعیل فرزند امام جعفر صادق کا واقعہ ہے۔ امام جعفر صادق کے بعد کے لئے خدا نے ان کے بڑے بیٹے اسمٰعیل کو امامت کے لئے

نامزد کیا۔ ظاہر ہے کہ ان بارہ لفافوں میں جو ہر امام کے نام کے رسول پر اُترے تھے اسمٰعیل کے نام کا بھی لفافہ ہوگا۔ اور اسمٰعیل اپنی والدہ کی ران سے پیدا بھی ہوئے ہوں گے اور سب علامات امامت ان میں موجود ہوں گی، ورنہ امامت کے لئے ان کا نامزد ہونا چہ معنی۔ پھر اسمٰعیل ہی بڑے بیٹے بھی تھے اور حسب روایات شیعہ امامت بڑے بیٹے کو ملا کرتی ہے۔ دیکھو اصول کافی صفحہ ۱۷۴۔ مگر افسوس کہ اسمٰعیل اپنے والد کے سامنے مر گئے اور خدا کی تجویز غلط ہوگئی۔ بالآخر خدا نے موسیٰ کاظم کو امام بنایا۔

اگر خدا کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ اسمٰعیل کی عمر بہت کم ہے وہ اپنے باپ کے سامنے ہی مر جائیں گے۔ تو اسمٰعیل کو امامت کے لئے نامزد کر کے کیوں پشیمان ہوتا۔

بحار الانوار میں روایت ہے جس کو علامہ طوسی نے بھی نقد المحصل میں ذکر کیا ہے۔

عن جعفر الصادق انه جعل اسماعيل القائم مقامه بعده فظهر من اسماعيل ما لم يرتضه فجعل القائم مقامه موسى فسئل عن ذلك فقال بدا الله فی اسماعيل۔

جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے اسمٰعیل کو اپنا قائم مقام اپنے بعد کے لئے قرار دیا مگر اسمٰعیل سے وہ بات ظاہر ہوئی جس کو انہوں نے پسند نہیں کیا۔ لہٰذا انہوں نے موسیٰ کاظم کو اپنا قائم مقام بنایا اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو کہا کہ اللہ کو اسمٰعیل کی بابت بدا ہوگیا۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ جس کو شیخ صدوق نے رسالہ اعتقادیہ میں لکھا ہے یہ ہیں۔

ما بدا الله فی شئ كما بدا له فی اسمٰعيل ابنی۔

ایسا بدا اللہ کو کبھی کسی چیز میں نہیں ہوا جیسا بدا میرے بیٹے اسمٰعیل کی بابت ہوا۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ سے ایسی غلطی کبھی نہیں ہوئی جیسی اسمٰعیل کے متعلق ہوئی کہ بغیر سوچے سمجھے ان کی امامت کا حکم دیدیا اور یہ بھی خبر نہ تھی کہ وہ اپنے باپ کے سامنے ہی مر جائیں گے۔

تیسرا واقعہ بدا کا پھر امامت ہی کے متعلق ہے شیعوں کا خدا بھی عجیب ہے کہ ایک مرتبہ جب مسئلہ امامت میں بدا ہو چکا تھا تو پھر دوبارہ اُس نے احتیاط سے کیوں کام نہ لیا ایک

ہی معاملہ میں بار بار غلطی کرنا ادنیٰ عقلمند کی شان سے بعید ہے چہ جائیکہ خدا، مگر مسئلہ امامت ہے بھی بڑا نازک مسئلہ کتنا ہی سوچ سمجھ کر کام لیا جائے پھر بھی خدا سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس تیسرے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ امام نقی کے بعد کے لئے خدا نے ان کے بیٹے ابو جعفر کو امامت کے لئے نامزد کیا مگر ابو جعفر اپنے والد کے سامنے مر گئے اس وقت خدا نے حسن عسکری کو امامت کے لئے منتخب کیا۔ شیعوں میں اس واقعہ کی متعلق بڑی کھلبلی پڑی تو امام نقی علیہ السلام نے فرمایا خدا کو میرے ابو جعفر کے متعلق ویسا ہی بدا ہوا جیسا اسمٰعیل کے متعلق ہوا تھا۔ اصول کافی صفحہ ۲۰۴ پر یہ روایت ملاحظہ ہو۔

عن ابی الهاشم الجعفری قال كنت عند ابی الحسن علیه السلام بعد ما مضی ابنه ابو جعفر وانی لافكر فی نفسی ارید ان اقول كانهما اعنی ابا جعفر وابا محمد فی هذا الوقت كابی الحسن موسی واسمعیل بن جعفر بن محمد علیهم السلام و ان قصته كقصتهما اذ كان ابو محمد المرجا بعد ابی جعفر فاقبل علی ابو الحسن علیه السلام قبل ان انطق فقال نعم یا ابا هاشم بدا لله فی ابی محمد كما بدا لله فی موسی بعد مضی اسماعیل ما كشف به عن حاله وهو كما حدثتك نفسك وان كره المبطلون

ابو الہاشم جعفری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، امام نقی علیہ السلام کے پاس گیا بعد اس کے کہ ان کے بیٹے ابو جعفر کا انتقال ہوا میں اپنے دل میں فکر کر رہا تھا چاہتا تھا کہ کہوں کہ ان دونوں یعنی ابو جعفر اور حسن عسکری کی حالت اس وقت موسیٰ کاظم اور اسمٰعیل فرزندان جعفر صادق کی مثل ہوئی اور ان کا قصہ بھی اسی قصہ کے مانند ہے کیونکہ حسن عسکری ابو جعفر کے بعد پیدا ہوئے تھے پس امام نقی علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں فرمایا اے ابو الہاشم اللہ کو حسن عسکری کے متعلق ویسا ہی بدا ہوا جیسا بدا موسیٰ کاظم کے لئے اسمٰعیل کے مرنے کے بعد ہوا جس نے اسمٰعیل کے حال کو ظاہر کر دیا ہاں یہ معاملہ ویسا ہے جیسا کہ تم نے اپنے دل میں خیال کیا اگرچہ گمراہ لوگ اس کو پسند نہ کریں میرے بیٹے حسن عسکری کے

وابو محمد ابنی الخلف من بعدی عندہ علم ما یحتاج الیہ ومعہ آلة الامامة۔	پاس جو میرا خلیفہ ہے تمام ان اشیاء کا علم ہے جن کی حاجت ہے اور اس کے پاس آلہ[1] امامت بھی ہے۔

اگرچہ بدا کے واقعات ابھی اور بھی نقل کئے جا سکتے ہیں لیکن اس وقت اسی قدر کافی ہیں ان واقعات سے بدا کے معنی پورے طور پر واضح ہو گئے معلوم ہوا کہ شیعوں کے خدا کو تمام اشیاء کا علم نہیں ہے بہت سی چیزوں سے وہ جاہل ہے اسی وجہ سے اس کی رائے غلط ہو جایا کرتی ہے، اور اس کو اپنی تجویز بدلنی پڑتی ہے (نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات)

اب خود غور کرو کہ ان واقعات کی تاویل کوئی کیسے کر سکتا ہے، صرف الفاظ ہوتے تو یقیناً ان کی تاویل ممکن تھی، اور اگر وہ تاویل قاعدہ کے مطابق ہوتی اور اس کا قبول کرنا بھی ضروری ہوتا۔ ان واقعات نے بعض متعصب ترین علمائے شیعہ کو مجبور کر دیا، اور ان کو صاف لفظوں میں کہنا پڑا کہ عقیدہ بدا کا مطلب یہ ہے کہ خدا جاہل ہے، شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی باوجود اس ہمہ تعصب اپنی کتاب اساس الاصول مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۶۴ھ میں صفحہ ۲۱۹ پر جہاں یہ لکھا ہے کہ محقق طوسی نے بدا کا انکار کیا ہے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

واعلم ان البدا لا ینبغی ان یقول بہ احد لانہ یلزم منہ ان یتصف الباری تعالیٰ بالجہل کما لا یخفی۔	جاننا چاہیئے کہ عقیدہ بدا اس لائق نہیں کہ کوئی شخص اس کا قائل ہو کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ جاہل ہو جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

یعنی بدا سے خدا کا جاہل ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ بالکل ظاہر ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

ف:۔ یہاں سے ایک بات اور سمجھ لینی چاہیئے، علمائے شیعہ اب بھی وقتاً فوقتاً اپنے مذہب کی ترمیم کیا کرتے ہیں، دعویٰ تو یہ ہے کہ مذہب شیعہ کی بنیاد ائمہ اہل بیت کی تعلیم پر مگر مولوی دلدار علی صاحب عقیدۂ بدا میں احادیث ائمہ کے برخلاف فرماتے ہیں کہ بدا کا قائل نہ ہونا چاہیئے، بہرکیف مولوی دلدار علی صاحب بدا کے قائل ہوں یا نہ ہوں مذہب شیعہ اس کا قائل ہے۔

[1] معلوم ہوا امامت کیلئے کسی آلہ کی بھی حاجت ہوتی ہے امامت کیا ہوئی لوہار بڑھئی کا پیشہ ہو گیا۔ استغفر اللہ ۱۲۔

ایک لطیفہ شیعوں کے امام المناظرین مولوی حامد حسین صاحب نے اپنی کتاب استقصار الافحام مجلد اول میں بدا کی بحث صفحہ ۱۲۸ سے صفحہ ۱۵۸ تک پورے تیس صفحہ میں لکھی ہے اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

رجوع بہ کتب کلامیہ وتدقیقات وتحقیقات اعلام مانند آیۃ اللہ فی العالمین وعلامہ دہلوی و عالیشان رضوان اللہ علیہم شاہد عدل براں است کہ در قول بالبدا اصلا شنعتی وقباحتے و ایرادے واعتراضے لازم نمی آید۔

علم کلام کی کتابوں اور علما کی تدقیقات وتحقیقات کی طرف رجوع کرنا مثلاً آیۃ اللہ فی العالمین یعنی مولوی دلدار علی ومصنف نزہہ وغیرہ کی تصنیفات کا دیکھنا اس بات کا بہترین گواہ ہے کہ بدا کے عقیدہ میں کوئی برائی اور کسی قسم کا اعتراض لازم نہیں آتا۔

مولوی حامد حسین کی دلیری اور مشاقی دیکھیے کہ جن لوگوں نے عقیدہ بدا کو سراہا ہے ان میں سب سے پہلا نام مولوی دلدار علی صاحب کا لکھا حالانکہ مولوی دلدار علی اس کی منت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ بدا سے خدا کا جاہل ہونا لازم آتا ہے لہذا کسی کو اس کا قائل نہ ہونا چاہیے جیسا کہ اساس الاصول کی عبارت آپ دیکھ رہے ہیں۔

مولوی حامد حسین صاحب کی دونوں کتابیں عبقات واستقصار اس قسم کی کارروائیوں سے لبریز ہیں چنانچہ النجم دور جدید میں ان کی یہ کارروائیاں بہت زیادہ پیش کی جا چکی ہیں اس کے علاوہ مترادف الفاظ لکھ کر عبارت کو طول دینے اور کتاب کا حجم بڑھانے کی بھی خوب مشق ان کو ہے جس کا ہلکا سا نمونہ ان کی عبارت منقولہ بالا میں موجود ہے۔

فصل سوم

دور فتن کے شروع ہونے پر جب کہ صحابہ کرام کا عہد قریب اختتام تھا ایک یہودی عبداللہ بن سبا کس طرح منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوا اور پھر اس نے اسلام کے بگاڑنے کے لئے کس طرح ایک منظم سازش کی اور کس طرح اس نے مذہب شیعہ کی بنیاد رکھی، اور محبت اہل بیت کے پردہ میں قرآن مجید کے مشکوک بنانے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے دلائل کو مجروح کرنے کی کیا کیا تدبیریں اختیار کیں گو یہ حالات بجائے خود

بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہیں مگر یہ مقام اس طوالت کا متحمل نہیں پھر کسی حد تک اپنی بعض تالیفات میں ان حالات کو میں بیان بھی کر چکا ہوں۔

اس وقت ہم کو صرف ان حالات کا بیان کرنا ضروری ہے جن سے عقیدۂ بداکے ایجاد کی ضرورت کا پتہ چلے اور اُن کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ کی تکمیل و ترویج کا کام جب کوفہ کی اس خفیہ کمیٹی کے ہاتھ میں آیا جس کے پریذیڈنٹ ایک وقت میں زرارہ صاحب تھے تو ان لوگوں کو مذہب شیعہ کی بقا و ترقی میں دو چیزیں سدِّ راہ نظر آئیں۔

اوّل یہ کہ مذہب شیعہ اور اس کی تعلیمات کو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنا ہی ایک جادو کا منتر تھا جو سادہ لوحوں پر بہت جلد اثر کرتا تھا۔ لیکن اس میں بڑی خرابی یہ تھی کہ شیعہ راوی ائمہ سے اپنی روایات کی تصدیق نہ کرا سکتے تھے، اور جب کبھی تصدیق کا موقع پیش آجاتا تو ائمہ ان کو جھٹلا دیتے تھے[1] اور ہمیشہ علانیہ طور پر مذہب اہل سنت کے موافق اپنا اعتقاد ظاہر کیا کرتے[2]

---

[1] اس قسم کے واقعات خود شیعوں کی کتابوں میں بہت ہیں از انجملہ اصول کافی صفحہ ۱۴۲ میں ہے:۔

عن سعید السمان قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام اذ دخل علیہ رجلان من الزیدیہ فقالا افیکم امام مفترض الطاعۃ قال فقال لا فقالا لہ قد اخبرنا عنک الثقات انک تفتی وتقر و تقول بہ ونسمیھم لک فلان وفلان وھم اصحاب ورع و تشمیر وھم ممن لا یکذب فغضب ابو عبد اللہ علیہ السلام وقال ما امرتھم۔

سعید روغن فروش سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا یکا یک دو شخص زیدیہ فرقہ کے آئے، اور ان دونوں نے کہا کہ کیا آپ لوگوں کے درمیان میں کوئی امام مفترض الطاعۃ ہے جعفر صادق نے کہا نہیں۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ہمیں معتبر لوگوں نے آپ سے روایت کرکے خبر دی کہ آپ اس کا فتوی دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں اور ہم آپ کو ان لوگوں کے نام بتلاتے ہیں فلاں اور فلاں یہ لوگ پرہیزگار لوگ ہیں اور جھوٹے لوگوں میں سے نہیں ہیں، تو امام جعفر صادق غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ان کو اس بات کا حکم نہیں دیا۔

شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین مجلس پنجم صفحہ ۱۴۶ میں اسی مضمون کی روایت ایک دوسری کتاب سے نقل کی ہے ان کی اصل عبارت یہ ہے "درکتاب مختار از سعید منقول ست کہ گفت روزے در خدمت امام جعفر علیہ السلام بودم کہ دو کس در مجلس اذن دخول طلبیدند و آنحضرت ایشاں را اذن کرد چوں بہ نشستند یکے از ایشاں از اہل مجلس پرسید کہ آیا در شما امام مفترض الطاعۃ ہست آنحضرت فرمودند کہ چنیں کسی در میان خود نمی شناسیم او گفت در کوفہ قومے ہستند کہ زعم ایشاں آنست کہ در میان شما امام مفترض الطاعۃ موجود ست و ایشاں دروغ نمی گویند زیراکہ صاحب ورع واجتہاد اند و از جملہ ایشاں عبد اللہ یعفور و فلاں و فلاں اند پس آنحضرت فرمودند کہ من ایشاں را باین اعتقاد امر نکردم گناہ من دریں چیست" ۱۲۔

[2] چنانچہ سنی شیعہ دونوں کتابوں میں ان تمام ائمہ سے تینوں خلیفہ خصوصاً حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اور تمام مہاجرین و انصار کے فضائل منقول ہیں حضرت علی سے کتب اہل سنت میں اسی سند کے ساتھ خیر الامۃ بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر مروی ہے یعنی اس امت میں بعد نبی کے سب سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر نیز شیعہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

تھے، اور اعمال[1] بھی ان کے اہل سنت کے مطابق ہوتے تھے۔ پس ایسی حالت میں کون شخص شیعہ راویوں کی بات پر اعتبار کر کے مذہب شیعہ کو ائمۂ اہل بیت کا مذہب یقین کر سکتا تھا خصوصاً ایسی حالت میں کہ شیعہ راوی جو اپنے کو اصحاب آئمہ کہتے تھے دروغگوئی میں ایسے ضرب المثل تھے کہ تمام علمائے جرح و تعدیل ان کو اکذب[2] الناس کہتے تھے حتیٰ کہ خود کتب شیعہ میں بھی ان کے جھوٹے ہونے کا اقرار[3] موجود ہے۔

دوم یہ کہ لوگوں کو مذہب شیعہ کی طرف راغب کرنے کے لئے جو پیشین گوئیاں ائمہ کی طرف سے بیان کی گئی تھیں مثلاً یہ کہ فلاں سنہ میں امام مہدی کا ظہور ہو جائیگا، اور تمام دنیا میں شیعوں کی حکومت اور سلطنت ہو گی اور بڑے عیش و عشرت کے سامان ان کو نصیب ہوں گے، اور جو شیعہ نہ ہوگا اس پر مصائب کے پہاڑ توڑے جائیں گے وغیرہ وغیرہ ان پیشین گوئیوں کا وقت

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) سنی دونوں کی کتابوں میں ان آئمہ سے اپنی عصمت و افتراض طاعت کی نفی منقول ہے اور یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ سنیوں کے سامنے ان آئمہ نے شیعوں کے خانہ ساز مسائلہ امامت کو بیان کر کے ختم نبوت کا انکار کیا ہو یا قرآن کو محرف کہہ کر اس کی توہین کی ہو وغیرہ وغیرہ ۱۲۔ [1] جو اعمال مذہب شیعہ سے خصوصیت رکھتے ہیں ان اعمال کا علانیہ بجالانا کتب شیعہ سے بھی ثابت نہیں کسی امام نے کبھی متعہ نہیں کیا اپنی بیٹی کسی کو متعہ میں نہیں دی، شیعوں کی کتاب استبصار کو دیکھو جو ان کی اصول اربعہ میں داخل ہے شروع کتاب الطہارۃ سے لے کر آخیر تک کوئی باب ایسا نہ ملے گا جس میں آئمہ سے افعال و اقوال مختلف منقول نہ ہوں اور ان میں جو قول و فعل شیعوں کو پسند نہیں آیا وہ تقیہ پر محمول نہ ہو۔ ۱۲۔

[2] امام شافعی فرمایا کرتے تھے لا تجالسوھم ولا تکلموھم فانھم اکذب الناس یعنی روافض کے پاس نہ بیٹھو ان سے بات نہ کرو یہ لوگ بڑے جھوٹے ہیں (دیکھو منہاج السنہ)

[3] چنانچہ اصول کافی صفحہ ۲۲۷ میں عبداللہ بن ابی یعفور سے روایت ہے۔

قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام انی اخالط الناس فیکثر عجبی من اقوام لا یتولونکم ویتولون فلانا وفلانا لھم امانۃ وصدق ووفاء واقوام یتولونکم لیس لھم تلک الامانۃ ولا الوفاء ولا الصدق قال فاستوی ابو عبد اللہ جالسا فاقبل علی کالغضبان ثم قال لا دین لمن دان بولایۃ امام لیس من اللہ ولا عتب علی من دان بولایۃ امام من اللہ۔

وہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ میں لوگوں سے ملتا ہوں تو مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ تم سے تولا نہیں کرتے بلکہ فلاں اور فلاں (یعنی ابوبکر و عمر) کو مانتے ہیں ان میں امانت ہے سچائی ہے وفا ہے اور جو لوگ تم کو مانتے ہیں ان میں نہ یہ امانت ہے، نہ وفا ہے نہ سچائی پس امام جعفر صادق سیدھے ہو کر اور میری طرف مثل غصہ سے بھرے ہوئے شخص کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جس نے ایسے امام کو مانا جو منجانب اللہ نہیں ہے وہ بے دین ہے اور جس نے ایسے امام کو مانا جو منجانب اللہ ہے اس پر کوئی عتاب نہیں۔

اس روایت میں دو باتوں کا اقرار ہے سنیوں کے سچے ہونے کا اور شیعوں کے جھوٹے کا یہ حال ان شیعوں کا ہے جو آئمہ کی صحبت میں رہتے تھے اب آج کل کے شیعوں کی حالت کیا ہے خدا ہی جانتا ہے ۱۲۔

گزر چکا تھا اور ان کا جھوٹ سب پر ظاہر ہو چکا تھا۔

یہ دونوں مشکلیں ایسی خطرناک تھیں کہ مذہب شیعہ کو ان سے جانبری دشوار تھی، لہٰذا ان دونوں مشکلوں کے حل کرنے کے لئے تقیہ اور بدا ایجاد کیا گیا۔

پہلی مشکل تو تقیہ سے حل کی گئی اور کہا گیا کہ ائمہ اہل بیت تقیہ کرتے ہیں، ان کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور، علانیہ وہ سب کے سامنے سنی بنے ہوئے ہیں اپنا اصلی مذہب سوا ہمارے اور سب سے چھپاتے ہیں، اپنا اصلی مذہب صرف ہمیں تنہائی میں تعلیم کرتے ہیں۔

شیعہ راویوں نے تقیہ کے عظیم الشان فضائل بیان کرنا شروع کئے اور سینکڑوں روایتیں تقیہ کی فضیلت میں گڑھ لیں کہ تقیہ اللہ کا دین ہے۔ تمام آئمہ اور پیغمبر تقیہ کرتے رہے دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ تقیہ میں ہیں اور ایک حصہ باقی عبادات میں، جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین و بے ایمان ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو اصول کافی)۔

بہر کیف تقیہ نے یہ مشکل تو حل کر دی مگر اس سے زیادہ یہ مشکل پیدا کر دی کہ اب ان ائمہ کا ایمان ثابت کرنا شیعوں کے اولین و آخرین کی طاقت سے باہر ہو گیا جب ان کی عادت تقیہ کرنے کی تھی تو ممکن ہے کہ ان کا اصلی مذہب یہودی یا عیسائی یا مجوسی ہو یا اپنے پُرانے خاندانی مذہب بت پرستی پر ہوں اور مسلمانوں سے تقیہ کر کے اپنے کو مسلمان کہتے ہوں **درحقیقت** اگر شیعہ تقیہ سے دست بردار ہو جائیں اور ائمہ کے ظاہر و باطن کو یکساں مان لیں تو پھر ایک منٹ کے لئے مذہب کا وجود باقی نہیں رہ سکتا اور پھر یہ دعویٰ کسی طرح نہیں کیا جا سکتا کہ مذہب شیعہ ائمہ اہل بیت سے ماخوذ ہے۔

دوسری مشکل بدا کے ذریعہ سے حل کی گئی اور کہا گیا کہ پیشین گوئیاں ہم نے اپنی طرف سے نہیں بنائیں جو کچھ اماموں نے ہم سے فرمایا وہ ہم نے بیان کر دیا اور اماموں نے بھی جھوٹ نہیں بولا ان سے خدا نے ایسا ہی فرمایا تھا مگر خدا کو بدا ہو گیا اس میں ہماری یا اماموں کی کیا خطا بدا نے اس مشکل کو تو حل کر دیا لیکن خدا کے بدل کہنے کا داغ جو مذہب شیعہ کی پیشانی پر لگایا اس کو اب قیامت تک کوئی نہیں مٹا سکتا۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی   مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بدا کے ایجاد کی جو ضرورت بیان کی گئی وہ محض قیاسی نہیں بلکہ روایات شیعہ میں اور علمائے شیعہ کے اقوال میں اس کا اقرار موجود ہے۔

اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۳۲ میں ایک سنی اور ایک شیعہ کی گفتگو اسی کے متعلق منقول ہے کہ آئمہ شیعہ کی پیشین گوئیاں غلط کیوں نکل جاتی ہیں اس گفتگو میں صاف صاف یہ اقرار موجود ہے اصل عبارت اصول کافی کی یہ ہے:۔

عن الحسن بن علی بن یقطین عن اخیه الحسین عن ابیه علی بن یقطین قال قال لی ابو الحسن الشیعة تربی منذ مائتی سنة قال قال یقطین لابنه علی بن یقطین ما بالنا قیل لنا فکان و قیل لکم فلم یکن فقال له علی ان الذی قیل لنا و لکم کان من مخرج واحد غیر ان امرکم حضر فاعطیتم محضه فکان کما قیل لکم وان امرنا لم یحضر فعللنا بالامانی فلو قیل لنا ان هذا الامر لا یکون الا الی مائتین او ثلث مائة سنة لقست القلوب ولرجع عامة الناس عن الاسلام

حسن بن علی بن یقطینؓ سے روایت ہے وہ اپنے بھائی حسین سے وہ اپنے والد علی بن یقطین سے روایت کرتا ہے کہ مجھ سے ابوالحسن نے کہا کہ شیعہ دو سو برس سے بہلا بہلا کر رکھے جاتے ہیں یقطین (سنی) نے ایک روز اپنے بیٹے علی سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ جو پیشین گوئی ہم لوگوں سے ہمارے پیشواؤں نے بیان کی وہ پوری ہوتی ہے مگر تم سے تمہارے اماموں نے جو پیشین گوئی بیان کی وہ پوری نہیں ہوتی تو علی نے جواب دیا کہ جو باتیں ہم سے یا تم سے بیان کی گئیں سب ایک ہی ذات کی طرف سے ہیں مگر تمہارے کام کا وقت آگیا تھا لہٰذا تمہاری پیشین گوئی پوری ہو گئی اور ہمارے کام کا ابھی وقت نہیں آیا لہٰذا ہم لوگ آرزوؤں میں بہلائے گئے۔ اگر ہم سے کہا جاتا کہ یہ کام دو سو یا تین سو برس

؎ سنی باپ تھا اور شیعہ بیٹا تھا۔ سنی کا نام یقطین تھا اور شیعہ کا نام علی تھا۔ سنی باپ کا شیعہ بیٹا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدامت مذہب اہل سنت ہی کو ہے ۱۲۔

ولكن قالوا ما اسرعه وما اقربه تالفا لقلوب الناس۔

تک نہ ہوگا تو ہم لوگوں کے دل سخت ہوجاتے اور اکثر لوگ اسلام سے پھر جاتے اس لئے آئمہ نے کہا کہ یہ کام بہت جلد ہوگا بہت قریب ہوگا۔ یہ لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے۔

اس روایت میں صاف اقرار ہے کہ شیعوں کی تالیف قلب کے لئے اور ان کو ارتداد سے بچانے کے لئے یہ پیشین گوئیاں بیان کی گئیں لہٰذا اس کو چاہے یوں تعبیر کیجئے کہ شیعوں کے بہلانے کے لئے جھوٹ بولا گیا اور عمداً غلط پیشین گوئی بیان کی گئی یا یہ کہئے کہ عمداً غلط بیانی نہیں کی گئی۔ بلکہ علم کے ناقص ہونے کے سبب سے پیشین گوئی غلط ہوگئی۔

ہاں اس روایت میں یہ بات بالکل دروغ بے فروغ ہے کہ ائمہ نے یہ کہا تھا کہ "یہ بات بہت جلد ہوگی عنقریب ہوگی"، یعنی وقت نہیں مقرر کیا تھا۔ وقت کا تقرر ائمہ سے خود اصول کافی ہی کی روایات میں موجود ہے چنانچہ فصل دوم میں ہم وہ روایت نقل کر چکے ہیں۔

شیعوں کے قبلۃ القبلات مولوی حامد حسین صاحب استقصاء الافحام جلد اول صفحہ ۱۲۰ میں بدا کی تاویلات کے سلسلہ میں ایک تاویل اپنے علامہ مجلسی سے نقل کرتے ہیں اور اس کو بہت پسند فرماتے ہیں ان کی عبارت منقولہ یہ ہے۔

ومنها ان يكون هذه الاخبار تسلية لقوم من المومنين المنتظرين بفرج اولياء الله وغلبة الحق واهله كما روى فى فرج اهل البيت عليهم السلام وغلبتهم لانهم عليهم السلام لو كانوا اخبروا الشيعة فى اول ابتلاءهم باستيلاء المخالفين وشدة محنتهم انه ليس فرجهم

منجملہ ان تاویلات کے یہ ہے کہ یہ پیشین گوئیاں ان مومنین کی تسلی کے لئے ہیں جو دوستان خدا کی کشائش اور حق و اہل حق کے غلبہ کے منتظر رہتے تھے جیسا کہ اہل بیت علیہم السلام کی کشائش اور ان کے غلبہ کے متعلق روایتیں ہیں۔ اگر آئمہ شیعوں کو ابتدائے مصیبت میں یہ خبر دیتے کہ مخالفوں کا غلبہ رہے گا۔ اور تمہاری مصیبت ابھی ترقی کرے گی اور تمہاری کشائش ہزار یا دو ہزار سال کے بعد ہوگی تو شیعہ مایوس ہوجاتے اور دین سے پھر جاتے اس لئے

الابعد الف سنة او الف سنة ليشوا و رجعوا عن الدين ولكنهم اخبروا شيعتهم بتعجيل الفرج۔ انہوں نے اپنے شیعوں کو کشائش کے جلد ہونے کی خبر دی۔

ماحصل اس قول کا بھی وہی ہے جو روایات سابقہ کا تھا کہ شیعوں کو ارتداد سے بچانے کیلئے مذہب شیعہ کی بقاء حفاظت کے لیئے یہ پیشین گوئیاں کی گئیں اور وہ پوری نہ ہوئیں اسی کو بدا کہتے ہیں۔

روایت سابقہ میں جو دروغ بے فروغ تھا وہ اس قول میں بھی ہے کہ آئمہ نے جلد ہونے کی خبر دی تھی وقت نہیں مقرر کیا تھا۔ ایسا جھوٹ شاید علمائے شیعہ کے سوا اور کسی سے کم سنا گیا ہوگا۔

اس مقام پر ہم مجتہدین شیعہ خصوصاً سہیل کے پردہ نشین محقق صاحب سے دو باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

اوّل یہ کہ شیعوں کو شیعیت پر قائم رکھنے کے لیئے کون ان کو بہلاتا تھا آئمہ کی یہ کارروائی تھی یا خدا کی۔

دوم آئمہ معصومین کے زمانے کے شیعہ تو ایسے کمزور ایمان کے تھے کہ اگر اُن کو جھوٹی پیشین گوئیاں کر کرکے فریب نہ دیا جاتا تو وہ دین سے پھر جاتے پھر آج کل کے شیعہ کیوں اس قدر پختہ ہیں، ائمہ معصومین کے زمانہ کے شیعہ مذہب شیعہ کی حقیقت سے زیادہ واقف تھے یا آجکل کے

شیعہ اگر انصاف سے کام لیں تو یہی ایک عقیدہ بدا مذہب شیعہ کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ غضب خدا کا جس مذہب کے معصوم کی پیشین گوئیاں غلط نکل جائیں اور کہا جائے کہ یہ جھوٹی پیشین گوئیاں تالیف قلب کے لئے بیان کی گئی تھیں، یا یہ کہا جائے کہ خدا کو بدا ہوگیا خدا کو علم تھا کہ یہ بات اس کی غلط ہو جائیگی وہ مذہب کبھی سچا سمجھا جا سکتا ہے اور کوئی صحیح دماغ کا انسان اس مذہب کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔

شیعہ اگر اس مسئلہ بدا پر غور کریں تو یہ حقیقت ان کے سامنے آ جائے کہ بلا شک جن لوگوں نے مذہب شیعہ کو آئمہ اہل بیت کی طرف منسوب کیا انہوں نے سخت افترا پردازی سے کام لیا ہے نہ آئمہ نے کبھی ان سے یہ پیشین گوئیاں بیان کیں نہ مذہب شیعہ کی کوئی بات ان کو تعلیم دی۔ بلکہ سب سے بڑا ظلم جو ان بزرگوں پر کیا گیا وہ یہی ہے کہ مذہب شیعہ

ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ مگر افسوس کہ شیعوں سے اس کی امید بالکل نہیں ہے۔ وہ آئمہ کو جھوٹی خبروں کا بیان کرنیوالا جھوٹ بولنے والا مان لیں گے خدا کو جاہل تسلیم کرلیں گے۔ قرآن سے دستبردار ہوجائیں گے لیکن شیعہ راویوں کی افترا پردازی کا اقرار نہ کریں گے پچ ہے۔ یضل من یشاء ویھدی من یشاء۔

فصل چہارم

عقیدۂ بدا کی جب کچھ شہرت ہوئی اور حضرت حق جل شانہ کی جناب میں اس ناپاک گستاخی کا علم مسلمانوں کو ہوا اور انہوں نے اس پر گرفت شروع کی تو شیعہ عقیدہ بدا کی تاویلات کرنے لگے مگر کوئی تاویل ایسی نہ ہو سکی جس سے الزام کچھ ہلکا ہو جاتا ع ولن یصلح العطار ما افسد الدھر[۱] بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جو تاویل انہوں نے کی اس نے الزام کو اور سخت کیا چنانچہ مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافحام میں جو تاویلات لکھی ہیں ان کا نمونہ رسالہ ہذا کی فصل سوم میں موجود ہے کہ خدا کو انہوں نے جہل سے بچا کر دروغگوئی کا مجرم بنا دیا۔

اب آج سہیل ہمارے سامنے پھر انہیں فرسودہ تاویلات کو نئے لباس میں پیش کر رہا ہے، حالانکہ اپنی نافہمی یا کم علمی سے اپنے اسلاف کے مفہوم کو بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر سکا۔

سہیل نے جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب چند نمبروں میں ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

نمبر اول سہیل نے بدا کے تین معنی بیان کئے ہیں اول یہ کہ "بعد جہل کے علم ہو یا پہلے کوئی رائے نہ تھی بعد میں ایک دوسری رائے پیدا ہوئی" دوم یہ کہ "ملائکہ یا رسل یا ائمہ ہدیٰ کے لئے پہلے کچھ اور معلوم ہو بعد میں کچھ اور ظاہر ہو" سوم یہ کہ "کسی چیز کا ظہور ہو خواہ وہ کسی اور بات کے خلاف ہو یا نہ ہو" یہ تینوں معنی سہیل ہی کے الفاظ میں نقل کئے گئے ہیں۔

اس غریب کو یہ بھی امتیاز نہیں کہ وہ کہتا کیا ہے۔ ان تینوں میں کچھ بھی فرق نہیں جہل تینوں معانی میں لازم آتا ہے۔ پہلے اور تیسرے معنی بالکل ایک ہیں کسی چیز کا ظہور جب ہوا تو اس سے پہلے عدم ظہور یعنی عدم علم تھا اسی کو جہل کہتے ہیں۔ سہیل نے تیسرے معنی کے متعلق لکھا

---

[۱] ترجمہ۔ عطار اس چیز کو نہیں درست کر سکتا جس کو زمانہ نے خراب کر دیا ہو ۱۲۔

ہے کہ اس سے جہل لازم نہیں آتا اور اس کے ثبوت میں عرب کا ایک قول اور ایک آیت پیش کی حالانکہ اسی قول[1] اور آیت سے جہل کا مفہوم صاف ظاہر ہوتا ہے۔

باقی رہے دوسرے معنی وہ درحقیقت کوئی جداگانہ معنی نہیں اس میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ بدا ملائکہ اور آئمہ کو ہوتا ہے۔ بھلا دیکھئے تو بدا کے معنی میں اس کو کیا دخل ہے کہ بدا کس کو ہوتا ہے جس شخص کو یہ بھی امتیاز نہ ہو کہ کسی لفظ کے معنی بیان کرنے کا دعویٰ کرکے اس لفظ کے مصداق یا معروض کو بیان کرنے لگے اور اس کو بھی معنی کی ایک قسم قرار دے وہ النجم کا جواب لکھ رہا ہے۔

نمبر دوم سہیل نے تین واقعہ پیش کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کی پیشنگوئیاں اور خدا نے جو خبریں ان کو دیں وہ بھی غلط نکل جاتی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ ائمہ شیعہ کی پیشین گوئیاں اگر جھوٹی ہوگئیں تو کوئی عیب کی بات نہیں اس صفت میں تو انبیاء بھی ان کیساتھ شریک ہیں (نعوذ باللہ منہ)

پہلا واقعہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے کہ خدا نے ان کو خبر دی کہ تمہاری قوم پر عذاب آجائے گا، مگر نہ آیا عذاب کا آنا اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں گے تو ان پر عذاب آجائیگا لیکن خدا نے یہ شرط حضرت یونس سے نہ بیان کی تھی۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے حضرت یونس سے شرط بھی بیان کردی تھی، دیکھو تفسیر کبیر میں صاف روایت موجود ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ خدا نے ان کو تیس۳۰ دن میں توریت دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر تیس۳۰ دن میں ان کو توریت نہ ملی بلکہ دس دن اور اضافہ کرکے چالیس دن میں ان کو توریت دی گئی۔ اس واقعہ کے لئے سہیل نے قرآن شریف کا حوالہ دیا ہے کہ واعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ واتممنھا بعشر۔ اس آیت کا ترجمہ سہیل نے یہ لکھا ہے کہ"

[1] قول یہ ہے کہ بدا لی شخص میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو پہلے نہ دیکھا تھا یعنی اس سے جہل تھا آیت یہ ہے بدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون خدا کی جانب سے وہ باتیں ظاہر ہوئیں جن کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا، یہ ترجمہ خود سہیل کا ہے اسی ترجمہ سے ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے جو باتیں ظاہر ہوئیں کفار کو ان باتوں کا علم پہلے سے تھا۔ سہیل کا یہ کہنا کہ نیکی اور بدی کی جزا کا سب کو علم ہوتا ہے اول تو لم یکونوا یحتسبون کے خلاف ہے، دوسرے کفار کو ہرگز جزا کا علم نہ تھا وہ تو ان تمام چیزوں کے منکر تھے۔

"ہم نے موسیٰ سے صرف ایک مہینہ کا وعدہ کیا تھا مگر ہم نے دس راتوں کا اس پر اور اضافہ کیا۔
حالانکہ یہ واقعہ بھی بالکل غلط ہے اور سہیل نے آیت کا ترجمہ بھی اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے غلط کیا ہے ترجمہ میں لفظ "صرف" اور لفظ "اضافہ کیا" آیت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے یہ سہیل کی صریح خیانت ہے۔ صحیح ترجمہ آیت کا یہ ہے ہم نے موسیٰ کو تیس رات کا وعدہ دیا، اور اس کو دس راتوں میں پورا کیا۔ کہاں پورا کرنا اور کہاں اضافہ کرنا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے کوہ طور پر توریت دینے کیلئے بلایا اور فرمایا کہ تیس دن کے بعد توریت ملے گی چنانچہ ٹھیک اس وعدہ کے مطابق تیس دن کے بعد ان کو توریت ملنا شروع ہوگئی۔ توریت کی دس تختیاں تھیں ایک تختی روز ملتی تھی، لہٰذا دس دن میں توریت پوری مل گئی۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو پہلے ہی اس کی خبر دے دی تھی، کہ دس دن میں یہ نعمت کامل ہوگی، اور کل چالیس دن صرف ہوں گے چنانچہ سورۂ بقرہ میں صاف آیت موجود ہے، واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ۔ یعنی ہم نے موسیٰ سے چالیس دن کا وعدہ کیا تھا۔ نعمت کے آغاز کے لئے تیس دن اور نعمت کے اتمام کے لئے چالیس دن کا وعدہ تھا، اور وہ بھی کوئی مبہم و مجمل نہ تھا۔

سہیل نے یہ واقعہ اپنے امام باقر علیہ السلام کے ارشاد مندرجہ اصول کافی کے مطابق بیان کیا ہے۔ امام صاحب کو کیا خبر تھی کہ سورہ بقرہ میں چالیس دن صاف صاف مذکور ہیں ورنہ قرآن کا غلط حوالہ دینے کی جرأت نہ کرتے۔ قرآن کا علم نہ امام کو تھا نہ ماموم کو ہے کاش کسی سنی حافظ سے پوچھ لیتے تو ایسی فاش غلطی نہ کرتے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تیسرا واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ انہوں نے کسی کے مرنے کی خبر دی تھی، اور وہ نہ مرا سہیل نے اس واقعہ کے لئے روضۃ العلماء کا حوالہ دیا ہے۔

حالانکہ یہ واقعہ بھی غلط ہے ایسی واہی تباہی روایات کو استدلال کے لئے پیش کرنا بے علمی کی دلیل ہے۔

سہیل کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کی بڑی شان ہے سوتے میں بھی اگر کوئی بات ان کے منہ سے نکل جائے تو وہ پورے ہو کر رہتی ہے زمین ٹل جائے آسمان

ٹل جائے مگر انبیاء علیہم السّلام کی بات نہیں ٹل سکتی اور نہیں ٹل سکتی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے لیئے لشکر بھیجتے وقت فرمایا کہ میں نے اس لشکر کا سردار زید بن حارثہ کو بنایا اگر وہ شہید ہوجائیں تو جعفر طیار سردار لشکر ہوں اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر ہوں اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو پھر کسی اور کو اپنا سردار بنالینا۔ ایک یہودی عالم اس وقت وہاں موجود تھا وہ کہنے لگا اگر یہ سچے نبی ہیں تو اگر و مگر کے ساتھ جن کی شہادت انہوں نے ذکر کی ہے وہ سب شہید ہوجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ تینوں بزرگوار یکے بعد دیگرے غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے۔

شیعوں کے نزدیک نبوت ایک کھیل اور تماشا ہے مگر یاد رہے کہ نبی کی کوئی بات اگر غلط نکل جائے تو پھر دین کی کسی بات پر اعتبار نہیں ہوسکتا۔ یہ کمال ائمہ شیعہ ہی کو مبارک رہے کہ ان کی پیشین گوئیاں جھوٹی نکل جاتی تھیں اور خدا پر بدا کا الزام لگایا جاتا تھا۔

ایک لطیفہ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ائمہ نے شیعوں کو یہ بھی سمجھا رکھا تھا کہ دیکھو اگر ہماری کوئی پیشین گوئی غلط نکل جائے تو تم ہماری طرف سے بداعتقاد نہ ہونا ہماری جھوٹی پیشین گوئیوں کو سچا مان لینے سے دونا ثواب تم کو ملے گا۔

اصول کافی صفحہ ۲۲۳ میں ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

واذا حدثناکم الحدیث فجاء علی ماحدثناکم فقولوا صدق اللہ واذا حدثناکم الحدیث فجاء علی خلاف ماحدثناکم فقولوا صدق اللہ توجروا مرتین۔	جب ہم تم سے کوئی بات بیان کریں اور وہ ہمارے کہنے کے مطابق پوری ہوجائے تو تم کہا کرو کہ اللہ نے سچ کہا تھا اور جب ہم تم سے کوئی بات بیان کریں اور وہ ہمارے بیان کے خلاف واقع ہو تب بھی تم کہو کہ اللہ نے سچ کہا تھا تو تم کو دونا ثواب ملے گا۔

نمبر سوم سہیل نے اپنی اس حدیث کو تو تسلیم کیا ہے کہ "اللہ کو ایسا بدا کبھی نہیں ہوا۔ جیسا اسماعیل کے متعلق ہوا" نہ اس کے سوا کسی اور روایت کا ذکر کیا نہ اس کے متعلق کوئی بحث کی گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اس روایت کے سوا شیعوں کی کتابوں میں کوئی اور

روایت ہذا کے متعلق نہیں ہے۔

سہیل نے اس روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ اسمٰعیل کے امامت کی امام جعفر صادق نے خبر نہیں دی تھی بلکہ لوگوں کو خود بخود اسمٰعیل کی امامت کا خیال پیدا ہوگیا تھا خدا نے اسماعیل کو دنیا سے اٹھا کے لوگوں پر ان کے امام نہ ہونے کا اظہار فرمایا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ دلیری و جرأت سہیل اور اس کے ہم مذہب صاحبان کو مبارک رہے کہ روایت ان کی معروف و مشہور متداول کتابوں میں موجود ہوتی ہے، اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں اس مضمون کی کوئی روایت نہیں ہے۔

ہزاروں مثالیں اس دلیری و جرأت کی اس وقت پیش کی جا سکتی ہیں، مثلاً قرآن میں زیادتی کی روایت کتاب احتجاج تفسیر عیاشی تفسیر صافی وغیرہ میں موجود اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں زیادت فی القرآن کی کوئی روایت نہیں۔

اور مثلاً حضرت علی کے حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کی روایت خود کافی کی کتاب الروضہ میں موجود اور احتجاج میں موجود اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے کسی روایت سے ثابت نہیں کہ حضرت علی نے خلفائے ثلثہ کے ہاتھ پر بیعت کی مولوی امداد امام صاحب مصباح الظلم در میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور لکھتے ہیں کہ یہ بات ان کے کیرکٹر کے خلاف تھی۔

اور مثلاً رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں کا حضرت خدیجہ کے بطن سے ہونا ان کی کافی جیسی کتاب کی جلد اول میں موجود اور کہہ بیٹھتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے سوا حضرت فاطمہ کے اور کسی بیٹی کا ثبوت نہیں ہوتا۔

خود سہیل کی اس قسم کی جرأت کی مثالیں النجم کے گزشتہ نمبروں میں بہت ہیں، اور اس وقت ایک تازہ چیز اور ملاحظہ ہو اسی سہیل کے شعبان نمبر میں صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا حضرت عمر کے گریبان کو کھینچنے کا کہیں ذکر نہیں حالانکہ اصول کافی صفحہ ۲۹۱ پر صاف روایت موجود ہے کہ:

اخذت بتلابیب عمر ثم جذبتہ — حضرت فاطمہ علیہا السلام نے عمر کا گریبان پکڑ

الیھا۔ لیا اور ان کو اپنی طرف کھینچا۔

المختصر سہیل کی یہ بھی ایک جرأت و جسارت ہے کہ امام جعفر صادق کا اسمٰعیل کے امامت کی خبر دینا کسی کتاب میں نہیں ہے ورنہ رسالہ ہذا کی فصل دوم میں ہم روایت نقل کر چکے ہیں اور یہ بھی کچھ کم لطف کی بات نہیں ہے کہ لوگوں کو خود بخود اسمٰعیل کے امام ہونے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ سبحان اللہ امامت کوئی ایسی چیز ہے جو بغیر نص کے قیاس سے معلوم ہو سکے ضروری ہے کہ امام جعفر صادق نے اسمٰعیل کی امامت بیان کی، اور امام جعفر صادق کو بھی ان کی امامت کا علم بغیر اُن علامات کے جو امام کے لئے ضروری ہیں نہیں ہو سکتا للہذا ضروری ہے کہ اسمٰعیل میں وہ سب علامتیں خدا نے رکھی ہوں گی، ان کے نام کا لفافہ بھی ان بارہ لفافوں میں ہوگا وہ اپنی ماں کے ران سے پیدا بھی ہوئے ہوں گے، وغیرہ وغیرہ پس آخری نتیجہ یہی نکلا کہ خدا کی رائے پہلے اسمٰعیل کو امام بنانے کی تھی، مگر جب اسمٰعیل مر گئے تو خدا کو اپنی رائے بدلنی پڑی اور موسیٰ کاظم امام بنائے گئے

نمبر چہارم سہیل نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کا یہ فرمانا کہ اللہ کو اسمٰعیل کے متعلق بدا ہوا، ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں قولوں میں ہرگز کوئی مناسبت نہیں رسول خدا صلعم نے یہ کب فرمایا کہ اللہ کو ابراہیم کے متعلق بدا ہوا، آپ کے ارشاد کا مطلب تو صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم میں اوصاف نبوت موجود ہیں اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے مگر چونکہ نبوت ختم ہو چکی للہذا وہ زندہ ہی نہ رہے۔ ختم نبوت اور حضرت ابراہیم کا زندہ رہنا یہ دونوں باتیں خدا کے علم میں پہلے سے تھیں، اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں کہ ایک ساتھ جمع نہ ہو سکیں۔

نمبر پنجم سہیل نے بدا کے معنی محو و اثبات یا نسخ تقدیرات کے بھی بیان کئے ہیں مگر سہیل کے محقق صاحب کا ضمیر خود بھی اس معنی پر مطمئن نہ تھا، ورنہ اس کو بدا کے جو تینے معنی ضرور قرار دیتے اور تین معنی پر ختم نہ کرتے۔

بہرکیف محو و اثبات یا نسخ تقدیرات کو بدا سے کوئی مناسبت نہیں محو و اثبات یا نسخ تقدیرات میں نہ کوئی پیشین گوئی غلط نکلتی ہے نہ ملائکہ یا انبیاء کو کوئی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔

نمبر ششم سہیل نے ابن اثیر جزری کی کتاب سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس میں علمائے اہل سنت نے لفظ بدا کو بمعنی ابدا لیا ہے۔ سہیل کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح شیعہ بھی بدا کو بمعنی ابدا لے سکتے ہیں یعنی اللہ کو بدا ہوا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے دوسروں پر اس امر کو ظاہر کیا نہ یہ کہ خود اللہ پر کوئی بات ظاہر ہوئی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اگر صرف یہ بات ہوتی کہ شیعوں کی کسی روایت میں لفظ بدا وارد ہو جاتی وہ بدا کے قائل نہ ہوتے بدا کے واقعات ان کی کتابوں میں نہ ہوتے تو یقیناً ان کو بھی تاویل کا حق ہوتا جس طرح قرآن شریف میں لفظ ید وغیرہ وارد ہوا ہے اس کی تاویل کی جاسکتی ہے۔

سہیل کی تمام ضروری باتوں کا جواب ہو چکا۔ امید ہے کہ بدا کی اس تحقیق سے سعادت مند لوگ ویسا ہی فائدہ حاصل کریں گے۔ جیسا قصہ قرطاس کی بحث سے حاصل کیا۔ واللہ ولی التوفیق۔

خاتمہ

الحمد للہ کہ مسئلہ بدا کی توضیح و تحقیق ختم ہوگئی۔ اگر اختصار سے کام نہ لیا جاتا تو اس رسالہ کی ضخامت حالت موجودہ سے کہیں زیادہ ہوتی۔

جو صاحب اس رسالہ کا جواب لکھیں خواہ وہ سہیل کے پردہ نشین محقق ہوں یا اور کوئی ان سے التماس ہے کہ امور ذیل کا لحاظ رکھیں۔

(۱) جواب حامل المتن ہو یعنی اس رسالہ کی پوری عبارت نقل کرکے جواب دیں۔ النجم کے جواب میں جس طرح اب تک قطع و برید سے کام لیا گیا ہے اس سے پرہیز کریں۔ انشاء اللہ ان کے جواب کا جواب بھی اسی طرح دیا جائیگا۔

(۲) بدا کے متعلق جو واقعات نقل کئے گئے ہیں ان کا ضرور جواب دیں۔

(۳) شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی نے بدا کو مستلزم جہل قرار دیا ہے۔ اس کا

جواب بھی ضرور دیں۔

(۴) شیعوں کے امام اعظم شیخ حلی کے استاد محقق طوسی نے عقیدہ بدا کا کیوں انکار کیا
اس کی وجہ بھی ضرور بیان کریں۔

(۵) اگر محقق طوسی اور مولوی دلدار علی کی طرح تمام شیعہ بدا کے منکر ہو جائیں تو مذہب
شیعہ کا کیا نقصان ہوگا۔ اس کو بھی مدلل بیان کریں۔

(۶) اگر عقیدہ بدا بمعنی محو و اثبات ہے تو پھر ایک جداگانہ لفظ اس کے لیے کیوں وضع
کی گئی۔ اس کو بھی بیان کریں۔

هذا اخر الكلام والحمد لله العزيز العلام وعلى

نبيه الصلوة والسلام

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ؕ
اور جو شخص اطاعت کریگا اللہ اور اسکے رسول کی تو یقیناً وہ اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو پہنچ گیا

الحمد للہ تعالیٰ کہ

مذہب شیعہ کے دو سو منتخب مسائل کے سلسلہ کا چوتھا رسالہ موسوم بہ

الرَّابِعُ مِنَ المِائَتَيْنِ

عَلٰی

المُنحَرِفِ عَنِ الثَّقَلَيْنِ

معروف بہ

شرح حدیث ثقلین

جس میں بعونہ تعالیٰ ایک مشہور حدیث کی شرح کی گئی
ہے اور شیعوں کے ایک مغالطہ عامۃ الورود
کی حقیقت کا اظہار کر کے اُن کے مذہب کی
اصلیت کو بے نقاب کر دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب المشرقین ورب المغربین والصلوٰۃ والسلام علیٰ
نبی الحرمین صاحب الثقلین سیدنا محمد امام القبلتین وعلیٰ
آلہ وصحبہ الذین ھم سبلتنا فی الدارین ۔

امابعد حدیث ثقلین کی شرح جو اس وقت زیب رقم ہو رہی ہے منجملہ ان سربستہ رازوں کے ہے جن کا انکشاف محض فضل خداوندی سے اس بندۂ بہزار گناہ شرمندہ پر ہوا ہے

اگر بادشہ بر در پیرزن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اس حدیث کی شرح سے معلوم ہو گا کہ شیعہ صاحبان نے شروع ہی سے دین اسلام کے بگاڑنے کے لئے کیا کیا تدبیریں اختیار کیں اور مسلمانوں کو قدم قدم پر کیسے کیسے مغالطے انہوں نے دیئے، بلاشبہ خدا کی حفاظت اگر ذمہ داری نہ کرتی تو آج اسلام کی اصلی شکل نہ پہچانی جا سکتی اور وہی حال ہوتا جو یہود و نصاریٰ اور دوسری اقوام عالم کی ملل و نحل کا ہوا۔

آج اگر کسی غیر مسلم سے پوچھو جس نے اسلامی تاریخ کو پڑھا ہو تو وہ بھی بے تکلف کہہ دے گا۔ کہ اسلام کے لئے فتنۂ رفض سے زیادہ مہلک اور کوئی فتنہ نہیں ہوا مسلمان بن کر دین اسلام کے مٹانے کی کوشش انہیں لوگوں نے کی۔ قرآن شریف کے مشکوک بنانے میں ان لوگوں نے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دلائل نبوت کو ناقابل اعتبار بنانے کی سعی انہوں نے کی۔ اسلامی تعلیمات کو بگاڑنے اور محرف کرنے کی تدبیریں انہوں نے کیں۔ اور مسلمانوں کی سلطنت اور ان کے سطوت کو اور ان کے انفس و اموال کو جس قدر تباہی پہنچائی اس کا ذکر ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

یہ حدیث ثقلین بھی اُن کے دستِ کرم کی مرہونِ منت ہے اور جو مفہوم اس کا عام طور پر مشہور ہے یہ انہیں کا مشہور کیا ہوا ہے۔ اس طرح کی کارروائیوں میں جن کو آج کل پروپیگنڈا کہتے ہیں یہ قوم ہمیشہ سے یکتا رہی ہے۔

ہندوستان کی سرزمین میں جس قدوسی نے سب سے پہلے فتنۂ رفض کی تباہ کاریوں کو محسوس کیا وہ حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذات منبع البرکات تھی۔ انہیں کا قلمِ حقیقت رقم تھا جس نے سب سے پہلے اس راز کو صفحۂ قرطاس پر ظاہر کیا کہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خلیفۂ برحق نہ ماننے کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کوئی مسئلہ اپنی اصل پر قائم نہ رہ سکے۔ ازالۃ الخفا کے دیباچہ میں فرماتے ہیں "نور توفیق الٰہی در دل این بندۂ ضعیف علمے را مشرح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت این بزرگواران اصلی است از اصول دین تا وقتیکہ این اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود"۔

انہیں کا علم کامل تھا جس نے اس راز کو دریافت کیا کہ از روئے مذہب شیعہ حضرت علی کی امامت و خلافت بلافصل تو کجا ان کا مومن ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ ازالۃ الخفا مقصد ص۲۸۲ میں فرماتے ہیں "واگر تقیہ[1] باوجود خلافت و شجاعت و شوکت و قیام بہ قتال جمیع اہل ارض جائز باشد مے توان گفت کہ باجمعے کہ با شیخین بد مے بودند در خفیہ بنا بر تقیہ انکار شیخین مے نمود پس کلام خیر الامۃ[2] متحقق است و خلاف او تقیہ۔ و مے توان گفت کہ اظہار اسلام و نماز پنجگانہ خواندن واز دوزخ ترسیدن ہمہ بنا بر تقیہ مسلمین بود۔ و شک

---

[1] شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی تقیہ کرتے رہے اور اپنا اصلی مذہب چھپاتے رہے اسی وجہ سے نہ متعہ کی حلت کا اعلان دیا نہ نماز تراویح کو روکا نہ فدک وارثان فاطمہ کے حوالے کیا نہ احکام قرآنی کی ترویج کی وغیرہ وغیرہ کافی کی روایات اور علمائے شیعہ مثل قاضی شوستری وغیرہ کی عبارات میں یہ مضمون بصراحت مذکور ہے دیکھو مباحثہ مکرمان ۱۲ منہ۔

[2] یعنے حضرت علی کا یہ کلام کہ خیر الامۃ بعد نبیہا ابوبکر ثم عمر جو کتب اہل سنت میں اسی راویوں سے منقول ہے اور کتب شیعہ میں بھی موجود ہے یہ ان کا اصلی مذہب ہے اور بالفرض خفیہ طور پر شیعوں سے اسکے خلاف پیدا ہوا تو وہ تقیہ ہے ۱۲ منہ۔

نیست کہ تنفر قوم بہ ترک اسلام اشد بود از تنفر بسبب انکار شیخین. پس امن از اسلام اور نجاست چہ جائے امامت. و ایں ہمہ بقباحاتے میکشد کہ ہیچ مسلمانے خیال آن نمے تواند کرد۔

حضرت ممدوح کے بعد ان کے خلف رشید مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اور ان کے تلامذہ بالخصوص مولنا حیدر علی صاحب نے اس فتنہ کی طرف توجہ کی اور بہت سی نفیس اور لاجواب کتابیں مثل تحفہ اثنا عشریہ و منتہی الکلام و ازالۃ الغین کے لکھ کر اپنے لئے باقیات صالحات کا عمدہ ذخیرہ چھوڑ گئے۔

ان سب اکابر کے بعد عنایت خداوندی نے اس حقیر ضعیف سے یہ کام لیا اور مذہب شیعہ کے ان سربستہ رازوں کو اس کے ذریعہ سے فاش کرایا کہ تمام دنیائے رفض میں زلزلہ آگیا اور ایسا زلزلہ جو انشاء اللہ تعالےٰ کسی طرح سکون پذیر نہیں ہو سکتا۔ النجم کو اور اس حقیر کی دوسری تالیف کو جو اس موضوع پر ہیں جن میں تقریباً ساٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جس شخص نے دیکھا ہے وہ اس کی تصدیق میں تامل نہ کرے گا۔

النجم سے پہلے کون جانتا تھا کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے النجم سے پہلے کون جانتا تھا کہ مذہب شیعہ کی بنیاد صحابہ کرام کی عداوت پر نہیں بلکہ قرآن عظیم کی عداوت پر ہے۔ النجم سے پہلے کون جانتا تھا کہ شیعوں کا ایمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر نہیں ہو سکتا۔ اور ختم نبوت کا انکار تو گویا اس مذہب کا سرمایۂ افتخار ہے اسی وجہ سے اپنے کو امامیہ کہنے اور کہلوانے پر اصرار ہے۔ النجم سے پہلے کون جانتا تھا کہ صحابہ کرام کے فضائل و کمالات کے آفتاب جہاں تاب پر مطاعن کی خاک اڑانا اور حضرت علی اور ان کے تین چار ساتھیوں کو تقیہ باز کہہ کر ناقابل اعتبار قرار دینا محض اس لئے ہے کہ یہی لوگ نبوت اور دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کے عینی گواہ تھے۔ یہ اور اس کے مثل بہت سی خدمات فضل بے استحقاق نے اس حقیر سے لیں۔ ازانجملہ اس حدیث ثقلین کی شرح ہے جس کی طرف شاید حضرت شیخ ممدوح الصدر کو بھی توجہ نہ ہوئی۔ اور نہ اس کے مفہوم مشہور کی مضرتوں کا کسی نے احساس فرمایا سچ ہے۔ کم ترک الاول للآخر۔

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر ز انعام و فضل خود نہ معطل گذاشتت

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمیکنی ۔۔۔ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

باایں ہمہ مجھے سچے دل سے اس کا اعتراف ہے کہ حضرت شیخ کی دوسری خدماتِ علمیہ دینیہ کا تو ذکر ہی کیا خاص اس موضوع پران کی ایک کتاب ازالۃ الخفا نے جو کام کیا ہے اس کا عُشرِ عشیر بھی مجھ سے ادا نہ ہوا اور نہ ہو سکتا ہے ۔ سہ

درقافلہ کہ اوست دانم نرسم ۔۔۔ ایں بسکہ رسد زدور بانگ جرسم

اب میں اس شرح کو اللہ کا پاک نام لے کر شروع کرتا ہوں اور اس کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں پہلے حصہ میں صرف متن حدیث پر بحث کی گئی ہے، اور دوسرے حصہ میں اس کی سند کی تنقید کی گئی ہے جس میں ایک مقدمہ اور ایک مقصد اور ایک خاتمہ ہے۔ وھو حسبی و نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ۔

مقدمہ

اس مقدمہ میں چند ضروری فوائد زیب رقم کئے جاتے ہیں ۔

فائدہ اول :۔ قرن صحابہ کے بعد اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے مگر سوا شیعوں کے اور جتنے فرقے پیدا ہوئے غلط فہمی یا کجروی سے اُن کی بنیاد پڑی۔ البتہ بانی مذہب شیعہ کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوا بلکہ محض اسلام کی عداوت میں بڑی ہوشیاری اور ہنرمندی کے ساتھ یہ مذہب تصنیف کیا گیا، اور پہلی اینٹ اس کی بنیاد میں عبداللہ بن سبا یہودی کے ہاتھ سے رکھی گئی جیسا کہ میں نے اپنی بعض تالیفات میں اس کو بیان کیا ہے اور شیعوں نے جو کچھ اُس کے متعلق دبی زبان سے اقرار کئے ہیں ان کو بھی نقل کیا ہے ۔

شیعوں کو اسلام کی ضرر رسانی کا موقع بھی تقیہ[1] اور کتمان کے سبب سے خوب ملا۔

---

[1] تقیہ کے معنی بقول حضرات شیعہ جیسا کہ ان کے آئمہ معصومین سے ان کی کتب معتبرہ مثلاً اصول کافی میں منقول ہیں دنیا میں کہ خلاف واقع کہے یا خوف اپنے عقائد کے کوئی بات کہے یا کوئی کام کرے کتمان تقیہ کے علاوہ ایک دوسری چیز ہے جس کے معنی اپنے مذہب و اعتقاد کو پوشیدہ رکھنا۔ تقیہ اور کتمان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے تقیہ عام ہے اور کتمان خاص ہے پوری بحث تقیہ اور کتمان کی آیات بینات فی الماتین میں دیکھنا چاہیے ١٢ ۔

سوا شیعوں کے اور کسی فرقہ نے جھوٹ بولنے اور اپنے مذہب واعتقاد کے خلاف بات کہنے یا کام کرنے اور اپنے مذہب کے چھپانے کو عبادت نہیں قرار دیا۔ یہ بھی بانی مذہب شیعہ کی عقل مندی اور ہوشیاری کی بڑی دلیل ہے اگر تقیہ و کتمان کی اس قدر تاکید اس مذہب میں نہ ہوتی تو نہ ضرر رسانی اسلام کا ایسا موقع ہاتھ آسکتا تھا۔ اور نہ ایسے خلاف عقل و خلاف فطرت مذہب کی بقا ممکن تھی۔

فائدہ دوم۔ قرآن شریف کے متعلق تو کسی کی دال نہ گلی کیونکہ خود خداوند قادر قوی اس کی حفاظت کا ذمہ دار تھا، اور اس کو اپنی قدرت کاملہ سے متواتر بنا چکا تھا پھر بھی اس کے محرف مشہور کرنے اور بجائے اصلی قرآن کے اپنی ناپاک تحریفات کو رائج کرنے کی بڑی بڑی کوششیں کی گئیں، مگر خدا نے ان سب کوششوں کو ایسا رائیگاں کر دیا کہ آج دنیا میں کوئی ان کو جانتا بھی نہیں صرف تاریخ کی کتابوں میں انکا ذکر باقی ہے یا وہ تحریف کی ہوئی جعلی آیتیں شیعوں کی چند کتابوں میں مثل کافی وغیرہ کے ملتی ہیں۔

البتہ روایات واحادیث کے دفتر میں جو اس وقت تک مکمل طور پر مدون نہ ہوا تھا خوب دخیل بنے، اور اپنی گڑھی ہوئی روایتوں کو اہل سنت میں خوب پھیلایا تقیہ کر کے سنی بن گئے، سنیوں کے مدارس میں مدرس بنے ان کے محکموں میں قضا کے عہدے پائے بلکہ بعض اوقات قاضی[1] القضاۃ کے عہدے تک پہنچ گئے۔ مساجد کی امامت اور خطابت کے مناصب سے مستفیض ہوئے، اور ان پردوں میں اپنا کام کرتے رہے اپنی جعلی روایات اور جھوٹے فتووں کو سنیوں میں رواج دیتے رہے۔ اور سنیوں کی کتابوں میں بھی جہاں تک ممکن ہوا اپنے مطالب کا الحاق کرتے رہے۔

اس فریب دہی کا کچھ کچھ سراغ شیعوں کی کتابوں میں بھی ملتا ہے کہیں کہیں کسی موقع پر انہوں نے خود اپنی اس دسیسہ کاری کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ اس وقت مجالس المومنین کی ایک عبارت خیال میں آگئی جو لکھی جاتی ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری کتاب مذکور میں اپنے ایک بڑے معتمد راوی فضل بن شاذان کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔

[1] چنانچہ نور اللہ شوستری جہانگیر بادشاہ دہلی کے عہد میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھے ۱۲۔

بسیارے از اصحاب خود را دیدہ بودم کہ چوں استماع علم عامہ و علم خاصہ کردند ہر دو را باہم مخلوط ساختند تا آنکہ حدیث عامہ را از خاصہ روایت نمودند و حدیث خاصہ را از عامہ۔

میں نے بہت سے اپنے ہم مذہب لوگوں کو دیکھا کہ جب انہوں نے سُنی شیعہ دونوں کا علم حدیث حاصل کیا تو دونوں کو باہم مخلوط کر دیا انہوں نے یہاں تک کیا کہ سنیوں کی حدثیں شیعوں سے اور شیعوں کی سنیوں سے بیان کیں۔

اسی کے قریب قریب بلکہ اس سے بڑھ کر شیعوں کی فریب کاری کا ایک واقعہ شیعوں کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب نے اساس الاصول ص۲ و ص۳ میں نقل کیا ہے اور اس فریب کاری کی اجازت بھی امام باقر و امام صادق سے روایت کی ہے۔

شیعوں کی اس قسم کی فریب دہی کے واقعات معلوم کرنے کے لئے اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کتاب مستطاب تحفہ اثنا عشریہ میں مکائد شیعہ کا بیان دیکھنا ضروری ہے۔

فائدہ سوم:۔ محدثین معصوم نہ تھے عالم الغیب نہ تھے کسی کا مذہب اس کی پیشانی پر لکھا نہیں ہوتا لہذا شیعوں سے انہوں نے بہت دھوکے کھائے اور ان کی جعلی روایتیں بہت سی اپنے یہاں درج کر لیں۔

کسی شخص کا مذہب اس کے قول و فعل ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ وحی الہی کا دروازہ بند ہو ہی چکا تھا جو منافقوں کے نفاق کو ظاہر کر دیتی تھی، اور ان کا اصلی مذہب جو ان کے قول و فعل سے معلوم نہ ہو سکتا تھا بتا دیتی تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس رتبہ اعلیٰ کے منافقوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ لا تعلمهم نحن نعلمهم یعنی اے نبی آپ ان کو نہیں جانتے ان کا اصلی مذہب آپ کو نہیں معلوم ہو سکتا ہم ان کو جانتے ہیں اس لئے کہ ہم عالم الغیب ہیں، پس اگر محدثین نے بوجہ تقیہ و کتمان کے کسی شیعہ کو سُنی سمجھ لیا، اور اس کی روایت لے لی تو کیا تعجب کی بات ہے۔

اگرچہ محدثین نے بڑی جانفشانیاں تنقید روایات میں کیں، اور اس علم کے متعلق بہت سے فن مدون کئے جن میں ایک فن اسماء الرجال بھی ہے جس میں راویوں کے ضعف و قوت کے حالات، اور ان کے مذہب وغیرہ کو بیان کیا ہے، اور اس سلسلہ میں تقریباً ایک

لاکھ انسانوں کی تاریخ ایک نئے طرز پر تیار کر دی غرضکہ بڑے بڑے کام کیئے جن کی نظیر دنیا میں کوئی مذہب نہیں پیش کر سکتا، اور جو اسلام کا ایک معجزہ کہے جانے کے قابل ہیں. **لیکن** بایں ہمہ شیعوں کے تقیہ نے ان کو دھوکا دے ہی دیا. ایک شخص اپنے کو سُنی کہتا ہے تمام اعمال و افعال سنیوں کے مطابق ادا کرتا ہے مخالفین اہل سنت سے میل جول بھی بظاہر نہیں معلوم ہوتا، ایسے شخص کے شیعہ ہونے کا علم سوا عالم الغیب کے اور کس کو ہو سکتا ہے. آج ہمارے اسماء الرجال میں بہت سے راوی ایسے ملتے ہیں جن کو ہمارے محدثین نے شیعہ نہیں سمجھا یا ان کو مائل الی التشیع لکھا ہے لیکن شیعوں کے رجال میں ان کو شیعہ اور اکابر شیعہ میں شمار کیا گیا ہے. پھر انہیں راویوں میں بعض نے مرتے وقت کہہ دیا کہ ہم نے عمر بھر تقیہ کیا دراصل ہم شیعہ تھے اور بعض سے یہ بھی منقول نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اشخاص کو صاحب صواقع نے شیعہ قرار دیا اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں ان کو شیعہ بیان فرمایا مگر دوسرے اکابر علما ان کو سُنی لکھ گئے ہیں. بعض کوتہ اندیش اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب تحفہ اسی طرح کی غیر محقق باتیں لکھ دیا کرتے، اور نہیں سمجھتے کہ صاحب تحفہ مذہب شیعہ کے مکائد سے خوب واقف ہیں لہذا وہ ایک دوسری معیار پر شیعت کو پرکھتے ہیں وہ کسی کے کہنے سے نہیں بلکہ راوی یا مصنف کی روایت یا تصنیف سے اس کی شیعیت معلوم کرتے ہیں۔

فائدہ چہارم:۔ بعض شیعہ راویوں کی روایتیں باوجود ان کی شیعیت کے معلوم ہونے کے بھی ہماری کتابوں میں اس وجہ سے آگئیں کہ اصول حدیث میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اہل بدعت کی روایتیں لے لی جائیں بچند شروط۔ اول یہ کہ ان کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو۔ دوسرے یہ کہ ان کے صدق اور قوت حافظہ پر کوئی جرح نہ ہوئی ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ روایت ان کے بدعت کی تائید نہ کرتی ہو۔

یہ اصول تو بہت انصاف پر مبنی ہے اور دوسرے فرقہائے اسلامیہ کے لیئے بکار

لہ مجی الفاضل جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی نے ایک مستقل رسالہ میں ایسے راویوں کی ایک بڑی فہرست بحوالہ کتب رجال فریقین درج کی ہے خدا کرے وہ رسالہ طبع ہو گیا ہو ۱۲ منہ

آمد ہے مگر شیعوں کے متعلق برکار ثابت ہوا اس لئے کہ ہمارے متقدمین کو الاماشاء اللہ ان کا مذہب ہی تفصیل کے ساتھ معلوم نہ تھا اور کیوں کر معلوم ہوتا جبکہ وہ خود اپنا مذہب چھپاتے تھے اور کوئی کتاب بھی ان کے مذہب کی نہ ملتی تھی ایک مجمل عنوان ہمارے قدماء کے پیش نظر تھا کہ شیعہ وہ مذہب ہے جو صحابہ کرام کو یا خلفائے راشدین کو نہیں مانتا اور حضرت علی ان کی اولاد کے بارہ میں غلو کرتا ہے حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ لہٰذا وہ کوئی فیصلہ ان کی بدعت کے کفر و اسلام کے متعلق نہ کر سکتے تھے اور نہ ان کو یہ معلوم تھا کہ جھوٹ بولنا ان کے مذہب میں بہت بڑی عبادت اور بہت بڑا ثواب ہے اور جب ان کی بدعت کا پورے طور پر علم ہی نہ تھا، تو یہ پتہ کس طرح چل سکتا تھا کہ کون سی روایت ان کی بدعت کی تائید کرتی ہے، اور کون نہیں کرتی۔

اسی اصول کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں بہت سے شیعوں سے روایتیں لے لیں اگرچہ وہ اپنی خداداد فراست ایمانی اور حذاقت و مہارت کاملہ کی وجہ سے ایک بڑی حد تک ان کے دھوکہ اور فریب سے محفوظ رہے۔

یہاں ہم تتمیماً للفائدہ حضرت مولانا حیدر علی صاحب کی ایک عبارت ازالۃ الغین[1] کی نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

بدانکہ فقیر را بعد از تتبع کتب قدمائے این فرقہ و تصفح مضمرات و مکنونات ایشان کہ در تالیفات خویش بمقتضائے حدیث مرتضوی ما اضمر احد شیئاً الا وقد ظہر فی فلتات لسانہ گذاشتہ از ان خبرے و ہم دیانت مذعن شدہ ...

جاننا چاہئے کہ اس فقیر کو متقدمین شیعہ کی کتابوں کے دیکھنے اور ان کے اندرونی رازوں کے تلاش کرنے سے جن کو کبھی کبھی اس حدیث مرتضوی کے مطابق کہ جب کوئی شخص دل میں کسی بات کو چھپاتا ہے تو وہ بات اس کی زبان سے بلا قصد نکل ہی جاتی ہے اپنی کتابوں میں بیان کر دیتے ہیں یہ معلوم ہوا

---

[1] کتاب ازالۃ الغین [illegible] ہے جس کی [illegible] منتہی الکلام کے درمیان ۳۶ ورق کا تو ہے [illegible] نے لکھا مگر اس کتاب پر کسی نے قلم اٹھانے کی بھی جرأت نہ کی ۱۲۔

حدیث مثل حدیث ردت جمیع اصحاب الا شاذ بے لایعبا بہ از خصائص مذہب امامیہ بودہ واکابر این مسلک باین اسرار دقائق آگہی داشتند و این قصہ را علق نفیس گمان مے بردند وبکتمانش ہمدگر را وصایا مے نمودند من بعد اہل مکیدت دیدند مصلحت دران دیدند کہ در لباس تسنن این روایت راکہ منتہائے آرزوی شان بقول مجلسی در بحار وحیات القلوب است در مدرسہا پیش معتقدین خویش از زمرۂ اہل حق روایت نمودند تا آنکہ رفتہ رفتہ در کتب محدثین حتی ملتزمین صحت۔

مندرج شد وپر ظاہر ست کہ اگر این حدیث در صدر اول وطبقہ تابعین ثابت ومشہور مے بود کتمان و اخفا وآن ہم بدین تاکیدات بے انتہا کہ پارۂ ازاں بگوشت رسانیدم صورتے نمی داشت وبہ یکے از دیگرے عہود ومواثیق چرا میگرفت و کے میگفت کہ پس خبردار باید بود چنان نشود کہ اہل خلاف کہ بر محبت

یقین ہو گیا ہے کہ یہ قصہ قرطاس بھی مثل اس روایت کے کہ تمام صحابہ کرام سوا معدودے چند کے مرتد ہو گئے تھے مذہب شیعہ کے مخصوصات سے تھی اور اس فرقہ کے اکابران پوشیدہ رازوں سے واقفیت رکھتے تھے اور اس قصہ قرطاس کو علق نفیس گمان کرتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو اسکے چھپانے کی وصیتیں کیا کرتے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ان مکار بدا کا عقیدہ رکھنے والوں نے یہ مصلحت سوچی کہ سنی بنکر مدرسوں میں اپنے معتقد سنیوں کے سامنے قصہ قرطاس کی روایت کو پیش کیا جو ان کی انتہائی خواہش کے مطابق ہے جیسا کہ مجلسی نے بحار اور حیات القلوب میں بیان کیا ہے یہانتک کہ رفتہ رفتہ یہ قصہ محدثین کی کتابوں میں حتی کہ ملتزمین صحت کی کتابوں میں درج ہو گیا

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر یہ قصہ قرن اول میں اور تابعین کے زمانہ میں ثابت اور مشہور ہوتا تو پھر اس کو ان بے انتہا تاکیدوں کیساتھ جن کا کچھ حصہ میں تم کو سنا چکا ہوں چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر کیوں شیعہ صاحبان ایک دوسرے سے عہد وپیمان لیا کرتے تھے اور کیوں کہتے تھے کہ خبردار ایسا نہ ہو کہ اہل خلاف جو شیخین کی محبت میں اپنے کو فدا کر رہے ہیں، اس قصہ سے واقف ہو جائیں۔

شیخین خود را فدا می کنند بریں معنی
مطلع شوند چنانچہ نسخہ سلیم بن قیس
ہلالی کہ اقدم و افضل از جمیع کتب
احادیث امامیہ توان گفت کما اعترف
المجلسی فی مجلد الفتن من البحار بر امور
مرقوم الصدر دلالت میکند۔ و این
ہم از اشارات و عبارا تش پیداست کہ
بعضے از اسرار این حدیث مثل نام فاروق
از شیعیان ہم دریغ میکردند و کتب رجال
و رسائل تحقیق اسامی رواۃ برین مکائد
اول دلیل ست کہ مقصود اینہا از اختفا
و استتار ہمیں بود کہ آئندہ علمائے اہلسنت
فریب خورند و سہام تدبیر بر نشانہ نشینند
و برائے مناظرہ خصوصاً متاخرین را بکار آید
و در صورت ظہور این کید پیش نخواہد رفت
و جمہور محدثین سنیان خواہند گفت کہ این
روایت از خصائص شیعہ است و مؤید این
مدعا کہ درین جا یاد کردم آن ست کہ بعضے
از علمائے ما باین مکائدے بردند و حقیقت
امر را دانستند چنانچہ ناقضین ہفوات مشہدی
از آمدی نقل میکنند و میگویند کہ او در مسند
خویش میفرماید کہ قصہ ائتونی بقرطاس بے
ثبوت و بے اساس ست و از شیوخ

سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب میں (جو شیعوں کی
تمام کتب احادیث میں سب سے مقدم اور افضل
کہی جا سکتی ہے، جیسا کہ مجلسی نے بحار کے
مجلد فتن میں اس کا اقرار کیا ہے) یہ تمام تاکیدات
وغیرہ موجود ہیں۔ نیز اسی کتاب سلیم کے اشارات
وعبارات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس قصہ
قرطاس کے بعض اسرار مثلاً فاروق اعظم کا نام
شیعوں سے بھی پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ اسماء
الرجال اور اسمائے رواۃ کے تحقیق کی کتابیں
شیعوں کی ان مکاریوں کو خوب ظاہر
کر رہی ہیں کہ علمائے اہلسنت دھوکہ میں آجائیں
اور ان کی تدبیر کا تیر نشانہ پر پہنچ جائے یعنے یہ قصے
سنیوں کی کتابوں میں کس طرح درج ہو جائیں
تاکہ سنیوں سے بحث کرنے کے لئے متاخرین
شیعہ کو کام دیں۔ اگر ظاہر ہو کر کام کیا جاتا تو پھر
یہ مکاری نہ چلتی۔ اور اہل سنت کے محدثین
کہدیتے کہ یہ روایت تو شیعوں کے مخصوصات سے ہے۔
یہ بات جو میں نے یہاں بیان کی اس کی تائید
اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہمارے بعض علماء ان
مکاریوں کو سمجھ گئے اور حقیقت حال سے واقف
ہو گئے چنانچہ ہفوات مشہدی کا جواب لکھنے والے
آمدی سے نقل کرتے ہیں کہ آمدی نے اپنے مسند میں لکھا ہے
کہ ائتونی بقرطاس والا قصہ بے ثبوت اور بے بنیاد

محدثین نقل مے نمایند کہ بعد از تصنع بظہور
مے انجامد کہ در صحیحین دو صد و دہ حدیث
ضعیف است تفرد بخاری بہ ہشتاد و تفرد
مسلم بہ یک صد میرسد و در سی روایت
ہر دو بزرگ شریک شدہ اند انتہی۔

پس حال حدیث قرطاس نزد احقر الناس
در رنگ حدیث فدک مے نماید کہ شیخ
مبارک جزری ابو السعادات در تصانیف
خویش آوردہ و گفتہ کہ بعضے از اہل
اختلاق بعد از انکہ اقرار بہ جعل و افترا
کردند و گفتند کہ ما قصہ فدک را موضوع
ساختہ بہ محدثین بغداد عرض کردیم و نزد
اینہا معنعن روایت نمودیم پس تمامی
جماعت مذکور قبول کردند و بدام فریب
واقع شدند مگر ابن ابی شیبہ علوی کہ بوضع و
اختلاق پے بردہ و دانست کہ حدیث از موضوعات
ست و انشاء اللہ تعالیٰ عبارت جزری بعد ازیں
خواہد آمد۔ بالجملہ از دقائق مکیدت اہل دغا
جان بسلامت بردن سخت دشوار ست ع
ہاں مگر لطف خدا پیش نہد گامے چند۔ انتہی
بالفاظہ۔

و در مبحث فدک میفرماید از کتب محدثین چنان

ہے۔ آکابر محدثین سے منقول ہے کہ تنقید کے بعد معلوم
ہوا کہ صحیحین میں دو سو دس حدیثیں ضعیف ہیں جن
میں سے خاص بخاری میں اسی اور خاص مسلم میں
ایک سو اور دونوں میں مشترک تیس حدیثیں
ہیں۔

پس اس احقر الناس کے نزدیک قرطاس کا قصہ
بھی روایت فدک کے مثل ہے جو شیخ مبارک جزری
ابو السعادات نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے
کہ بعض حدیثوں کے بنانے والوں نے اپنے جعل و
افترا کا اقرار کرنے کے بعد کہا کہ ہم نے فدک کا
قصہ تصنیف کر کے بغداد کے محدثین کو
سنایا اور ان کے سامنے معنعن روایت پیش کی
تمام محدثین نے اس کو قبول کر لیا اور سب
فریب میں آ گئے۔ سوا ابن ابی شیبہ علوی کے
کہ وہ اس جعل کو سمجھ گئے اور ان کو معلوم ہو گیا کہ
یہ حدیث موضوعات سے ہے جزری کی
عبارت انشاء اللہ اس کے بعد نقل کرونگا۔ المختصر
اہل دغا کی پوشیدہ مکاریوں سے جان بچانا
سخت دشوار ہے بغیر اس کے کہ لطف
خداوندی رہنمائی کرے۔

(اور مبحث فدک میں فرماتے ہیں کہ محدثین کی کتابوں

لہ یہ الفاظ مولوی حامد حسین کے ہیں۔ لفظ محدثین سے مولانا حیدر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔ ۱۲

بوضوح می انجامد کہ بعد از تنقید و تحقیق
درصحت بعضے از روایات صحیح بخاری
کلام است و ہمچنیں درصحت بعضے از روایات
صحیح مسلم۔

وقبل ازیں گزشتہ کہ آں روایات کہ اہلحدیث
درصحت آں قیل و قال دارند ہر چند
اقل قلیل است مگر در صحیح ثانی زیادہ تر
از اول است و بریں قدر اکتفا نمے
توان کرد زیراکہ افادہ ابن اثیر رحمتہ
اللہ علیہ در صدر جامع الاصول جائیکہ
فرع ثالث در طبقات مجروحین قرار
دادہ است دلالت بران دارد کہ بعضے
از وضاعین خود اقرار کردہ اند کہ حدیث
فدک را ساختہ بر مشائخ بغداد خواندیم
ہمہ با قبول کردند مگر ابن ابی شیبۃ
علوی کہ او بعلت جعل وافترا پے برد
و ہرگز قبول نکرد عبارت آں مقام این
است ومنهم قوم وضعوا الحديث
لهوى يدعون الناس
اليه فمنهم من تاب عنه واقر
على نفسه قال شيخ من شيوخ
الخوارج بعد ان تاب
ان هذه الاحاديث دين

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنقید و تحقیق کے بعد صحیح
بخاری کی بعض روایات کے صحیح ہونے میں
بھی کلام ہے اور اسی طرح صحیح مسلم کی بعض
روایات کے صحیح ہونے میں بھی۔

اور اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ جن
روایات کے صحیح ہونے میں علمائے حدیث کو
قیل وقال ہے وہ اگرچہ بہت کم ہیں مگر صحیح مسلم
میں بہ نسبت صحیح بخاری کے زیادہ ہیں، اور
صرف اسی قدر بیان پر اکتفا نہیں ہو سکتی
کیونکہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الاصول کے
شروع میں جہاں راویوں کے طبقات بیان
کرنے کیلئے فرع ثالث کو مقرر کیا ہے جو
کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض
لوگ جو حدیثیں بنایا کرتے تھے خود معتر
ہوئے کہ فدک کی روایت انہوں نے بنا کر
بغداد کے محدثین کے سامنے پیش کی سب نے
قبول کر لیا سوا ابن ابی شیبۃ علوی کے کہ وہ جعل وافترا
کو سمجھ گئے اور انہوں نے کسی طرح قبول نہ کیا ابن
اثیر کی عبارت یہ ہے "بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے
کسی ہوای نفسانی کی طرف لوگوں کو رغبت دلانے
کیلئے حدیث بنائی پھر ان میں سے بعض لوگ
تائب ہو گئے اور اپنی جعلسازی کا اقرار کر لیا خوارج
کے ایک شیخ نے تائب ہونے کے بعد کہا کہ یہ حدیثیں

فانظروا ممن تاخذون دینکم
فانا کنا اذا ھو یبا امرا صیرناہ
حدیثا۔ وقال ابو العینا و
ضعت انا والجاحظ حدیث
فدك وادخلناہ علی الشیوخ
بغداد فقبلوہ الا ابن ابی
شیبۃ العلوی فانہ قال
لایشبہ آخر ھذا الحدیث
اولہ وابی ان یقبلہ الی آخرہ
بلفظہ واز کتب کلامیہ اہل حق وامامیہ
بعد از تتبع بسیارے توان دانست کہ
اہل تشیع در مطاعن خلفائے راشدین
خصوصًا احادیثے کہ تعلق بقصہ فدک
دارد چہ افترا با کہ در لباس تسنن و
اعتزال نکردہ اند۔

دین میں، لہٰذا دیکھو تم اپنا دین کن لوگوں سے
لیتے ہو۔ ہم لوگ جب کسی بات کو رائج کرنا چاہتے
تو اس کو حدیث بنا لیتے تھے۔ ابو العینا نے بیان
کیا میں نے اور جاحظ نے فدک کی حدیث کو بنایا
اور بغداد کے محدثین کے سامنے اس کو پیش کیا
سب نے اس کو قبول کر لیا سوا ابن ابی شیبہ
علوی کے کہ انہوں نے کہا اس حدیث کا آخری حصہ
اول کے حصہ سے مناسبت نہیں رکھتا، اور انہوں
نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اہلسنت
و شیعہ کے مناظرہ کی کتابوں کے دیکھنے سے بآسانی
یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اہل تشیع
نے سنی یا معتزلی بن کر خلفائے
راشدین کے مطاعن میں خصوصًا
قصہ فدک کے متعلق کیا کیا افترا پردازیاں
نہیں کیں۔

یہ عبارت ازالۃ الغین کی بجائے اصل کتاب سے نقل کرنے کے اس وقت شیعوں کے امام المناظرین قبلۃ المجتہدین مولوی حامد حسین کی کتاب استقصار الافحام مجلد اول صفحہ ۸۶۵ و صفحہ ۸۶۶ سے نقل کی گئی ہے۔ مولوی حامد حسین نے اس عبارت میں جو جو حوالے کتب شیعہ کے ہیں کسی کا انکار نہیں کیا اور نہ کر سکتے تھے۔

مولانا حیدر علی صاحب نے قصہ قرطاس و فدک کے متعلق جو نفیس تحقیقات لکھی ہیں ان شاء اللہ آئندہ کسی وقت کسی مستقل رسالہ میں نقل کی جائیں گی۔ واللہ الموفق۔

فائدہ پنجم:۔ یہ سب کچھ ہوا مگر بفضلہ تعالیٰ دین اسلام کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا اصلی سبب تو اس کا محض حفاظت خداوندی تھی، مگر اس عالم اسباب میں خداوند ذو الجلال

والاکرام نے اس کا یہ سامان کیا کہ قرآن مجید کو متواتر بنایا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کرام کو بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے تمام اطراف عالم میں پہنچایا، جو صحابی جس مقام پر پہنچے وہاں کے لوگوں نے اسلام کے عقائد و اعمال ان سے سیکھے اور بہت کم ایسا ہوا کہ صرف ایک صحابی کسی مقام پر گئے ہوں، اور اگر کہیں ایسا ہوا بھی ہو تو یہ بات کبھی نہیں ہوئی کہ متعدد صحابۂ کرام سے تصدیق و تائید کے مواقع نہ ملے ہوں۔

عقائد ضروریہ کی بنیاد تو صحابۂ کرام نے تمام تر قرآن مجید پر رکھی ہے[۱] رہے اعمال تو ان کے اصول بھی قرآن مجید ہی پر مبنی ہیں، البتہ ان کے برتنے کا طریقہ اور ان کے مسائل جزئیہ کی تفصیل روایات پر مبنی ہے مگر نہ مجرد روایات پر بلکہ ان کے ساتھ اعمال صحابہ کے مشاہدات

صحابۂ کرام کے متعلق خود قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کی شہادت موجود ہے کہ دین کی جو تعلیم ان سے حاصل ہو خصوصاً خلافت راشدہ کے زمانہ میں مسلمانوں کو بلا دغدغہ اس تعلیم کے پسندیدۂ خدا ہونے اور مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہونے پر یقین کرنا چاہئے دیکھو آیت تمکین وغیرہ۔

قرن صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں ائمہ مجتہدین نے تدوین مذہب کا کام انجام دیا۔ اور اعمال کی بنیاد تعامل صحابہ پر جو متواتر مشاہدات سے اُن تک پہنچے رکھی اور عقائد ضروریہ کا متکفل تو سب نے قرآن مجید ہی کو قرار دیا لہذا مذاہب اسلامیہ کی عمارت ایک ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہوئی کہ کسی دشمن کی رخنہ اندازی کسی طرح اس عمارت کو کوئی نقصان پہنچا ہی نہیں سکتی۔

اگر کوئی جعل ساز مفتری کوئی روایت گڑھ کر کسی فریب سے محدثین تک پہنچا بھی دے اور کوئی محدث اس کے دام فریب میں آکر اس روایت کو قبول بھی کرے تو اس کا نتیجہ اس سے زیادہ

---

[۱] چنانچہ آج عقائد ضروریہ اسلامیہ میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں جس کی تعلیم قرآن مجید میں نہ ہو۔ ہاں یہ البتہ ہے کہ بعض عقائد کی غیر ضروری تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے، احادیث میں ہے مگر یہ بات بھی امہات عقائد میں نہیں ہے امہات عقائد تو صرف تین ہیں۔ توحید و رسالت و قیامت۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت فاروق اعظم نے حکم دے دیا تھا کہ سوا اعمال کے اور کسی مضمون کی روایت بیان نہ کی جائے۔

کچھ نہیں ہوسکتا کہ وہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں درج ہوجائے۔ اور بس کوئی اثر اُس روایت کا اعمال پر بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اعتقادات جن کا تعلق براہِ راست قرآن شریف سے ہے۔

اُصول حدیث اور اُصول فقہ کی کتابوں میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ مجرّد روایت کیسی ہی صحیح و معتبر ہو اس پر عمل کرنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اعتقاد رکھنا بلکہ روایت کے معمول بہا بننے کیلئے بڑے بڑے شرائط ہیں جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

فائدہ ششم:۔ شیعوں نے بھی لوگوں کو دکھلانے کے لیئے ہماری ریس کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ہمارے مذہب کی عمارت بھی کسی مضبوط بنیاد پر ہے مجرّد روایت ہمارے یہاں بھی کوئی چیز نہیں ہے، چنانچہ شیعوں کے قبلۂ المناظرین مولوی حامد حسین صاحب استقصار الافحام مجلد اول صفحہ ۳، میں لکھتے ہیں ”بودن ہر حدیث صحیح واجب العمل مخالف تصریحات علمائے اعلام ست صاحب قوانین علی ما نقلہ المخاطب الفطین انچہ فرمودہ مآلش آن است کہ ہر حدیث صحیح جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد و اگر این مسئلہ از کتب اصول فقہ توان دریافت بلکہ محض کلام قدوۃ المحدثین والفقہاء المتبحرین سید نور الدین وغیرہ از افاضل محققین باین عبارت میرسد کہ ضرور نیست کہ ہر روایت ثقۃ الاسلام و شیخ صدوق رضوان اللہ علیہما و مانند ایشان واجب القبول باشد“ پھر صفحہ ۴ میں فرماتے ہیں ”ندانی کہ از مطالعۂ کتب معتبرات سنیہ مثل تقریب نووی برزعم مخاطب واضح مے شود کہ ہر حدیث صحیح جائز جائز العمل ہم نیست فضلاً عن ان یکون واجب العمل“ مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم اور سلطان العلما مولوی سید محمد مجتہد نے تو حسام میں اور ضربت حیدریہ میں یہاں تک لکھ دیا کہ اخبار احاد یعنی ان روایات کا شمار ہی دلائل شرعیہ میں نہیں ہے یہاں تک کہ کوئی ایسی روایت بھی اگر مل جائے کہ اس کے خلاف کوئی دوسری روایت نہ ہو تو بھی اعتقادات تو کجا اعمال کے لیئے اس سے سند لینا درست نہیں اور سُنی شیعہ کے کسی محدث نے یہ پابندی نہیں کی کہ جو حدیث وہ اپنی کتاب میں لکھیں اس کے مطابق عقیدہ یا عمل بھی رکھتے ہوں، بلکہ محدثین کی عادت ہے کہ جیسی روایت ان کو مل جائے

درج کر دیتے ہیں۔ اعتقادات امامیہ کی بنیاد ان روایات اخبار احاد پر نہیں ہے عبارتیں ان دونوں مجتہدین کے مع فوائد بار بار النجم میں نقل ہو چکی ہیں۔

مگر یاد رہے کہ شیعوں کو ہماری ریس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا کیا سچا مقولہ ہے کہ ؎

کلاغے تگ کبک در گوش کرد ۔۔۔ تگ خویشتن ہم فراموش کرد

اس لیئے کہ شیعوں نے یہ باتیں اس وقت کہیں جبکہ اہل سنت نے ان کی روایات پر داروگیر شروع کی، اور ان کے کذاب راویوں کی اختلاف بیانیوں نے اُن کو ضیق میں ڈالا دوسرے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شیعہ بیچارے اگر اپنے مذہب کی بنیاد اپنی واہی تباہی روایات پر نہ رکھیں، تو اور ان کے پاس ہے کیا؟ قرآن سے اُن کا ہاتھ خالی، تعامل اور تواتر کا ان کے مذہب میں وجود ہی ناممکن ؂ لہٰذا اپنی روایتوں کے متعلق ایسے خیالات ظاہر کر کے انہوں

ؔلہ جب اہل سنت نے دیکھا کہ شیعوں کا سارا دار و مدار روایات پر ہے اور وہ ہماری غیر معتبر روایات ہی سے ہم کو الزام دیتے ہیں تو اہلسنت نے بھی ان کی روایات کی چھان بین شروع کی اور انکی صحیح روایات کو نکال کر انکے سامنے پیش کر دیا جن میں ایسی گندگی بھری ہوئی ہے کہ الاماں، چنانچہ یہ بیان ہیں علمائے شیعہ کی جو ہم نے نقل کیں وہ زیادہ تر تحفہ و منتہی الکلام کے جواب میں لکھی گئی ہیں تاہم ان کی اس بات کو قبول کرنا ہم انسانی فرض سمجھتے ہیں کیونکہ مذہبی احتیاط اور مسائل دینیہ کی نزاکت روایات کو اس سے زیادہ اہمیت دینا پسند نہیں کر سکتی ۱۲ ؔلہ قرآن سے شیعوں کا خالی ہاتھ ہونا اس طرح پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ کوئی شیعہ اس سے انکار نہیں کر سکتا زیادہ نہیں تو اول من الماتین کے چاروں نمبروں کا دیکھ لینا کافی ہے باقی رہا تواتر کا مذہب شیعہ میں ناممکن ہونا وہ بھی اظہر من الشمس ہے امور ذیل پر غور کرو (۱) شیعوں کی تعداد زمانہ سلف میں حد تواتر سے کم تھی صحابہ کرام کے زمانہ میں خود وہ معترف ہیں کہ چار سے زیادہ نہ تھے (۲) آئمہ شیعہ ہمیشہ تقیہ کرتے رہے نہ علانیہ اپنے عقائد بیان کرتے تھے نہ علانیہ اپنے مذہب کے مطابق اعمال بجالاتے تھے حتّٰی کہ حضرت علی نے خلافت پانے کے بعد بھی اپنا سارا زمانہ خلافت تقیہ میں گذارا (۳) آئمہ اپنے شیعوں سے بھی غلط مسائل اپنے اصلی مذہب کے خلاف بیان کرتے تھے اور اس غلط گوئی میں بہت مصالح ذکر فرمایا کرتے تھے (۴) شیعہ راوی بھی تقیہ بازی اور مسائل کی غلط بیانی میں اپنے آئمہ سے کم نہ تھے (۵) آج بھی کتب شیعہ میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں ملتا جس میں آئمہ سے مختلف اقوال موجود نہ ہوں اور ان میں اصلی مذہب کا پتہ لگانا دشوار بلکہ ناممکن (۶) اصحاب آئمہ نے آئمہ سے نہ اصول دین کو یقین کے ساتھ حاصل کیا نہ فروع دین کو در لقبول مطلوب دلدر شی کے نزدیک یقین کا حاصل کرنا فرض بھی نہ تھا یہ سب باتیں بلا اختلاف شیعوں کو تسلیم ہیں اب ایسی حالت میں کسی خاص مسئلہ پر تواتر کیسے ہو سکتا ہے اور متواتر روایت کا وجود کس طرح ممکن کیا جا سکتا ہے ۱۲۔

نے اپنے کو کہیں کا نہ رکھا۔
اب وقت ہے کہ اصل مقصد کا آغاز کیا جائے۔

مقصد

واضح ہو کہ حدیث ثقلین کے الفاظ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے یہ ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي كِتَابَ اللهِ وَأَهْلَ بَيْتِي وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ. ترجمہ:۔ اس حدیث کا یہ ہے کہ " بہ تحقیق میں تم لوگوں میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان دونوں چیزوں سے تمسک کرو گے یعنی ان کو مضبوط پکڑے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور میرے اہلبیت اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں یعنی قیامت کے بعد بھی ان میں باہم جدائی نہ ہوگی۔

یہ حدیث مذہب شیعہ میں بڑی اعلیٰ پایہ کی مانی گئی ہے اُن کے مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب اساس الاصول صفحہ ۱ پر اس حدیث کو صح عن النبی بروایۃ العام والخاص لکھتے ہیں یعنے یہ حدیث نبی کی صحیح حدیث ہے اور عام و خاص یعنی سنی و شیعہ دونوں نے اس کو روایت کیا ہے اور اساس الاصول صفحہ ۱۴ پر اپنی کتاب احتجاج سے لیتے گیا ہوں امام حسن عسکری کا فرمان اس روایت کے متعلق نقل کرتے ہیں واضح خبر ما عرف تحقیقہ من الکتاب مثل الخبر المجمع علیہ من رسول اللہ۔ یعنی تمام احادیث میں سب سے زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جس کی تصدیق قرآن شریف سے ہو جائے مثل اُس

لہ مولوی دلدار علی صاحب نے امام حسن عسکری کی پوری حدیث نقل کی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث ثقلین کی تصدیق قرآن شریف سے کس طرح ہوتی ہے اس کو دیکھ کر اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جن کے اماموں کی فہم و دانش کا یہ حال ہے اُن کے امتی بیچارے کس عقل کے ہونگے۔ تفریح طبع کیلئے وہ پوری عبارت نقل کی جاتی ہے۔ امام حسن عسکری صاحب فرماتے ہیں:۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حدیث (یعنی حدیث ثقلین) کے جس کے حدیث رسول ہونے پر اجماع ہو گیا ہے۔
مگر اہلسنت کے یہاں اسکو اخبار احاد سے زیادہ کوئی رتبہ نہیں ملا بلکہ احاد کی بھی اعلی قسم میں نہیں
حتی کہ صحیح بخاری اس کے ذکر سے خالی ہے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ امام بخاری کی حذاقت

فلما وجدنا شواهد هذا الحديث
نصا في كتاب الله مثل قوله
انما وليكم الله ورسوله
والذين يقيمون الصلوة و
يوتون الزكوة وهم راكعون
ثم اتفقت روايات العلماء
في ذلك لامير المؤمنين انه
تصدق بخاتمه وهو راكع فشكر
الله ذلك له وانزل الاية فيه
ثم وجدنا رسول الله قد اتى
به من اصحابه بهذا اللفظ من
كنت مولاه فعلي مولاه اللهم
وال من والاه وعاد من عاداه
وقوله علي يقضي ديني وينجز
وعدي وهو خليفتي عليكم
بعدي وقوله حيث استخلفه
على المدينة فقال يا رسول الله
تخلفني على النساء والصبيان
فقال اما ترضى ان تكون مني
بمنزلة هارون من موسى الا انه

پس جب ہم نے اس حدیث کے شواہد بطور نص کے
کتاب اللہ میں پائے ۔ مثلاً اللہ کا یہ قول انما
ولیکم اللہ یعنی سوا اس کے نہیں کہ تمہارا ولی اللہ
ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے
جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ
جھکنے والے ہیں پھر علماء کی روایتیں اس میں امیر
المؤمنین کے لئے متفق ہو گئیں کہ انہوں نے اپنی
انگوٹھی بحالت رکوع صدقہ کی تھی، لہذا اللہ نے
ان کی شکر گزاری کی، اور یہ بات ان کے بارے میں
اتاری پھر ہم نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ ان سے ان
کے اصحاب یہ لفظ روایت کرتے ہیں کہ میں جس کا مولا
ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں یا اللہ دوست رکھ
اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمنی کر اس سے
جو علی سے دشمنی کرے۔ اور رسول کا یہ قول بھی ہم
نے دیکھا کہ علی میرا قرض ادا کریں گے، اور میرے وعدوں
کو پورا کریں گے۔ اور وہ میرے بعد پر میرے خلیفہ
ہوں گے، اور رسول کا یہ قول بھی ہم نے دیکھا
کہ جب رسول نے علی کو مدینہ پر (بوقت سفر تبوک)
خلیفہ بنایا، اور علی نے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور
بچوں پر خلیفہ بناتے ہیں تو رسولؐ نے (باقی صفحہ آگے پر)

اور کمال کا حال اس وقت خوب ظاہر ہوتا ہے جب ایسی مشتبہ روایات کی تفتیش کی جاتی ہے کہ ان کی کتاب الکثر ان امور سے پاک ملتی ہے ۔

لانبی بعدی فعلمنا ان الکتاب شهد بتصدیق هذه الاخبار وتحقیق هذه الشواهد فیلزم الامة الاقرار بها الحدیث ۔

فرمایا کہ کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ میری طرف سے اُس مرتبہ پر رہو جس مرتبہ پہ ہارون موسیٰ کی طرف سے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا لہٰذا ہم نے جان لیا کہ کتاب اللہ نے ان روایتوں کے صحیح ہونے کی شہادت دی، اور ان شواہد کے صحیح ہونے کی تصدیق کی پس اب امت پر ان احادیث کا ماننا لازم ہے ۔

اب شیعوں کے امام صاحب کے علم و استدلال کی حقیقت ملاحظہ ہو آپ حدیث ثقلین کی تصدیق قرآن شریف سے ثابت کرنا چاہتے ہیں اور ایک آیت پیش کرتے ہیں مگر دیکھتے ہیں کہ آیت سے کام نہیں چلتا تو اس کے ساتھ روایتیں ضمیمہ کرتے ہیں، اور بڑے فخر سے فرماتے ہیں کہ قرآن سے حدیث ثقلین کی تصدیق ہو گئی۔ اور امت پر اس حدیث کا ماننا لازم ہو گیا ۔

اگر ہم ان کی خاطر سے ان کی اس ساری تقریر کو صحیح مان لیں، آیت کا بھی وہی مطلب لیں جو وہ چاہتے ہیں، اور ان کی پیش کردہ روایات کی صحت کو اور ان کے مطالب کو بھی انھیں کی مرضی کے مطابق تسلیم کریں تو بھی جس کو خدا نے عقل دی ہے وہ سمجھ لے گا کہ یہ استدلال تو قرآن سے نہ ہوا قرآن اور روایات کے معجون مرکب سے ہوا بلکہ حقیقۃً خالص روایات سے ہوا کیونکہ یہ روایات بغیر آیت قرآنی کے بھی ان کے مفروضہ مطلب کے بنا پر ان کے مدعا پر دلالت کرتے ہیں اور آیت بغیر ان روایات کے کچھ بھی نہیں بناتی آیت تو ایک معمّیٰ اور چیستان ہے جس کا مطلب انہیں روایات سے حل ہوتا ہے ۔ لہٰذا استدلال تو کرتے روایات سے اور فرماتے ہیں قرآن نے حدیث ثقلین کی تصدیق کر دی ۔

بلکہ حق تو یہ ہے کہ امام صاحب کی پیش کردہ روایات سے بھی حدیث ثقلین کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ حدیث ثقلین کی مضمون تو یہ ہے کہ جس طرح قرآن کے احکام واجب الاطاعۃ ہیں اسی طرح اہل بیت رسول کے احکام بھی اور ان روایات سے انکے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ علی رسول (باقی اگلے صفحہ پر)

شیعہ کہتے ہیں

کہ اس حدیث ثقلین میں اہلبیت سے مراد بارہ امام ہیں اور تمسک سے مراد بارہ اماموں کے احکام پر عمل کرنا ہے، شیعہ بڑے زور شور سے اس حدیث کو اہل سنت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث سے بارہ امام کا مثل قرآن کے واجب الاتباع ہونا ثابت ہوتا ہے جو صریح دلیل انکے معصوم ہونے کی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب قطعًا اس حدیث کے

کے خلیفہ ہیں، کجا اہل بیت رسول کا واجب الاتباع ہونا اور کجا علی کا خلیفہ رسول ہونا دونوں مضمونوں میں کوئی ربط و تعلق نہیں ہے پھر تصدیق کیسی۔ ہاں ان روایات کے ساتھ دو خانہ ساز ضمیمہ اور لگائے جائیں تو کچھ کام چل سکتا ہے اول یہ کہ علی اہل بیت رسول ہیں دوم یہ کہ خلیفہ رسول کے احکام بھی مثل قرآن کے واجب الاطاعۃ ہوتے ہیں۔ بغیر ان دونوں ضمیموں کے تقریر ناتمام اور استدلال ناقص ہے اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان روایات سے حدیث ثقلین کی تصدیق ہوتی۔ ذلك مبلغهم من العلم۔

اب رہی یہ بات کہ اس آیت سے یا ان روایات سے حضرت علی کی خلافت ثابت ہوتی ہے، یا نہیں یہ ایک دوسری بحث ہے جس کو حدیث ثقلین کی تصدیق سے کچھ واسطہ نہیں لیکن اس کے متعلق بھی باختصار اس قدر عرض کیا جاتا ہے کہ ہرگز اس آیت انما ولیکم الله سے حضرت علی کی خلافت کیا معنے ان کی کوئی فضیلت بھی ثابت نہیں ہوتی نہ یہ آیت اُن کے شان میں نازل ہوئی۔ انگوٹھی والا قصہ اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس آیت کو خلافت سے کچھ تعلق نہیں۔ دیکھو ہماری تفسیر آیہ ولایت۔

اور امام صاحب نے جو چار روایات پیش کیں وہ سب باستثناء اخیر والی روایت کے غلط اور بے اصل بھی ہیں۔

انگوٹھی والی روایت کے متعلق امام صاحب کا یہ فرمانا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کذب صریح ہے علمائے اہلسنت نے ہرگز اتفاق نہیں کیا بلکہ اکابر علما نے اس روایت کے جعلی ہونے کی تصریح کی ہے دیکھو تفسیر آیت ولایت۔

من کنت مولاہ والی روایت کو بھی یہی حال ہے بڑے بڑے محدثین اہل سنت اس کو موضوع کہتے ہیں دیکھو منہاج السنۃ

علی یقضی دینی والی روایت کا بھی یہی حال ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

خلاف ہے وہ نہ دونوں وہ امام کو معصوم جانتے ہیں نہ مثل قرآن کے اُن کو واجب الاطاعۃ مانتے ہیں، نہ اُن کے احکام کی پیروی کرتے ہیں مصباح الظلم کے مصنف نے تو بہت دردانگیز لہجہ میں

باقی رہی منزلت ہارونی والی روایت وہ البتہ صحیح ہے لیکن اس سے بھی حضرت علی کی خلافت نہیں ثابت ہو سکتی۔ خاص موقع پر سفر میں جاتے وقت اگر رسول نے حضرت علی کو مدینہ میں خلیفہ بنا دیا تو پھر دوسرے مواقع پر دوسروں کو بھی بنایا ہے یہ وقتی وعارضی خلافت تو بہت سے صحابہ کو حاصل ہے اور یہ فرمانا کہ تم میرے طرف سے اس مرتبہ پر ہو جس مرتبہ پر حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی طرف سے تھے یہ بھی دلیل خلافت نہیں کیونکہ حضرت ہارون کو بھی وقتی وعارضی طور پر حضرت موسیٰ خلیفہ بنا کر کوہ طور پر گئے تھے۔ لا نبی بعدی اسلئے ارشاد فرمایا کہیں کوئی ملحد حضرت علی کے لئے تمام منازل ہارونیہ ثابت نہ کرے اور بعدی کا مطلب بعد موتی نہیں ہے بلکہ بعد نبوتی ہے یعنی حضرت کے نبی ہونے کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ شیعہ جو بعد موتی مراد لیتے ہیں قطع نظر اس سے کہ کوئی فائدہ ان کو نہیں پہنچ سکتا، غلط بھی ہے کیونکہ آیت خاتم النبیین کے بالکل خلاف ہے علاوہ اس کے خود شیعہ بھی زبان سے یہ نہیں کہتے کہ حضرت کی زندگی میں دوسروں کو نبوت مل سکتی تھی، آپ کے وفات کے بعد نہیں مل سکتی۔

ہاں اس صحیح اور فریقین کی متفق علیہ روایت سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے حکم رسول کی تعمیل میں حیل حجت نکالی اور جس طرح آپ کے حکم پر بے چون چرا سر تسلیم خم کرنا چاہیئے تھا، نہیں کیا آخر رسول کو سمجھانا پڑا کہ میرے اس حکم پر عمل کرنے میں تمہاری توہین نہیں ہے، بلکہ میں تمہارا رتبہ بڑھا رہا ہوں اتنی کد وکاوش کے بعد حضرت علی نے حکم رسول کو قبول کیا۔ یہ تھی امام صاحب کے استدلال کی حقیقت ۱۲۔

لہ یہ کتاب تھوڑے دن ہوئے بڑے اہتمام کیساتھ چھپ کر شائع ہوئی مصنف اس کے نواب امداد امام صاحب رئیس پٹنہ ہیں اور لوح پر لکھا ہے کہ مولوی نجم الحسن صاحب مجتہد لکھنؤ و مولوی مقبول احمد صاحب متوفی نے اس کی تصحیح و نظرثانی کی اور بحکم نواب صاحب رام پور مطبع ریاست میں چھپی موضوع اس کتاب کا یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ واقعہ کربلا کے اسباب کی تلاش کی جائے گی تہذیب کا بھی بڑا دعویٰ ہے اور نمائش کے لئے صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ تعظیمی الفاظ بھی مثل حضرت وغیرہ کے لکھے ہیں مگر دیکھنے والا جانتا ہے کہ اس کتاب میں اس قدر گالیاں صحابہ کرام کو بلا وجہ اور بلا ضرورت استدلال دی گئی ہیں کہ ایک شیعہ کا فرض مذہبی [illegible] ہو سکتا ہے، اور یہی کے علاوہ کتابوں کے جھوٹے حوالے عبارتوں کے غلط ترجمے فریب آمیز استدلال اپنی کتابوں کے مضامین کا انکار غرض کہ شیعہ حضرات کی روایتوں کے عادی میں سب کچھ اس کتاب میں ہے یہ کتاب ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ کو میرے پاس پہنچی اور عاشورائے محرم ۱۳۳۹ھ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کا ماتم کیا ہے اور جوشِ ماتم میں یہ راز بھی ان کے قلم سے نکل گیا کہ حضرت عمر کے ایک ادنیٰ اشارہ میں خاتم النبیین جیسے اولوالعزم پیغمبر کی بڑی بڑی کوششیں رائگاں ہو جاتی تھیں ان کے مقابلہ میں رسول کو کامیابی نہ ہو سکی ان کے قول "حسبنا کتاب اللہ" نے اس حدیث نبوی کو ڈیڈ لٹر یعنی مردہ قول بنا دیا کہ کسی نے پھر اس کی طرف رُخ ہی نہ کیا چند فقرات مصباح الظلم کے اس مقام کے عبرت کے لیے نقل کئے جاتے ہیں، کتاب مذکور کے صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں "ہر چند رسول اللہ نے اپنی رحلت کے قریب یہ فرمایا کہ ہم تم میں دو امر بزرگ چھوڑے جاتے ہیں یہ ایسے ہیں کہ اگر تم اُن سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ دونوں امر بزرگ قرآن اور میرے اہل بیت ہیں مگر شان کبریائی سے حضرت عمر بن خطاب کے قول حسبنا کتاب اللہ کے عشر عشیر کے برابر بھی یہ قول نبوی عملی تاثیر نہیں پیدا کر سکا"

نیز اسی صفحہ میں فرماتے ہیں "میں اس جگہ اس سے کوئی بحث نہیں رکھتا ہوں کہ حضرت عمر ابن الخطاب کا قول حسبنا کتاب اللہ اچھا تھا یا بُرا مگر اس کی تاثیر پر نظر ڈالنا اس کتاب کے احاطہ مقاصد سے ہے"

نیز صفحہ ۱۰ پر فرماتے ہیں "مگر حضرت عمر کے صرف ان تین چار لفظوں نے ایک ایسی نئی اسلامی دنیا قائم کر دی ہے کہ آج تک بڑے زوروں کے ساتھ قائم ہے ہر چند حضرت رسول کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے مگر حضرت عمر کے قول بالا نے قول نبوی کو عملی پیرایہ حاصل ہونے نہ دیا جس کے باعث ارشاد نبوی ایک قولی حیثیت تک محدود رہ گیا۔

نیز اسی صفحہ میں ہے "مگر اس حدیث پر عامہ مسلمانان یعنی مسلمانان غیر امامیہ کا نہ کبھی سابق میں عمل درآمد رہا ہے اور نہ آج ہے یہ حدیث نبوی ڈیڈ لیٹر یعنی ایک قول مردہ کی طرح کتابوں میں حوالہ قلم پائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ حیثیت کبھی اس کو حاصل نہیں رہی ہے"

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) میں اس کا جواب میں نے ۱۰۲۶ صفحہ پر لکھا جس کا نام ارشاد الامم رکھا گیا۔ مگر افسوس کہ میرے قیام امروہہ کے زمانہ میں یہ مسودہ مع دو اور مسودات کے حافظ مشتاق احمد صاحب لودھیانوی کی تحویل سے گم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر زندگی باقی ہے اور مشیت الٰہی بھی ہے تو پھر اس کا جواب لکھا جا سکتا ہے ورنہ نمونہ کے لئے اسی قدر کافی ہے ۱۲۔

نیز صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں "کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان غیر امامیہ از وقت خلیفہ اول تا این دم حسبنا کتاب اللہ کے تمسک سے ہیں اور یہ وہ قول ہے کہ جس نے اہلبیت نبوی کے نابود کر ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اور یعنی اہل بیت نبوی کی علیحدگی کے ساتھ ایک ایسے مذہب خاص کی بنا ڈالی کہ جس میں تمام غیر امامیہ داخل ہیں اور غیر امامیہ بہت سے فرقے ہیں"

نیز اسی صفحہ میں ہے "اس حدیث کی رو سے آپ کی عترت یا قرآن کے برابر ہے یا قرآن سے کم تنزلاً اگر قرآن سے کم بھی ہے تو اتنی ضرور ہے کہ دو امر بزرگ سے ایک امر بزرگ ہے۔

پھر اسی صفحہ میں ہے "راقم کی تجویز[ل] میں عترت نبی قرآن سے افضل ہے اس لئے کہ قرآن، قرآن صامت ہے اور عترت نبی قرآن ناطق ہے۔

پھر اسی صفحہ میں ہے "فرقہ غیر امامیہ جو امامت کو ایک فروعی امر سمجھتا ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قول حسبنا کتاب اللہ کی تبعیت سے وہ مضمون امامت جو رسول اللہ کے لفظ ثقلین پر مبنی ہے بالکل ندارد ہو جاتا ہے، پس امامت منجانب اللہ اگر اس قول کی بدولت لاشے مانی جاتی ہے، تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے"

نیز صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں "المختصر قول حسبنا کتاب اللہ سے جب امامت قرار پا سکتی ہے تو من جانب الناس قرار پا سکتی ہے جیسا کہ فرقہ غیر امامیہ کے ائمہ عموماً من جانب الناس کی حیثیت رکھا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی اس قول نے عملی طور پر حدیث ثقلین کو باطل کر ڈالا"

نیز صفحہ ۱۹ پر فرماتے ہیں آخر میں راقم کا یہ عرض کر دینا خلاف محل نہ ہوگا کہ قول حسبنا کتاب اللہ کس اعلیٰ درجہ کا پولٹیکل وزن رکھتا ہے۔ اللہ اکبر اس قول نے کیا کیا پولٹیکل نتائج تاریخ عرب میں پیدا کئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ قول حضرت عمر بن الخطاب کے لب مبارک سے نہ آیا ہوتا تو اس وقت عرب کی تاریخ نہ صرف تمدن بلکہ مذہب کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے رنگ کی دکھائی دیتی۔ حق یہ ہے کہ قابل آدمی دنیا میں کیا نہیں کر سکتا ہے امر واقعی یہ ہے کہ

[ل] غلط ہے یہ تجویز آپ کی نہیں بلکہ یہ متفق علیہ اعتقاد شیعہ اثنا عشریہ کا ہے ۲

حضرت عمر بن الخطاب کی پولیٹیکل قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی حضرت معاویہ بن ابی سفیان گو ایک بہت بڑے مدبر ذہین اور فطین بزرگ تھے مگر حضرت عمر ابن الخطاب کے پولیٹیکل دماغ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے نہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہؐ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کر دیا۔"

مصباح الظلم کی ان عبارات کے چار نتائج بھی باختصار سن لیجئے اور انہیں سے اس پوری کتاب کی حالت کا اندازہ کر لیجئے۔

نتیجہ اول :۔ یہ کہ حدیث ثقلین سنیوں کی کتابوں میں ڈیڈ لیٹر ہے کبھی کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور نہ صرف اہل سنت بلکہ سوا امامیہ کے جس قدر فرقے اسلام کے ہیں جو بہت ہیں (جن کے سامنے امامیہ کو وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کو کروڑ سے ہوتی ہے) یہ سب کے سب حدیث ثقلین کے ترک پر متفق ہیں۔

اس نتیجہ پر شیعہ تو خوش ہوں گے اور تمام امت کا اس حدیث ثقلین کے ترک پر متفق ہونا اس امر کی دلیل قرار دیں گے کہ سوا معدودے شیعوں کے ساری امت نے رسول کے حکم کو پس پشت ڈال دیا ان کو رسول ہی نہ سمجھا ورنہ ان کے حکم کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں کرتے۔

مگر ایک غیر جانب دار شخص جو عقل و انصاف کو ضائع نہیں کر چکا اس نتیجہ سے یہ بات مستنبط کرے گا کہ کسی وجہ سے یہ روایت درج کتب تو ہو گئی مگر یا تو اس کا وہ مطلب نہیں جو شیعہ بیان کرتے ہیں، یا اس کو کسی نے قول رسول نہیں مانا ورنہ عقلاً یہ محال عادی ہے کہ اتنی بڑی جماعت اتنے متعدد و مختلف فرقے سب دیدہ و دانستہ یا بطور خطا کے اپنے نبی کے حکم کے خلاف ورزی پر متفق ہو جائیں۔ ہاں ان سب کے مقابلہ میں ایک فرقہ شیعہ جس کی تعداد بھی بہت کم ہے، اور جس نے سب سے علیحدہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی عمارت بنائی ہے، وہ گمراہ یا غلط کار ہو سکتا ہے۔

لہ چنانچہ اصول حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ کوئی روایت ایسی ہو جس پر امت میں کوئی عامل نہ ہو وہ روایت بے اصل ہے دیکھو علل ترمذی۔ بلکہ یہاں تک ہے کہ اگر کوئی صحابی خود اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرے تو وہ حدیث لائق عمل نہیں ۱۲ ۔

غرضکہ یہ نتیجہ حدیث ثقلین کے بے اصل و بے بنیاد ہونے کی دلیل بن سکتا ہے نہ تمام اُمت کے گمراہ ہونے کی ۔

نتیجۂ دوم یہ کہ شیعوں کے مسئلہ امامت کی بنیاد اسی حدیث ثقلین پر ہے، قرآن شریف میں مسئلہ امامت کا ذکر تو کجا قرآن سے اس مسئلہ کا استنباط بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ نتیجہ بھی شیعوں کو چاہے کیسا ہی خوشگوار کیوں نہ معلوم ہو مگر دنیا میں کون ہے جو اُس مذہب کو اسلام کی شاخ سمجھے جس کے بنیادی مسئلے کو قرآن سے کچھ لگاؤ نہ ہو حتی کہ حسبنا کتاب اللہ کہنے سے اس مذہب کی بیخ کنی ہو جائے ۔ نیز اس نتیجہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ علمائے شیعہ جو لوگوں کو یہ سبز باغ دکھاتے ہیں کہ مسئلہ امامت قرآن سے بھی ثابت ہے اور متعدد آیات قرآنیہ کا جھوٹا حوالہ دیکر بہکاتے ہیں یہ سب مکر و فریب ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں ۔

نتیجۂ سوم، یہ کہ اہل بیت کا رتبہ قرآن سے زیادہ ہے قرآن کو علاوہ محرف[ل] ہونے کے صامت یعنے خاموش ہونے کے عیب نے بالکل بیکار کر دیا ۔

یہ نتیجہ وہ ہے جس سے مذہب شیعہ کا اندرونی راز معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ مذہب شیعہ کی بنیاد قرآن کی عداوت و مخالفت پر ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب اہل بیت کا رتبہ قرآن سے افضل بھی ہے پھر قرآن محرف بھی ہے خاموش بھی ہے تو آئمہ اہل بیت یعنی دوازدہ امام کے اقوال و احکام کے مقابلہ میں قرآن کی کیا عزت ہو سکتی ہے اور قرآن سے سروکار رکھنے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے ۔

قرآن نے شیعوں کو کوئی ایسا ہی ناقابل تلافی صدمہ پہنچایا ہے جس کے انتقام میں قرآن کی اس قدر توہین ہو رہی ہے ورنہ ہر کتاب صامت ہے اور ہر انسان ناطق پس شیعوں کی حدیث کی کتابیں بھی صامت ہیں لہٰذا ہر انسان کو نہ سہی تو شیعوں کو اور خاص کر ان کے علما کو ضرور اپنی کتب حدیث سے افضل ہونا چاہیئے ۔

بہرکیف کچھ بھی ہو اس نتیجہ نے مذہب شیعہ کی حقیقت کو طشت از بام کر دیا ۔

نتیجۂ چہارم، یہ کہ حضرت عمر کے مقابلہ میں رسول ناکام رہے حضرت عمر کی [illegible] توجہ رسول

ل مصباح الظلم میں قرآن کے محرف ہونے کو بڑے شد و مد سے صفحہ ۱۴ سے صفحہ ۱۹ تک بیان کیا ہے ۱۲ ۔

کی پرزور کوششوں کو بیکار کرنے کے لئے کافی تھی حضرت عمر کی پولیٹیکل قابلیت کے سامنے رسول کی قابلیت کچھ بھی نہ تھی۔

یہ نتیجہ بھی شیعوں کو مبارک ہو وہ چاہیں حضرت عمر کے مقابلہ میں رسول کو نیچا دکھادیں چاہیں خدا کو ان کے مقابلہ میں ناکام ثابت کریں۔ اور شیعوں کو یہ کہہ کر بہلا لیں کہ جس کے سامنے بوجہ اس کی لاجواب پولیٹیکل قابلیت کے نہ خدا کی کچھ چلتی تھی نہ رسول کی اس کے سامنے اگر شیر خدا کی کچھ نہ چلی تو تعجب نہ کرو۔

لیکن ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ سے یہ سمجھ لے گا کہ اصلی مقصود مذہب شیعہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو مشکوک بنانا اور قرآن شریف نے جو رتبہ عالی آپ کا بیان فرمایا ہے اس کی تکذیب کرنا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول اور آخری رسول تھے سب رسولوں سے افضل تھے اور سارے عالم کے لئے اور قیامت تک کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، اور ان کے ہاتھ میں نبوت و بادشاہت دونوں کی باگ خدا نے دی تھی اور خدا کا مقصود ان کی بعثت سے یہ تھا کہ کفر کی بڑی بڑی سلطنتیں زیر و زبر کر دی جائیں دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے، مگر مذہب شیعہ یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پولیٹیکل قابلیت ہی نہ تھی اور اگر تھی تو حضرت عمر سے کم اور بہت کم تھی لہذا یا تو خدا سے اس انتخاب میں غلطی ہوئی کیونکہ بادشاہت اور پھر اتنی بڑی بادشاہت کے فرائض بغیر اعلیٰ پولیٹیکل قابلیت کے انجام پذیر نہیں ہو سکتے یا فرشتوں سے غلطی ہوئی کہ وہ بجائے حضرت عمر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط دعویٰ نبوت کا کیا اور غلط طور پر اپنے لئے ان مراتب و مناصب کا منجانب اللہ ہونا بیان کیا۔ نعوذ باللہ منہ ثم نعوذ باللہ منہ۔

الحاصل:۔ یہ حدیث ثقلین شیعوں کے یہاں بڑی چیز ہے اور اسی پر بقول ان کے مذہب کے چکی گھوم رہی ہے۔

اہلِ سنت کی طرف سے کہا گیا ہے

کہ اس حدیث میں لفظ اہل بیت سے بارہ اماموں کو مراد لینا قطعاً غلط ہے اہلبیت سوا زوجہ کے اولاد کے لئے نہ لغت عرب میں ہے نہ قرآن میں مستعمل ہے دیکھو آیۂ تطہیر میں سیاق وسباق قرآنی بتا رہا ہے کہ لفظ اہل بیت سے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے اور کوئی مراد نہیں ہے مسلمانوں نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا اور ازواج ہی کو آیۂ تطہیر کا مصداق قرار دیا اسی لئے آج تک آپ کی ازواج کے لئے مطہرات کا لفظ جو اسی آیۂ تطہیر سے ماخوذ ہے روزمرہ میں داخل ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں اہل بیت ان کی بی بی کو فرمایا گیا ہے قولہ تعالیٰ رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت۔ یہاں شیعہ بھی سوا زوجہ کے کسی اور کے مراد ہونے کا احتمال نہیں پیدا کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔

اور بالفرض اگر ازواج کے ساتھ اولاد اور داماد یا چچیرے بھائی کو بھی شامل کیا جائے تو قیامت تک ہونے والی سب اولاد مراد ہو گی اور داماد حضرت عثمان بھی ہیں چچیرے بھائی حضرت عباس کے دس بیٹے بھی ہیں یہ سب بھی اہل بیت ہونگے بارہ کی تخصیص تو کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی۔

لفظ اہل بیت کے اس قدر وسیع ہونے کے بعد شیعہ سنی دونوں کے مذہب کے خلاف ہوگا کہ تمسک باہل بیت سے اہل بیت کے احکام پر عمل کرنا مراد لیا جائے۔ ورنہ آج ہر سید کو خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ بلکہ آریہ[1] وعیسائی ہونیکی صورت میں بھی معصوم مفترض الطاعة ماننا پڑیگا۔ لہذا ضروری ہوا کہ تمسک باہل بیت سے ان کے احکام پر عمل کرنا مراد نہ لیا جائے بلکہ ان کے ساتھ محبت کرنا مراد لیا جائے۔

پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ قرآن کے احکام پر عمل کرو اور میرے اہل بیت کے ساتھ

---

[1] آریہ سید کی مثال سید غلام حیدر دہلوی اور عیسائی سید کی مثال سید عبد الحق پادری ہیں اللہ مہری جو فی الحال سہارنپور میں پادری ہے ۱۲۔

محبت کرو۔ اس مطلب کی بنا پر اہل سنت کا مسلک حدیث ثقلین کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ اہل سنت اہل بیت نبی کے اصلی اور حقیقی مصداق یعنے ازواج مطہرات کیساتھ بھی جیسا کچھ اخلاص رکھتے ہیں ظاہر ہے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو اور ان کی اولاد کو اور آپ کے دامادوں کو خصوصاً حضرت عثمان اور حضرت علی اور جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اجمعین کو جیسا کچھ مانتے ہیں ساری دنیا جانتی ہے۔

حدیث ثقلین کے مفہوم مشہور پر لاینحل اشکالات

حدیث ثقلین کا جو مطلب شیعہ بیان کرتے ہیں اُس پر بھی اعتراضات وارد ہوتے ہیں اور جو مطلب سنیوں کے یہاں مشہور ہے اُس پر بھی۔ اور اعتراضات بھی ایسے لاینحل ہیں کہ دونوں کے مذہبی اصول ان کی جواب دہی سے کنارہ کش ہیں۔

شیعوں کے بیان کئے ہوئے مطلب پر **ایک** اعتراض تو وہ تھا جو اوپر بیان ہو چکا کہ لفظ اہل بیت سے بارہ امام کسی طرح مراد نہیں ہو سکتے جیسا کہ تفسیر آیۂ تطہیر میں اس کو بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے۔

لفظ اہل بیت سے بارہ امام مراد لینے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے جس کو کبھی مسلمانوں کا ایمان قبول نہیں کر سکتا کہ جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا زمرۂ اہل بیت سے خارج ہوئی جاتی ہیں۔ اگرچہ شیعوں کو اس کی پرواہ نہیں ہے اور وہ اپنی اس خانہ ساز روایت پر کہ اهل بيت كل نبى اوصياءه یعنی ہر نبی کے اہل بیت وہی ہیں جو بموجب اس کی وصیت کے اس کے جانشین ہوں حضرت فاطمہ کی اس فضیلت کو بڑی خوشی سے قربان کرتے ہیں مگر اہل سنت بوجہ ایک حدیث نبوی کے اور بوجہ اطلاقات سلف صالحین کے کبھی اس کو پسند نہیں کر سکتے چنانچہ مولنا حیدر علی صاحب کو شیعوں کے مقابلہ پر خاص اسی مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھنی پڑی جس کا نام الداهية الحاطمة على من اخرج من اهل البيت فاطمه ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح ہے تو مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع اشیا کا انحصار دو چیزوں میں ماننا پڑے گا یعنی قرآن اور اہل بیت میں سنت نبوی کوئی چیز نہ رہے گی نہ اس کا اتباع مسلمانوں پر ضروری ہوگا۔ حالانکہ شیعہ بھی اس کو زبان سے کبھی نہیں کہہ سکتے کہ سنت نبوی واجب الاتباع نہیں سیکڑوں حدیثیں ان کے آئمہ معصومین کی ان کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں سنت نبوی کے واجب الاتباع ہونے کو بڑے شد و مد سے بیان کیا گیا ہے۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۹ باب الاخذ بالسنۃ و شواہد الکتاب نکال کر دیکھو متعدد حدیثیں اس مضمون کی ملیں گی۔ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ من خالف کتاب اللہ و سنۃ محمد فقد کفر یعنے جو شخص قرآن اور سنت نبوی کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ ان سب حدیثوں کے علاوہ حضرت علی کی آخری وصیت بھی بہت تصریح کے ساتھ اس مضمون کو بتا رہی ہے نہج البلاغۃ مطبوعۃ مصر قسم اول صفحہ ۲۰۷ میں ہے :-

ومن کلام لہ علیہ السلام قالہ قبل موتہ اما وصیتی فاللہ لا تشرکوا بہ شیئا و محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلا تضیعوا سنتہ اقیموا ھذین العمودین واوقدوا ھذین المصباحین وخلاکم ذم مالم تشردوا۔	یہ کلام ہے جناب امیر علیہ السلام کا جو آپ نے اپنی موت سے پہلے فرمایا میری وصیت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ضائع نہ کرنا۔ ان دونوں ستونوں کو قائم کرو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کرو پھر ہر برائی تم سے دور رہے گی تا وقتیکہ جماعت سے علیحدہ نہ ہو۔

اس وصیت سے معلوم ہوا کہ نجات کے لئے صرف توحید و سنت کافی ہے اگر اہلبیت کے واجب الاتباع ہونے کی کچھ اصلیت ہوتی تو اس آخری وصیت میں ضرور اسکا ذکر ہوتا۔ **ف** جناب امیر علیہ السلام نے اس آخری وصیت میں توحید و سنت کی پابندی کیساتھ جماعت سے علیحدہ نہ ہونے کی بھی قید لگا دی اس کی تائید ان کی دوسری احادیث سے

بھی ہوتی ہے چنانچہ نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۱۶۱ پر جناب امیر علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

وسیھلك فی صنفان محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیر الحق و مبغض مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق و خیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ و الزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ و ایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب الا من دعا الی ھذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ۔

اور عنقریب میرے بارہ میں دو گروہ ہلاک ہوں گے ایک زیادہ محبت کرنے والا جس کو محبت خلاف حق کی طرف لے جائیگی۔ دوسرا بغض رکھنے والا جس کو بغض خلاف حق کیطرف لے جائیگا میرے بارہ میں سب سے بہتر حالت درمیانی گروہ کی ہے لہذا اس کو لازم پکڑو اور بڑی جماعت کیساتھ رہو اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ خبردار بڑی جماعت سے جدائی نہ اختیار کرنا جماعت سے نکل جانے والا شیطان کے حصہ میں آجاتا ہے جس طرح گلہ سے علیحدہ ہو جانے والی بکری بھیڑیے کے حصہ میں آتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو تم کو جماعت سے علیحدگی کی طرف بلائے اس کو قتل کر دو اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو ہو یعنی وہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔

کس صفائی کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام تاکید فرما رہے ہیں کہ کلمہ گویان اسلام کی بڑی جماعت کے ساتھ رہو اور جو اس کا عقیدہ میرے متعلق ہے وہ متوسط درجہ کا ہے وہی عقیدہ رکھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ شیعوں کے غیر ناجی ہونے کے لیے یہی ایک قول جناب امیر کا کافی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام نے بحوالہ قرآن بھی اس مضمون کو اپنے خطبوں میں اور اپنے فرامین میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن اور سنت کی پیروی کرنا چاہیئے۔ نہج البلاغہ قسم اول صفحہ ۲۵۸ میں ہے :-

وقد قال اللہ سبحانہ فان

اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں

تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول فرده الى الله ان نحكم بكتابه ورده الى الرسول ان ناخذ بسنته ـ

اور اولوالامر میں نزاع ہو تو اس نزاع کو اللہ و رسول کی طرف رجوع کراؤ، اللہ کی طرف رجوع کرانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن سے فیصلہ کریں اور رسول کی طرف رجوع کرانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی سنت سے فیصلہ کریں۔

یہ قول جناب امیر علیہ السلام کا خوارج کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ تم نے اپنے اور معاویہ کے نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے حکم کیوں بنایا جناب امیر علیہ السلام ایک آیت قرآنی کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کیا حکم خداوندی کے مطابق کیا۔ خدا کا حکم یہی ہے کہ جب تم میں اور اولوالامر میں نزاع ہو تو اس نزاع کو اللہ و رسول کی طرف رجوع کراؤ۔ اگر اہل بیت کا اتباع واجب تھا تو حضرت علی کو حضرت معاویہ سے صاف کہہ دینا چاہیئے تھا کہ میرے ساتھ نزاع ہی جائز نہیں ہیں تو از روئے حدیث ثقلین مثل قرآن کے واجب الاتباع ہوں،

پھر نہج البلاغہ قسم دوم صفحہ ۹۰ میں حضرت علی کے ایک فرمان بنام اشتر نخعی کا ایک جملہ یہ ہے:

واردد الى الله ورسوله ما يضلعك من الخطوب ويشتبه عليك من الامور فقد قال الله تعالى لقوم احب ارشادهم يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول فالرد الى الله الاخذ بمحكم كتابه والرد الى الرسول الاخذ بسنته الجامعة

اور اللہ و رسول کی طرف رجوع کراؤ ان کاموں کو جو تمہاری سمجھ میں نہ آئیں اور جو چیزیں تم کو مشتبہ معلوم ہوں اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو ہدایت کرنا چاہا تھا (یعنی صحابہ کرام) اس سے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور صاحبان حکومت کی جو تم میں سے ہوں، پھر اگر تم میں اور اولوالامر میں نزاع ہو تو اس نزاع کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی محکم آیتوں پر عمل کیا جائے۔ اور رسول کی طرف رجوع کرانے کا مطلب یہ ہے کہ ان

کی سنت جامعہ[1] پر عمل کیا جائے

ف:۔ جناب امیر علیہ السلام کے اس قول سے اہل سنت وجماعت کی وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہو رہی ہے مسلمانوں کا سب سے بڑا گروہ چونکہ رسول کی سنت جامعہ کا شروع ہی سے پابند رہا ہے اس لئے جب اسلام میں نئے نئے فرقے پیدا ہوئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا نام تجویز کیا تو اس بڑے گروہ کا نام اہل سنت وجماعت[2] مشہور ہوا۔

الغرض قرآن اور سنت نبوی کا واجب الاتباع ہونا کتب شیعہ سے ان کے ائمہ معصومین خاص کر جناب امیر علیہ السلام کی احادیث سے اس درجہ ثابت ہے کہ شیعہ اگر انکار کرنا چاہیں تو کر نہیں سکتے مگر حدیث ثقلین سنت نبوی کو لاشیٔ محض قرار دیتی ہے اور بجائے اس کے اہل بیت کو واجب الاتباع بتاتی ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہ ہے کہ حدیث ثقلین سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور اہل بیت دونوں قیامت تک دنیا کے سامنے موجود رہیں گے اور ان دونوں کے احکام پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہوگا۔ ورنہ غیر موجود چیز پر عمل کرنے کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہوگا جو کسی طرح جائز نہیں مگر از روئے مذہب شیعہ دونوں چیزیں دنیا سے غائب ہیں اور ان کے غائب ہونے کو صدیاں گزر گئیں بلکہ ان کے موجودگی کا زمانہ بہ نسبت غائب ہونے کے اقل قلیل ہے۔ قرآن تو رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی محرف ہو گیا۔ نہ معلوم کتنی آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں کتنی بڑھائی گئیں کہاں کہاں الفاظ وحروف بدلے گئے ترتیب آیتوں کی اور الفاظ وحروف کی الٹ پلٹ کی گئی اصلی قرآن خواب میں بھی دیکھنے کو نصیب نہیں ہوتا۔ رہے اہل بیت تو گیارھویں امام حسن عسکری کے وفات کے بعد جو ۲۶۰ھ میں ہوئی وہ بھی دنیا سے غائب ہو گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بارھویں امام کسی غار میں پوشیدہ اور زندہ موجود ہیں اور اصلی قرآن بھی ان کے پاس ہے لیکن جب کہ

---

[1] جامعہ کی قید نے مذہب شیعہ کی بیخ کنی کردی یہ دعویٰ جھوٹ موٹ بھی وہ نہیں کر سکتے کہ ہم رسول کی اس سنت پر عمل کرتے ہیں جو سب مسلمانوں کو خاص کر صحابہ کرام کو ایک جماعت بنا دیتی ہے ۱۲۔

[2] اہل سنت وجماعت وہی لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو واجب الاطاعت جانتے ہوں۔ اور رسول کی سنت دین اسلام کے سواد اعظم یعنی بڑی جماعت سے لیتے ہوں چھوٹے چھوٹے فرقوں کی نقل روایت پر اعتبار نہ کرتے ہوں ۱۲۔

کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا ان کی آواز نہیں سن سکتا تو ان کا وجود و عدم برابر ہے۔

پس اگر حدیث ثقلین سچی ہے تو قرآن کا محرف اور اہل بیت کا غائب ہونا غلط ہے اور اگر ان دونوں کا محرف و غائب ہونا صحیح ہے تو حدیث ثقلین غلط ہے اور ان میں سے جس کو بھی غلط مان لیا جائے مذہب شیعہ کی بنیاد متزلزل ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ مذہب شیعہ کی ایک بنیاد اگر بقول ان کے حدیث ثقلین پر ہے تو دوسری بنیاد قرآن کے محرف ہونے اور اہل بیت کے غائب ہونے پر ہے۔

یہ تین اعتراض شیعوں کے بیان کئے ہوئے مطلب پر تھے اب سنیوں کے بیان کئے ہوئے مطلب پر جو اعتراضات ہیں ان کو دیکھو۔

سنیوں کے بیان کئے ہوئے مطلب پر ایک اعتراض تو وہی ہے جو شیعوں پر ہوا کہ حدیث ثقلین میں قرآن کے بعد سنت کا ذکر کیوں نہیں ہے حالانکہ قرآن کے بعد سنت کا ذکر ضروری تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تمسک باہل بیت کا مطلب محبت اہل بیت بھی صحیح نہیں کیونکہ اہل بیت سے خواہ صرف ازواج مطہرات مراد لی جائیں یا ان کے ساتھ اہل قرابت بھی شامل کر لئے جائیں بہر صورت وجوب محبت کا حکم شرعاً نہ ان کے ساتھ مخصوص ہے نہ ان کے ساتھ بلکہ از روئے قرآن تمام مومنین و مومنات پر ایک دوسرے کی محبت واجب ہے قولہ تعالےٰ المؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض اور احادیث میں خصوصیت کے ساتھ مہاجرین و انصار کی محبت کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے جس کی تائید متعدد آیات قرآنی سے ہوتی ہے (دیکھو ہماری تفسیر آیات مدح مہاجرین)۔

اور اگر بقول علامہ تورپشتی جس کو صاحب مرقاۃ نے نقل کیا ہے تمسک باہل بیت کا یہ مطلب ہو کہ ان کی روایات پر عمل کیا جائے تو یہ چیز بھی مخصوصات اہل بیت سے نہیں ہے۔ جو ثقہ راوی بھی روایت کرے کسے باشد اور اس روایت میں تمام شرائط معمول بہا ہونے کے پائے جائیں اس پر عمل کیا جاتا ہے کسی قسم کی ترجیح بھی اہل بیت کی روایت کو غیر اہل بیت کی روایت پر نہیں دی جاتی۔

یہ دو اعتراض اہل سنت کے بیان کئے ہوئے مطلب پر ہوتے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان الفاظ اور اس مفہوم کے ساتھ نہ مذہب شیعہ پر صحیح ہو سکتی ہے نہ مذہب اہل سنت پر۔ مگر شیعہ اس حدیث کے ان الفاظ کی صحت سے انکار کر دیں تو اُن کے مذہب کا گھروندہ ہی بگڑ جائے بیچارے بالکل اس شعر کے مصداق ہیں ؎

دو گونہ رنج و عذاب ست جان مجنون را — بلای صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

فیصلہ

لہٰذا اہل سنت کے لئے فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہر گز صحیح نہیں ہے اور ایسی بات جو ضروریات قطعیہ کے خلاف ہو قول رسول ہو ہی نہیں سکتی۔

مدت تک مجھے اس کا خلجان رہا سب سے پہلے صحیح مسلم میں حدیث ثقلین کی روایت اور اس کے سیاق بیان کو دیکھ کر کچھ سراغ اصل حقیقت کا ملا۔ صحیح مسلم میں یہ روایت یزید بن حیان سے بایں الفاظ منقول ہے۔

قال انطلقت انا وحصين بن سبرة وعمر بن مسلم الى زيد ابن ارقم فلما جلسنا اليه قال له حصين لقد لقيت يا زيد خيرا كثيرا۔ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وسمعت حديثه وغزوت معه وصليت خلفه لقد لقيت يا زيد خيرا كثيرا حدثنا يا زيد ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ قال يا ابن اخي

یزید بن حیان کہتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم تینوں زید بن ارقم کے پاس گئے جب ہم لوگ ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصین نے ان سے کہا کہ اے زید آپ نے بڑی فضیلت پائی ہے۔ آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کی حدیثیں سنیں اور ان کے ہمراہ جہاد کئے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں بلا شبہ آپ نے اے زید بہت فضیلت پائی۔ اے زید ہم سے کچھ بیان کیجئے جو آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ زید نے فرمایا اے میرے بھتیجے اللہ کی قسم میری عمر اب

والله لقد كبرت سني وقدم عهدي ونسيت بعض الذي كنت اعي من رسول الله صلى الله عليه وسلم فما حدثتكم فاقبلوه ومالا فلا تكلفونيه۔

ثم قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا فينا خطيبا بماء يدعى خما بين مكة والمدينة فحمد الله واثنى عليه ووعظ وذكر ثم قال اما بعد الا ايها الناس فانما انا بشر يوشك ان ياتي رسول ربي فاجيب وانا تارك فيكم ثقلين اولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به فحث على كتاب الله ورغب فيه ثم قال واهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي۔

زیادہ ہوگئی، اور دن بہت ہوگئے، اب میں بعض حدیثیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مجھے یاد تھیں بھول گیا ہوں، لہٰذا جو کچھ میں تم سے بیان کردوں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کو نہ پوچھو۔

پھر حضرت زید نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے درمیان میں خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے اس حوض کے پاس جس کو غدیر خم کہا جاتا ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے پس آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ و نصیحت فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (یعنی موت کا فرشتہ) آئے اور میں قبول کرلوں اور دنیا سے چلا جاؤں لہذا تم کو بتائے دیتا ہوں کہ میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں پہلی چیز ان دونوں میں کی کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے لہذا کتاب اللہ پر عمل کرو اور اس کو مضبوط پکڑو، پھر آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی تحریص وترغیب فرمائی، اسکے بعد فرمایا اور میرے اہل بیت میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق خدا کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے متعلق خدا کی یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے متعلق خدا کی

یاد دلاتا ہوں۔

یہی روایت انہیں یزید بن حبان سے صحیح مسلم میں ایک اور طریق سے بھی منقول ہے مگر اصل مقصد کے متعلق الفاظ اور سیاق بیان ایک ہے۔

صحیح مسلم کی اس روایت میں دو چیزوں نے اصل حقیقت کا سُراغ بتایا۔ اوّل یہ کہ کتاب اللہ کے ساتھ اولہما کی لفظ ہے مگر اہل بیت کے ساتھ ثانیہما کی لفظ نہیں ہے، دوم یہ کہ کتاب اللہ کے لئے ہدیٰ اور نور کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ اخذ و تمسک یعنی عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تحریص و ترغیب فرمائی گئی ہے۔ مگر اہل بیت کے لئے یہ کوئی بات نہیں ہے بلکہ صرف اذکرکم اللہ فی اہل بیتی فرمایا جس میں محض ان کے حقوق[1] کی رعایت کی تاکید ہے۔ اور بس۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی اُمت میں ثقلین یعنی دو گراں قدر چیزوں کے چھوڑ جانے کو فرمایا اور ان کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دوسری روایات میں آیا ان میں سے پہلی چیز تو قرآن ہے مگر دوسری چیز اہل بیت نہیں ہیں ورنہ جس طرح قرآن کے لئے اولہما کی لفظ ہے ان کے لئے ثانیہما کی لفظ ہوتی اور جس طرح قرآن کو ہدیٰ و نور فرما کر اس کے ساتھ اخذ و تمسک کا حکم دیا اس طرح اہل بیت کیلئے بھی ہوتا۔

اس دوسری چیز کو اس روایت میں راوی نے بیان نہیں کیا۔ یہ ایک عام عادت راویوں کی ہے کہ حسب ضرورت کیلئے حدیث کی روایت کرتے ہیں اگرچہ وہ حدیث بڑی ہو مگر روایت

---

[1] اہل بیت سے اگر اس کے حقیقی مصداق یعنی ازواج مطہرات مراد ہوں تب تو اُن کے حقوق خود قرآن مجید میں ہیں قولہ تعالیٰ ازواجہ امہاتہم نبی کی بیبیاں ایمان والوں کی ماں ہیں و قولہ تعالیٰ ولا ان تنکحوا ازواجہم من بعدہ ابدا نبی کے بعد ان کی بیبیوں سے کبھی نکاح نہ کرنا لہٰذا اذکرکم اللہ کا مطلب خوب واضح ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ آیتیں یاد دلاتا ہوں جن میں میری بیبیوں کے حقوق کا بیان ہے خبردار ان کو اپنی ماں سمجھنا اور ان کیساتھ وہی برتاؤ کرنا جو ماں کے ساتھ اولاد کو کرنا چاہیئے اور اگر اہل بیت میں اہل قرابت بھی شامل کئے جائیں تو پھر حقوق میں ذرا توسیع کی ضرورت ہوگی وحی الٰہی نے چونکہ آئندہ پیش آنے والے واقعات از قسم جنگ جمل و معرکہ کربلا وغیرہ سے آپ کو آگاہ کر دیا تھا اس لئے آپکی شفقت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنی ازواج اور اہل قرابت دونوں کے متعلق امت کو ہدایت کر جائیں ۱۲۔

یں صرف اتنا ہی حصہ بیان کرتے ہیں جو اُس ضرورت سے تعلق رکھتا ہے باقی کو حذف کر دیتے ہیں، جیسا کہ کتب حدیث کے دیکھنے والوں کو معلوم ہے۔

اہل بیت کے دوسری چیز نہ ہونے کو اس روایت کا لفظ ثم قال بھی ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ لفظ ثم زبان عرب میں تراخی کے لئے آتا ہے جو بتا رہا ہے کہ اہل بیت کا تذکرہ مضمون ماسبق سے جدا اور علیحدہ ہے اس سے پہلے کوئی اور مضمون تھا جس کو راوی نے حذف کر دیا۔ کسی مسلسل و متصل کلام کے درمیان میں لفظ ثم قال ہرگز نہیں آسکتا۔

صحیح مسلم کی روایت سے اتنا سراغ ملنے کے بعد اب اس دوسری چیز کی تلاش کی گئی تو حدیث کی سب سے پہلی کتاب اور تمام کتب حدیث کی اصل[1] یعنی امام مالک کی مؤطا نے ایسی رہنمائی کی کہ ٹھیک منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

امام مالک اپنی کتاب مؤطا میں روایت فرماتے ہیں جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ کی تیسری فصل میں نقل کیا ہے، الفاظ اُس روایت کے حسب ذیل ہیں:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔	رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک کہ تم ان دونوں سے تمسک کرتے رہوگے، ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

اب تو راز بالکل فاش ہو گیا کہ وہ دوسری چیز جو صحیح مسلم کی روایت میں محذوف ہے، سنت نبوی ہے اور ثقلین جن کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے درمیان میں چھوڑا اور امت کو ان پر عمل کرنے کی تاکید کی، اور قیامت تک ان کے باقی رہنے کی پیشین گوئی بیان فرمائی، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

---

[1] حضرت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسوّی شرح مؤطا میں اس کو خوب بیان فرمایا ہے ۱۲۔

اب سارا قرآن حدیث ثقلین کے مطابق ہو گیا، بیشمار احادیث اس کی تائید میں ہو گئیں امت کا عمل بھی اس کے مطابق ہو گیا قول نبوی بھی ڈیڈ لیٹر ہونے سے محفوظ ہو گیا کیونکہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن شریف اور سنت نبوی دین اسلام کا ماخذ اور ہر مسلمان کے لیے واجب الاتباع ہیں تمام قرآن تمام احادیث اس تاکید سے پر ہیں کہ قرآن کی اور سنت نبوی کی پیروی کرو۔

اب صرف ایک بات کی گنجائش باقی ہے کہ مؤطا کی یہ حدیث مرسل ہے یعنی امام مالک نے اپنے اوپر کے راویوں کا نام نہیں لکھا، اور حدیث مرسل محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہوتی تو اگرچہ اس کا جواب یہ ہے کہ معتبر شخص نے اگر حدیث کو مرسل کیا ہے تو حدیث کے معتبر ہونے میں فرق نہیں آتا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ معتبر کون ہو سکتا ہے، مگر الحمدللہ کہ ہم کو اس جواب کی حاجت باقی نہیں رہی کیونکہ ہم کو اس حدیث کے اور بہت سے طرق مل گئے ہیں جو بحمداللہ ارسال سے بالکل پاک ہیں، چنانچہ بالفعل مستدرک حاکم مطبوعہ دائرۃ المعارف جلد اول کتاب العلم صفحہ ۹۳ سے دو طریق اس روایت کے ہم نقل کرتے ہیں۔

(۱) حدثنا ابوبکر احمد بن	ہم نے ابوبکر یعنی احمد بن اسحاق فقیہ نے بیان
اسحاق الفقیہ انبا العباس بن	کیا وہ کہتے ہیں ہم کو عباس بن فضل اسفاطی نے
الفضل الاسفاطی ثنا اسمٰعیل	خبر دی وہ کہتے ہیں ہم سے اسمٰعیل بن ابی اویس
ابن ابی اویس واخبرنی اسمٰعیل	نے بیان کیا اور اسمٰعیل بن محمد بن فضل شعرانی نے
ابن محمد بن الفضل الشعرانی	خبر دی وہ کہتے ہیں ہم سے ہمارے دادا نے
ثنا جدی ثنا ابن ابی اویس	بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے ابن ابی اویس
حدثنی ابی عن ثور بن زید	نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھ سے والد نے
الدیلی عن عکرمۃ عن ابن	ثور بن زید دیلی سے انہوں نے عکرمہ
عباس ان رسول اللہ صلے اللہ	سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے
علیہ وآلہ وسلم خطب الناس	روایت کر کے بیان کیا کہ رسول خدا صلعم

في حجة الوداع فقال قد يئس الشيطان بان يعبد بارضكم ولكنه رضي ان يطاع فيما سوى ذلك مما تحاقرون من اعمالكم فاحذروا يا ايها الناس اني قد تركت فيكم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا كتاب الله وسنة نبيه ۔

نے لوگوں کے سامنے حجۃ الوداع[1] میں خطبہ پڑھایا اور فرمایا کہ شیطان تمہاری اس سرزمین میں اپنی عبادت سے مایوس ہوگیا ہے لہٰذا وہ اسی بات پر راضی ہے کہ شرک کے ماسوا جو اور چھوٹے چھوٹے کام ہیں انہیں میں اس کی اطاعت کر لی جائے لہٰذا اس سے بچنا۔ آگاہ رہو اے لوگو بہ تحقیق میں نے تمہارے درمیان میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑو گے تو کبھی ہرگز گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ۔

(٢) اخبرنا ابوبكر بن اسحاق الفقيه ثنا محمد بن عيسى ابن السكن الواسطي ثنا داؤد ابن عمرو الضبي ثنا صالح ابن موسى الطلحي عن عبد العزيز ابن رفيع عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اني قد تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما كتاب الله وسنتي ولن يفترقا حتى يردا علي الحوض ۔

ہم کو ابوبکر بن اسحاق فقیہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہم کو محمد بن عیسیٰ بن سکن واسطی نے خبر دی وہ کہتے ہیں ہم سے داؤد بن عمرو ضبی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم سے صالح بن موسیٰ طلحی نے عبدالعزیز بن رفیع سے انہوں نے ابوصالح سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہ تحقیق میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں کہ جن کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے یعنی اللہ کی کتاب اور اپنی سنت اور یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں ۔

---

[1] صحیح مسلم کی روایت مسطورہ بالا میں مقام غدیر خم کا حوالہ ہے تو واضح ہے کہ خطبہ غدیر خم بعد حجۃ الوداع میں ہوا ہے ۱۲۔

حاکم چونکہ مشہور متساہل ہیں اس لئے امام جرح وتعدیل شیخ الاسلام علامہ ذہبی نے مستدرک حاکم کی تنقید کی ہے اور جہاں کہیں کسی قسم کی جرح ہو سکتی تھی اس کو ظاہر کر دیا ہے، دائرۃ المعارف میں مستدرک حاکم اس تنقید کے ساتھ چھپی ہے تو بحمد اللہ علامہ موصوف نے بھی ان دونوں سندوں پر کوئی جرح نہیں کی اور ان کی صحت کو تسلیم کر لیا۔

اب مطلع بالکل صاف ہو گیا، اور حقیقت حال روشن ہو گئی کہ بلاشبہ ثقلین کتاب وسنت ہیں لاغیر۔

مگر چونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس خطبہ میں جس میں ثقلین کا ذکر فرمایا اور بھی بہت سی باتیں بیان فرمائیں از انجملہ اہل بیت کے حقوق کا بھی تذکرہ فرمایا اور ان حقوق کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی اور کسی راوی نے تو بہ نیت اختصار ثقلین میں سے صرف کتاب اللہ کا ذکر کر کے اہل بیت کا تذکرہ کر دیا جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہوا اور کسی نے غلط فہمی سے اہل بیت ہی کو ثقلین میں سے دوسری چیز سمجھ لیا جیسا کہ دوسری بعض روایات میں ہوا لہذا شیعہ صاحبوں کو خوب موقع ملا کہ انہوں نے اس روایت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اس کی شکل اس قدر تبدیل کر دی کہ اصلی صورت کا پہچاننا مشکل ہو گیا ؎

ازیں افیون کہ ساقی در مے افگند حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

حدیث ثقلین کے الفاظ مشہورہ کی روایت جن جن طرق سے منقول ہے ان کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ کوئی طرق شیعہ راویوں سے خالی نہیں ہے اور اس روایت میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں سب انہیں کے دست کرم کے نتائج ہیں لیکن اس وقت ہم نے قصداً اس تنقیدی راستہ کو ترک کر کے صرف اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس شرح کے حصہ دوم میں یہ کام ہوگا جس میں حدیث کی تنقید کے ساتھ اور بہت سے مخفی رازوں کا انکشاف ہوگا۔

اس وقت ہمارا مقصود صرف اس قدر تھا کہ اگر ہم شیعہ راویوں کی بدنیتی اور ان کی فریب آمیز کارروائیوں سے قطع نظر کر کے اس روایت کے تبدل اشکال کو صرف راویوں کی غلط فہمی پر محمول کریں تو بھی مطلع صاف ہے، وہ مقصود بعون اللہ تعالے

حاصل ہوگیا۔ فالحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً۔

خاتمہ

(۱) حدیث ثقلین کے متعلق منہاج السنہ میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے خلاف عادت بہت مختصر لکھا ہے صحیح مسلم کی روایت کو جو ہم اوپر نقل کر چکے لکھ کر فرماتے ہیں:۔

وهذا اللفظ يدل على ان الذی امرنا بالتمسك به وجعل المتمسك به لا يضل هو كتاب الله وهكذا جاء فی غير هذا الحديث كما فی صحيح مسلم عن جابر فی حجة الوداع لما خطب يوم عرفة وقال قد تركت فيكم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله و انتم تسئلون عنی فما انتم قائلون قالوا نشهد انك قد بلغت وأديت ونصحت فقال باصبعه السبابة يرفعها الى السماء وينكبها الى الناس اللهم اشهد ثلاث مرات واما قوله وعترتی اهل بيتی وانهما لن يفترقا حتی يردا علی الحوض فهذا رواه الترمذی وقد سئل

صحیح مسلم کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کے تمسک کا ہم کو حکم دیا اور جس سے تمسک کرنے والے کو فرمایا کہ گمراہ نہ ہوگا وہ اللہ کی کتاب ہے اور ایسا ہی اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے حجۃ الوداع کے متعلق منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن خطبہ پڑھا تو فرمایا کہ میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس سے تمسک کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ کتاب اللہ ہے۔ اور تم سے میری بابت پوچھا جائیگا تو کیا جواب دوگے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے تبلیغ کردی اور امانت پہنچا دی اور نصیحت کا حق پورا کیا۔ پس آپ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر پھر لوگوں کی طرف جھکا دیا۔ اور تین مرتبہ فرمایا کہ اے اللہ گواہ رہنا۔ باقی رہا یہ لفظ کہ عترتی اہل بیتی وانہما

عنه احمد بن حنبل فضعفه وضعفه غير واحد من اهل العلم وقالوا لايصح۔

لن یفترقا حتی یردا علی الحوض اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کو ضعیف کہا اور بھی بہت سے علماء نے اس کو ضعیف کہا اور کہا کہ یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔

اس مختصر عبارت سے اگرچہ پوری توضیح مطلب کی نہیں ہوتی مگر پھر بھی اس قدر معلوم ہو جاتا ہے کہ علامہ ممدوح اس حدیث صحیح مسلم میں صرف کتاب اللہ کو ثقلین میں مانتے ہیں اور اہل بیت کو ثقلین میں سے دوسری چیز نہیں قرار دیتے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ترمذی کی روایت کو وہ بھی بحوالہ آئمہ جرح و تعدیل ضعیف و غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم کی روایت جو اوپر منقول ہوئی اس کے آخر میں حضرت زید بن ارقم سے یہ بھی منقول ہے کہ اہل بیت آپ کے وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے ازواج مطہرات کو ایک روایت میں داخل اہل بیت مانا ہے۔ اور ایک روایت میں کچھ ایسے الفاظ ہیں جن سے ازواج مطہرات کے خارج از اہل بیت ہونے کا وہم ہوتا ہے، اگرچہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں دونوں روایتوں میں تطبیق دے کر اس وہم کو دفع کر دیا ہے مگر حق یہ ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بڑھاپے کی آخری عمر میں سنی گئی ہے جب کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری قوت حافظہ میں خلل آ گیا ہے اور بہت سی باتیں میں بھول گیا ہوں چنانچہ صحیح مسلم کی روایت جو میں نے نقل کی ہے اس میں ان کا یہ ارشاد موجود ہے۔ لہذا ایسی حالت میں اگر ان سے متضاد اقوال منقول ہوں تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ پھر ایک بات یہ بھی موجود ہے کہ غیر ازواج کو اہل بیت کا مصداق قرار دینے کے لئے حضرت ممدوح سے ایک دلیل بھی منقول ہے جو محض عقلی ہے اس کا جواب صرف اس قدر کافی ہے کہ صحابہ کرام کے وہی اقوال حدیث مرفوع کے حکم میں آتے ہیں جن کا تعلق رائے سے نہ ہو یعنی بغیر سماع کے ان کا علم نہ ہو سکتا ہو۔ باقی رہی کسی صحابی کی رائے تو وہ بھی ہمارے اصحاب حنفیہ کے نزدیک بڑی چیز ہے۔ بشرطیکہ دوسرے دلائل اس کے معارض نہ ہوں

ھٰذا اٰخر الکلام والحمد للہ ذی الجلال والاکرام -

اختتام

الحمد للہ تعالیٰ کہ شرح حدیث ثقلین کا حصہ اوّل پورا ہو گیا، اور حصہ دوم کیلئے بھی
اس میں ضروری مقدمات ایسے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ کہ اگر خدانخواستہ وہ
میرے قلم سے نہ شائع ہو تو بھی چنداں حرج نہیں اور
انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے اہل علم بھی اب اس کام
کو بخوبی پورا کر سکتے ہیں۔ فالحمد للہ تم
اولاً و اٰخراً و ظاہراً و
باطناً

❀

کاتب ، ہمایوں فیض رسول آزاد

وَلَ

رتج

جم

قد قالوا كلمة الكفر وكفروا بعد اسلامهم وهموا بما لم ينالوا ط

ھ) اور بہ تحقیق ان لوگوں نے کفر کی بات کہی اور بعد اپنے (اظہار) اسلام کے کافر ہو گئے اور قصد اس چیز کا کیا کہ نہ پایا

الحمد للہ تعالیٰ کہ

الخامس من المائتین

علیٰ

المنحرف عن الثقلین

ملقب بہ

شرح مسألہ امامت

نمبر اول

ں میں شیعوں کے خانہ ساز مسئلہ امامت پر روشنی ڈالی گئی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد مسئلہ امامت اگرچہ شیعوں کا مشہور مسئلہ ہے اور عامۃً طور پر لوگوں میں شہرت ہے کہ شیعہ اور سنی کے اختلاف کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جو اس مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہوں۔

یہ مسئلہ امامت بھی مذہب شیعہ کے اُن سربستہ اسرار میں سے ہے کہ اگر عام طور پر مسلمان اس سے کما حقہٗ واقف ہو جائیں تو پھر اُن کو مذہب شیعہ کا بطلان معلوم کرنے کے لئے کسی اور چیز کی حاجت نہ رہے۔

اگرچہ میں اپنی متعدد تالیفات میں جستہ جستہ اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھ چکا ہوں مگر اس وقت خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کا ارادہ ہے۔ حق تعالیٰ میری مدد کرے۔ وبنعمتہ تتم الصالحات۔

قرن صحابہ کے بعد گویا اسلام میں نئے فرقے پیدا ہونے لگے اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا شروع کی لیکن ان فرقوں کی بنیاد غلط فہمی یا ہوا پرستی سے پڑی ان میں سے کسی کو دین اسلام کے ساتھ دشمنی نہ تھی اور وہ دین کو بگاڑنا نہ چاہتے تھے۔ سوا ایک فرقہ روافض کے کہ اس کے بانی نے دیدہ و دانستہ محض تخریب اسلام کے لئے اس مذہب کو تصنیف کیا۔

ایک طرف تو شیعوں نے قرآن کو مشکوک کرنے کی کوشش کی راویان قرآن یعنی صحابۂ کرام پر

لہ مگر حقیقت یہ ہے کہ شیعہ سنی کے اختلاف کی بنیاد مسئلہ ایمان بالقرآن ہے جیسا کہ میرے متعدد رسائل میں اس کی تحقیق موجود ہے ۱۲۔

جھوٹی جھوٹی تہمتیں لگا کر ان کو مجروح کیا۔ اس پر بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا اور دو ہزار سے زائد روایتیں تحریف قرآن کی گھڑیں اور قرآن میں کمی بیشی تبدل حروف و الفاظ وغیرہ ثابت کر کے اپنے نزدیک قرآن شریف کا ایک حرف بھی لائق اعتبار نہ رکھا۔ اور دوسری طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ختم نبوت پر حملہ کیا۔ صحابہ کرام کے مجروح کرنے سے چشم دید شہادت آپ کے نبوت و دلائل نبوت کی جاتی رہی مگر اس پر بھی چین نہ آیا اور مسئلہ امامت تصنیف کیا گیا جس کا مقصود صرف یہ تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد متعدد ہستیاں آپ کے مثل قرار دے کر آپ کی ختم نبوت کو باطل کیا جائے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا طوق گردن سے نکال دیا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ ان لوگوں کو کامیابی نہ ہوئی اور سوا چند سادہ لوحوں یا دین اسلام کے دشمنوں کے کوئی ان کے دام میں نہ پھنسا ورنہ دین پاک کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی لہٰذا یہ صاحبان ھموا بما لم ینالوا کے "مصداق ہو کے رہ گئے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

واقعی سخت حیرت ہے کہ ان حالات پر کون شخص مذہب شیعہ کو اسلام کی شاخ سمجھ سکتا ہے۔ یقیناً جو لوگ شیعوں کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتے ہیں یا تو وہ مذہب شیعہ سے بے خبر ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے مسئلہ امامت سے بھی واقف نہیں اور یا محض ظاہری کلمہ خوانی کو وہ شمار کرنے کیلئے کافی سمجھتے ہیں۔

بہرکیف شیعوں کا مسئلہ امامت ہے عجیب چیز اور شیعوں کو اپنی اس ایجاد پر ناز بھی بہت ہے، چنانچہ وہ اپنے لئے امامیہ کا لقب بہت پسند کرتے ہیں۔

اس وقت جو کچھ اس مسئلہ پر لکھنا مدنظر ہے اس کو تین نمبروں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ نمبر اول میں امامت کے متعلق شیعوں کے اعتقادات اور ان کے دلائل، اور ان کے دلائل کے جوابات بیان کئے جائیں گے۔

نمبر دوم میں مسئلہ امامت کی مختصر تاریخ اور اس کے کچھ دلچسپ واقعات کا بیان ہوگا۔ نمبر سوم میں شیعوں کے فرضی ائمہ کے کچھ کارنامے ہدیہ ناظرین کئے جائیں گے۔

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

امامت کے متعلق شیعوں کے عجیب وغریب اعتقادات

واضح ہو کہ مذہب شیعہ نے امامت کو ایک عجیب وغریب طلسم بنایا ہے اور اس کے متعلق نئے نئے عقیدے تراشے ہیں جن میں سے چند ضروری عقیدے اُن کے یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

عقیدۂ اول

شیعہ کہتے ہیں کہ امامت اصول دین میں سے ہے یعنی جس طرح خدا کی توحید پر نبی کی نبوت پر اور قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح امام کی امامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اصول دین صرف تین ہیں۔ توحید، نبوت، قیامت۔ اور شیعوں کے نزدیک اصول دین پانچ ہیں یعنی علاوہ ان تین کے دو اور ہیں عدل اور امامت بے شک جو معنی امامت کے اور جو رتبہ امام کا شیعہ بیان کرتے ہیں اُس کے لحاظ سے امامت کو ضرور اصول دین میں ہونا چاہیئے۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ وہ معنی امامت کے محض شیعوں کی ایجاد ہیں دین الٰہی میں کہیں ان کا پتہ نہیں۔

شیعوں سے جب کہا جاتا ہے کہ امامت اگر اصول دین میں ہوتی تو جس طرح قرآن مجید میں صاف صاف توحید و نبوت و قیامت کو بیان فرمایا ہے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اسی طرح امامت کو کیوں نہ بیان فرمایا تو اس وقت شیعوں کی سراسیگی قابل دید ہوتی ہے۔

متقدمین شیعہ اس موقع پر دو جواب دیتے تھے اول یہ کہ قرآن محرف ہو چکا ہے، اصلی قرآن میں امامت کا تذکرہ اسی طرح صفائی و صراحت کے ساتھ تھا جیسا کہ توحید و نبوت و قیامت کا ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

لَوْ قُرِئَ الْقُرْآنُ كَمَا اُنْزِلَ لَاَلْفَيْتَنَا فِيْهِ مُسَمَّيْنَ۔	اگر قرآن اسی طرح پڑھا جائے جیسا کہ نازل کیا گیا تھا تو یقیناً تو ہم لوگوں کو اس میں نام بنام پائے گا۔

نیز اسی تفسیر صافی میں تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:۔

لَوْلَا اَنَّہٗ زِیْدَ فِی الْقُرْاٰنِ وَنُقِصَ مَا خَفِیَ حَقُّنَا عَلٰی ذِیْ حِجًی۔ — اگر قرآن میں بڑھایا گیا نہ ہوتا اور گھٹایا نہ گیا ہوتا تو ہم لوگوں (یعنی اماموں) کا حق کسی عقلمند پر پوشیدہ نہ رہتا۔

دوسرا جواب یہ کہ قرآن میں امامت کا تذکرہ کیسے ہو سکتا تھا امامت تو ایک راز خداوندی ہے جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کو نہیں دی گئی اور نہ جبریل کے سوا کسی فرشتے کو اس کی ہوا لگی۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا علی کے اور کسی کو اس راز سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اصول کافی ص۲۲۳ میں ہے:۔

قَالَ اَبُوْجَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ وِلَایَۃُ اللہِ اَسَرَّھَا اِلٰی جِبْرِیْلَ وَاَسَرَّھَا جِبْرِیْلُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَسَرَّھَا مُحَمَّدٌ اِلٰی عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَسَرَّھَا عَلِیٌّ اِلٰی مَنْ شَآءَ وَاَنْتُمْ تُذِیْعُوْنَ ذٰلِکَ۔ — امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ولایت الٰہی یعنی امامت بطور راز کے خدا نے جبریل سے بیان کی اور جبریل نے بطور راز کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی اور محمدؐ نے بطور راز کے علیؓ سے بیان کی اور علی نے بطور راز کے جن لوگوں سے چاہا بیان کیا۔ اور اب تم لوگ اس کو مشہور کئے دیتے ہو۔

اس قسم کی روایات کتب شیعہ میں بہت ہیں لیکن اگر ان روایات کو تسلیم کر لیا جائے، تو یہ عقیدہ کسی طرح حل نہیں ہو سکتا کہ جو اس طرح راز میں رکھی گئی ہو وہ اصول دین میں کیونکر داخل ہو سکتی ہے اور لوگ اس کے ماننے کے لئے کیسے مکلف ہو سکتے ہیں۔

اور یہ بات بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ آخر امامت میں کیا بات ہے کہ وہ ایسا راز مخفی بنا دی گئی۔ خیر یہ تو جو کچھ ہے وہ ہے مگر ان روایات سے تمام وہ قصے غلط ہو گئے جو شیعہ بیان کرتے ہیں کہ غدیر خم کے موقع پر رسول نے ایک بڑے مجمع میں حضرت علی کی امامت کا اعلان دیا تھا۔

متاخرین شیعہ اپنے متقدمین کی ان تصریحات اور اپنی ان تمام روایات سے آنکھ بند

کرکے قرآن شریف سے امامت کو ثابت کرنے کے درپے ہیں اور آیات قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر امامت کا مضمون نکالنا چاہتے ہیں جس میں ان کو کسی طرح کامیابی نہیں ہوتی اور بالفرض اگر ہو بھی جاتی تو سوال یہ تھا کہ جس طرح صاف صاف تصریح کے ساتھ توحید و نبوت وغیرہ کا بیان ہے امامت کا ایسا صاف بیان قرآن شریف میں کیوں نہیں ہے اس سوال کا جواب اس توڑ مروڑ سے نہیں ہوتا۔

عقیدۂ دوم

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ کسی وقت دنیا وجود امام سے خالی نہیں ہو سکتی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لئے امام کا تقرر ہو چکا ہے جن کی تعداد خدا نے بارہ مقرر کی ہے۔ بارھویں امام پر دنیا کی زندگی کا خاتمہ ہے، اور قیامت ہے۔ ان بارہ اماموں کے نام یہ ہیں۔ علیؓ، حسنؓ، حسینؓ، زین العابدینؒ، باقرؒ، جعفرؒ، موسیٰؒ، رضاؒ، نقیؒ، تقیؒ، حسن عسکریؒ، مہدیؒ۔

اس عقیدہ کے لئے شیعوں کے پاس سوا اپنی خانہ ساز روایات کے کچھ نہیں ہے اہلسنت کہتے ہیں کہ ہر زمانہ کے لئے بیشک امام کی ضرورت ہے لیکن محض اس لئے کہ انتظام مسلمین اور سیاست اسلامیہ قائم رہے مگر ان کی تعداد نہ بارہ میں منحصر ہے نہ بارہ سو میں نہ بارہ ہزار میں۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شیعوں کے خدا کا تجویز کیا ہوا تخمینہ غلط نکل گیا دنیا کی عمر جتنی اس نے تجویز کی تھی، اس سے بہت زائد ہو گئی اور بارھویں امام کی عمر بھی اس کو عادت انسانی کے خلاف بہت بڑھانا پڑی۔

عقیدۂ سوم

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ بارہ امام ہر بات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل ہیں، آپ ہی کی طرح معصوم و مفترض الطاعۃ ہیں اور ان کی بزرگی بھی آپ ہی کے برابر ہے اور ان کو تحلیل و تحریم کا اختیار بھی ہے جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں، اور جس چیز کو چاہیں حرام کر دیں۔ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔

مَاجَاءَ بِهٖ عَلِیٌّ اٰخُذُ بِهٖ وَمَا نَهٰی عَنْهُ اَنْتَهِیْ عَنْهُ جَرٰی لَهٗ مِنَ الْفَضْلِ مِثْلُ مَاجَرٰی لِمُحَمَّدٍ وَلِمُحَمَّدٍ الْفَضْلُ عَلٰی جَمِیْعِ مَاخَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَالْمُتَعَقِّبُ عَلَیْهِ فِیْ شَیْءٍ مِنْ اَحْکَامِهٖ کَالْمُتَعَقِّبِ عَلَی اللّٰهِ وَعَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالرَّادُّ عَلَیْهِ فِیْ صَغِیْرَةٍ اَوْکَبِیْرَةٍ عَلٰی حَدِّ الشِّرْکِ بِاللّٰهِ۔ کَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بَابَ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یُؤْتٰی اِلَّا مِنْهُ وَسَبِیْلَهُ الَّذِیْ مَنْ سَلَکَ بِغَیْرِهٖ یَهْلِکُ وَکَذٰلِکَ یَجْرِیْ لِاَئِمَّةِ الْهُدٰی وَاحِدٍ بَعْدَ وَاحِدٍ۔

جو احکام علی لائے ہیں میں ان پر عمل کرتا ہوں اور جس چیز نے علی نے منع کیا ہے میں اُس سے باز رہتا ہوں ان کی بزرگی مثل اس کے ہے جو محمد کی ہے اور محمد کو خدا کی تمام مخلوقات پر فضیلت ہے۔ اور علی پر ان کے کسی حکم کے متعلق اعتراض کرنیوالا ایسا ہے جیسے اللہ پر اور اس کے رسول پر اعتراض کرنے والا اور علی کا انکار کرنے والا چھوٹی بات میں یا بڑی بات میں اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی حد میں ہے۔ امیر المؤمنین اللہ کے دروازہ تھے کہ اللہ تک سوا اس دروازے کے پہنچ نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ کی راہ تھے کہ جو شخص اس راہ کے سوا دوسری راہ پر چلا وہ ہلاک ہوا اور اسی طرح تمام ائمہ ہدیٰ کی بزرگی یکے بعد دیگرے ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ان بارہ اماموں کی شان اور فضیلت بالکل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر ہے۔ اور سب انبیاء سے بڑھ کر (معاذ اللہ منہ) حملہ حیدری میں اسی حدیث کو یوں نظم کیا ہے کہ ؎

ہمہ صاحب حکم بر کائنات ۔ ہمہ چوں محمد[2] منزہ صفات

چھٹی اصول کافی کے صفحہ میں ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ

محمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں امام محمد تقی علیہ السلام

---

[1] یہ بالکل وہی شان ہے جو قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوئی ہے قولہ تعالیٰ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔

أَبِيْ جَعْفَرٍ الثَّانِيْ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَجْرَيْتُ اِخْتِلَافَ الشِّيْعَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِوَاحْدَانِيَّتِهٖ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَّعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ فَمَكَثُوْا اَلْفَ دَهْرٍ ثُمَّ خَلَقَ جَمِيْعَ الْاَشْيَاءِ فَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَاَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَفَوَّضَ اُمُوْرَهَا اِلَيْهِمْ فَهُمْ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَاءُوْنَ وَيُحَرِّمُوْنَ مَا يَشَاءُوْنَ وَلَنْ يَّشَاءُوْا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ۔

کے پاس تھا میں نے شیعوں کے (مذہبی) اختلاف کا تذکرہ کیا تو امام نے فرمایا کہ اے محمد بہ تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی وحدانیت کے ساتھ منفرد رہا پھر اس نے محمد اور علی اور فاطمہ کو پیدا کیا پھر یہ لوگ ہزاروں برس رہے پھر خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور ان کو اپنی مخلوق پر گواہ بنایا، اور ان کی طاعت مخلوق پر فرض کی اور مخلوق کے تمام معاملات ان کے سپرد کئے پس یہ حضرات جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کر دیتے ہیں، اور جس چیز کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں، اور وہ کچھ نہیں چاہتے بغیر اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے۔

محمد بن سنان نے شیعوں کے مذہبی اختلافات کا سبب امام سے دریافت کیا واقعی شیعوں کا مذہبی اختلاف ان کے علما کے لئے عجیب سوہان روح ہے کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں مختلف اقوال نہ ہوں تو امام نے اس کے جواب میں ائمہ کے اختیارات ذکر فرمائے مطلب یہ ہوا کہ شیعوں کے یہ اختلاف ائمہ کے اختیارات کی وجہ سے ہیں ایک امام کسی چیز کو حلال کر دیتا ہے دوسرا امام اسی چیز کو حرام کر دیتا ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ عصمت خاصۂ نبوت ہے انبیا علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی معصوم نہیں نہ کسی کے معصوم ہونے کی ضرورت ہے، اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل کسی کو کہنا اور تحلیل وتحریم کا اختیار کسی میں ماننا ختم نبوت کا انکار ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل دہم رتبہ نہ کوئی زمانہ گذشتہ میں ہوا اور نہ زمانہ آئندہ میں ہوگا دست قدرت نے کسی کو آپ کا مثل بنایا ہی نہیں۔

شیعوں کے پاس اپنے اس عقیدے کی دلیل سوا ان کی خانہ ساز روایات کے

کچھ نہیں ہے۔ کسی آیت قرآنی سے استدلال یا کوئی عقلی دلیل جو وہ پیش کرتے ہیں وہ محض فریب ہے جس کی حالت انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خاتمہ میں بیان ہو گی۔

عقیدۂ چہارم

شیعہ کہتے ہیں کہ اماموں کے کل علوم قرآن وحدیث سے ماخوذ نہیں ہوتے بلکہ ان کے پاس علاوہ قرآن وحدیث کے اور بہت سے وسائل علم کے ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ ان کے پاس مصحف فاطمہ اور کتاب علی رہتی ہے اور ازانجملہ یہ کہ ان کے پاس ایک چمڑے کا تھیلا رہتا ہے، جس میں تمام اولین وآخرین کے علوم بھرے ہوتے ہیں، اور ازانجملہ یہ کہ فرشتے ان کے پاس آتے ہیں اور ازانجملہ یہ کہ ہر شب جمعہ کو انہیں معراج حاصل ہوا کرتی ہے اور ہر معراج میں ان کو نئے نئے علوم ملتے ہیں۔ اور ازانجملہ یہ کہ ہر شب قدر میں خدا کی طرف سے ایک کتاب اُن پر نازل ہوا کرتی ہے جس میں سال بھر کے احکام لکھے ہوتے ہیں، اور ازانجملہ یہ کہ وہ بہت سی چیزیں علم نجوم سے معلوم کر لیتے ہیں۔

اصول کافی ص۱۴۶ میں ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ باب فیه ذکر الصحيفة والجفر والجامعة ومصحف فاطمة عليها السلام۔

اس باب میں سب سے پہلی حدیث جناب ابو بصیر صاحب سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں ایک روز میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں کچھ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں یہاں کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے غرضیکہ بطور راز کے امام نے سب کچھ ان سے بیان فرمایا اس حدیث کے چند فقرات ملاحظہ ہوں۔

پھر امام نے فرمایا کہ اے ابو محمد بہ تحقیق ہمارے	ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ وَإِنَّ عِنْدَنَا
پاس جامعہ ہے۔ اور لوگوں کو کیا معلوم کہ	الْجَامِعَةَ وَمَا يُدْرِيهِمْ مَا الْجَامِعَةُ
جامعہ کیا چیز ہے۔ ابو محمد کہتے ہیں میں نے	قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ
کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں جامعہ	وَمَا الْجَامِعَةُ قَالَ صَحِيفَةٌ
کیا چیز ہے۔ امام نے فرمایا وہ ایک کتاب ہے	طُولُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعاً بِذِرَاعِ

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَاِمْلَائِهٖ مِنْ فَلَقِ فِيْهِ وَخَطِّ عَلِيٍّ بِيَمِيْنِهٖ فِيْهَا كُلُّ حَلَالٍ وَّحَرَامٍ وَكُلُّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ النَّاسُ حَتّٰى الْاَرْشِ فِي الْخَدْشِ وَضَرَبَ بِيَدِهٖ فَقَالَ لِيْ تَاْذَنُ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ اِنَّمَا اَنَا لَكَ فَاصْنَعْ قَالَ فَغَمَزَنِيْ بِيَدِهٖ وَقَالَ حَتّٰى اَرْشِ هٰذَا كَاَنَّهٗ مُغْضَبٌ ۔

جس کا طول ستر ہاتھ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے رسول کی اپنی منہ کی بولی ہوئی اور علی کے داہنے ہاتھ کی لکھی ہوئی باتیں اس میں ہیں، اس میں تمام حلال و حرام اور تمام وہ چیزیں جن کی لوگوں کو حاجت ہے لکھی ہوئی ہیں یہاں تک کہ زخم سے چھل جانے کی دیت بھی اس میں ہے پھر امام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو محمد کیا تم اجازت دیتے ہو میں نے کہا میں آپ پر فدا ہو جاؤں میں تو آپ ہی کا ہوں، آپ جو چاہیں کریں، پھر امام نے اپنے ہاتھ گویا کہ غصہ کے حالت میں مجھے دبایا اور فرمایا کہ ہاں اس کی دیت بھی۔

ثُمَّ قَالَ وَاِنَّ عِنْدَنَا الْجَفْرَ وَمَا يُدْرِيْهِمْ مَا الْجَفْرُ قَالَ قُلْتُ وَمَا الْجَفْرُ قَالَ وِعَاءٌ مِنْ اَدَمٍ فِيْهِ عِلْمُ النَّبِيِّيْنَ وَالْوَصِيِّيْنَ وَعِلْمُ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ مَضَوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ۔

پھر امام نے فرمایا کہ بہ تحقیق ہمارے پاس جفر ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جفر کیا چیز ہے۔ میں نے کہا جفر کیا چیز ہے امام نے فرمایا وہ تھیلہ ہے چمڑے کا جس میں نبیوں اور وصیوں کا علم ہے اور جو علما بنی اسرائیل میں گذرے ان سب کا علم اس میں ہے۔

ثُمَّ قَالَ وَعِنْدَنَا لَمُصْحَفُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَمَا يُدْرِيْهِمْ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ قَالَ مُصْحَفٌ فِيْهِ مِثْلُ قُرْاٰنِكُمْ

پھر امام نے فرمایا کہ ہمارے پاس مصحف فاطمہ علیہا السلام ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے فرمایا کہ وہ ایک مصحف ہے جو تمہارے قرآن سے تین گنا ہے

هٰذَا ثَلٰثُ مَرَّاتٍ وَاللّٰهِ مَا فِيْهِ مِنْ قُرْاٰنِكُمْ حَرْفٌ وَاحِدٌ ۔

تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے ۔

دیکھو مسلمانو یہ ہے قرآن عظیم کی قدر و منزلت کہ شیعوں کے امام صاحب اس کو اپنی طرف منسوب بھی نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ مصحف فاطمہ میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ۔ شاباش ۔

پھر اصول کافی کے اسی باب کی دوسری روایت میں مصحف فاطمہ کی حقیقت یوں بیان فرمائی ہے کہ ،۔

اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا قَبَضَ نَبِيَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ فَاطِمَةَ مِنَ الْحُزْنِ مَا لَا يَعْلَمُهٗ اِلَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَاَرْسَلَ اِلَيْهَا مَلَكًا يُسَلِّيْ غَمَّهَا وَيُحَدِّثُ فَشَكَتْ ذٰلِكَ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِذَا اَحْسَسْتِ بِذٰلِكَ وَسَمِعْتِ الصَّوْتَ قُوْلِيْ لِيْ فَاَعْلَمَتْهُ بِذٰلِكَ فَجَعَلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ حَتّٰى اَثْبَتَ مِنْ ذٰلِكَ مُصْحَفًا ۔

بہ تحقیق اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو وفات دی تو فاطمہ کو اس قدر رنج ہوا کہ سوا اللہ عزوجل کے کوئی اس کو نہیں جانتا پس اللہ نے ان کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجا کہ وہ ان کے غم کی تسلی کرے اور ان سے باتیں کرے فاطمہ نے امیر المومنین علیہ السلام سے اس کو بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ جب تم اس کو محسوس کرنا تو مجھے کہہ دینا چنانچہ فاطمہ نے ان کو اس کی اطلاع دی تو امیر المومنین علیہ السلام نے تمام وہ باتیں لکھنا شروع کیں جو فرشتہ سے سنتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اس سے ایک مصحف تیار کر لیا۔

اس حدیث میں مصحف فاطمہ کتاب علی اور چمڑے کے تھیلے کا بیان ہو چکا اب فرشتوں کے آنے کا بیان دیکھیے اصول کافی ص۱۳۵ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

يَا خَيْثَمَةُ نَحْنُ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ وَبَيْتُ الرَّحْمَةِ وَمَفَاتِيْحُ

اے خیثمہ ہم لوگ نبوت کے درخت اور رحمت کے گھر ہیں اور حکمت کی کنجیاں اور

الْحِكْمَةِ وَمَعْدَنُ الْعِلْمِ وَمَوْضِعُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلٰٓئِكَةِ۔

علم کے معدن ہیں اور رسالت کے جگہ ہیں اور فرشتوں کی آمد و رفت ہمارے یہاں ہیں۔

ہر شب جمعہ کو معراج والی روایت ملاحظہ ہو اصول کافی ص۱۵۵ میں امام صادق سے منقول ہے کہ۔

يُؤْذَنُ لِاَرْوَاحِ الْاَنْبِيَاءِ الْمَوْتٰى عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاَرْوَاحِ الْاَوْصِيَاءِ الْمَوْتٰى وَرُوْحِ الْوَصِيِّ الَّذِيْ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ يُعْرَجُ بِهَا اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى تُوَافِيَ عَرْشَ رَبِّهَا فَتَطُوْفَ بِهٖ اُسْبُوْعًا فَتُصَلِّيَ عِنْدَ كُلِّ قَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تُرَدُّ اِلَى الْاَبْدَانِ الَّتِيْ كَانَتْ فِيْهَا فَتُصْبِحُ الْاَنْبِيَاءُ وَالْاَوْصِيَاءُ قَدْ مُلِئُوْا سُرُوْرًا وَيُصْبِحُ الْوَصِيُّ الَّذِيْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْكُمْ وَقَدْ زِيْدَ فِيْ عِلْمِهٖ مِثْلُ الْجَمِّ الْغَفِيْرِ۔

مرے ہوئے پیغمبروں کی روحوں اور مرے ہوئے وصیوں کی روحوں کو اور جو وصی تمہارے درمیان میں زندہ ہوتا ہے اس کی روح کو اجازت دی جاتی ہے۔ ان کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے، یہاں تک یہ سب اپنے پروردگار کے عرش کے پاس پہنچ جاتے ہیں پھر سات مرتبہ عرش کا طواف کرتے ہیں اور عرش کے ہر پایہ کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں پھر وہ روحیں اُن بدنوں کی طرف واپس کر دی جاتی ہیں جن میں تھیں پس انبیاء و اوصیائے سابقین تو سرور سے لبریز ہو جاتے ہیں اور جو وصی کہ تمہارے درمیان میں ہے اس کے علم میں ایک بڑی مقدار مثل جم غفیر کے زیادہ کر دی جاتی ہے۔

شب قدر والی کتاب ملاحظہ ہو اصول کافی ص۱۵۲ میں امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔

وَلَقَدْ قَضٰى اَنْ يَكُوْنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ لَيْلَةٌ يُهْبَطُ فِيْهَا بِتَفْسِيْرِ الْاُمُوْرِ اِلٰى مِثْلِهَا مِنَ السَّنَةِ الْمُقْبِلَةِ۔

بہ تحقیق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہر سال میں ایک رات ایسی ہو کہ اس میں تمام احکام کی تفسیر نازل کی جائے جو سال آئندہ کی اس رات تک پیش آنے والے ہیں۔

علاوہ ازیں قزوینی صافی شرح کافی کتاب التوحید جزو دوم ص۲۲۲ میں لکھتے ہیں کہ

برای ہر سال کتابے علیحدہ است
مراد کتابے ست کہ دران تفسیر احکام
حوادث کہ محتاج الیہ امام ست تا سال
دیگر نازل شوند بآن کتاب ملائکہ و روح
در شب قدر بر امام زمان اللہ تعالے
باطل مے کند بآں کتاب آنچہ را کہ
مے خواہد از اعتقادات امام خلائق
و اثبات مے کند در دا نچہ کہ مے خواہد
از اعتقادات۔

ہر سال کے لئے ایک کتاب علیحدہ ہے اس
سے مراد وہ کتاب ہے جس میں ان حوادث کی
تفسیر ہوتی ہے جن کی حاجت امام کو دوسرے
سال تک ہے اس کتاب کو لے کر فرشتے اور
روح شب قدر میں امام زماں پر نازل
ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعہ
سے امام خلائق کے جن اعتقادات کو چاہتا ہے
باطل کرتا ہے اور جن اعتقادات کو چاہتا ہے
اس کتاب میں ثابت کرتا ہے۔

ہر شب قدر میں نازل ہوتی ہے کتاب — جس میں احکام نئے ہوتے ہیں اقوال نئے
حق جو تھا سال گزشتہ میں وہ اب ناحق ہے — اعتقادات بدل جاتے ہیں ہر سال نئے

علم نجوم کے متعلق اس لئے فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص۱۵۲ میں ہے۔

عَنْ مُعَلَّى بْنِ خُنَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ
اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ النُّجُوْمِ
اَحَقٌّ هِيَ قَالَ نَعَمْ اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ
بَعَثَ الْمُشْتَرِيَ اِلَى الْاَرْضِ فِيْ
صُوْرَةِ رَجُلٍ فَاَخَذَ رَجُلًا مِّنَ
الْعَجَمِ فَعَلَّمَهُ النُّجُوْمَ حَتّٰى ظَنَّ
اَنَّهُ قَدْ بَلَغَ ثُمَّ قَالَ لَهُ اُنْظُرْ
اَيْنَ الْمُشْتَرِيْ فَقَالَ مَا اَرَاهُ
فِي الْفَلَكِ وَمَا اَدْرِيْ اَيْنَ هُوَ
قَالَ فَنَحَّاهُ وَاَخَذَ بِيَدِ رَجُلٍ مِّنَ
الْهِنْدِ فَعَلَّمَهُ حَتّٰى ظَنَّ اَنَّهُ قَدْ بَلَغَ

معلی بن خنیس کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق
علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا نجوم حق ہے آپ نے
فرمایا ہاں۔ بہ تحقیق اللہ عزوجل نے مشتری ستارہ
کو زمین کی طرف ایک آدمی کی شکل میں بھیجا
اس نے عجم کے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ لیا، اور
اس کو نجوم سکھلایا یہاں تک کہ اس نے خیال
کیا کہ اب یہ کامل ہو گیا تو اس سے کہا کہ دیکھ
تو مشتری کہاں ہے اس عجمی نے کہا میں آسمان
میں تو اس کو نہیں دیکھتا اور نہیں جانتا کہ وہ
کہاں ہے۔ پھر مشتری نے اس شخص کو علیحدہ
کر دیا، اور ایک ہندی شخص کا ہاتھ پکڑ لیا،

فَقَالَ اُنْظُرْ اِلَى الْمُشْتَرِیْ اَیْنَ هُوَ فَقَالَ اِنَّ حِسَابِیْ لَیَدُلُّ عَلٰی اِنَّكَ اَنْتَ الْمُشْتَرِیْ قَالَ فَشَهِقَ شَهْقَةً فَمَاتَ وَ وَرِثَ عِلْمَهٗ اَهْلُهٗ فَالْعِلْمُ هُنَاكَ۔

اور اس کو نجوم سکھلایا یہاں تک کہ اس نے سمجھا کہ یہ کامل ہوگیا تو کہا کہ دیکھ تو مشتری کہاں ہے، اس ہندی نے کہا کہ میرا حساب تو یہ بتاتا ہے کہ تو ہی مشتری ہے، امام نے فرمایا کہ یہ سن کر مشتری نے ایک چیخ ماری اور مرگیا اور اس کے علم کے وارث اہل ہند ہوئے یہ علم وہیں ہے۔

پھر اس کے بعد دوسری روایت یہ ہے :۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سُئِلَ عَنِ النُّجُوْمِ وَقَالَ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اَهْلُ بَیْتٍ مِنَ الْعَرَبِ وَاَهْلِ بَیْتٍ مِّنَ الْهِنْدِ۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے ان سے نجوم کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ نجوم کو کوئی نہیں جانتا سوا عرب کے ایک خاندان اور ہندوستان کے ایک خاندان کے۔

عرب کے خاندان سے امام صاحب کی مراد اپنا خاندان ہے اور ہند کا خاندان جوتشی پنڈتوں کا خاندان ہے غالباً اماموں نے انہیں پنڈتوں سے نجوم کو سیکھا کیونکہ مشتری نے علم نجوم صرف ایک ہندی شخص کو سکھایا تھا۔ مشتری کا مرجانا بھی عجیب لطیفہ ہے۔ اب جو لوگ آسمان پر مشتری کو دیکھتے ہیں شاید اس کی لاش ہو یا اور کوئی چیز ہو۔

اہل سنت ان باتوں میں سے ایک کو بھی نہیں مانتے اور شیعوں کے پاس ان باتوں کے ثبوت میں سوا ان کی گڑھی ہوئی روایتوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ بعض ان میں سے ختم نبوت کے وراثۃً خلاف ہیں جیسے شب قدر والی کتاب اور نئے نئے احکام کا قصہ اور بعض وہ ہیں جن کی بیخ و بنیاد شریعت محمدیہ نے اکھاڑی ہے جیسے نجوم وغیرہ۔

عقیدۂ پنجم

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ ائمہ کے پاس تمام آسمانی کتابیں اپنی اصلی غیر محرف حالت میں موجود ہوتی ہیں، اور وہ ان سب کتابوں کے عالم ہوتے ہیں۔ اور ائمہ کو تمام ما کان و مایکون کا علم حاصل ہوتا ہے کوئی چیز ان کے علم سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔

اصول کافی صـ۱۳۰ میں ایک خاص باب اسی بیان میں ہے کہ ائمہ توریت و انجیل کو اصل سُریانی زبان میں اس طرح پڑھتے تھے کہ کوئی عیسائی اور یہودی عالم بھی نہ پڑھ سکتا تھا

نیز اصول کافی صـ۱۶۰ میں ایک باب اس بیان میں ہے کہ ائمہ کو تمام گزشتہ اور موجودہ اور آئندہ باتیں معلوم ہوتی ہیں اسی باب میں امام جعفر صادق کا یہ مقولہ بھی ہے کہ اگر موسیٰ اور خضر میرے سامنے ہوتے تو میں ان کو بتاتا کہ مجھے ان دونوں سے زیادہ علم ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ خود تراشیدہ افسانے بالفرض صحیح بھی ہوتے تو ان میں کچھ کمال نہ تھا کمال جو کچھ ہے وہ قرآن کے علم میں ہے۔ نہ توریت و انجیل کے علم میں۔

عقیدۂ ششم

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ کو اسم اعظم یاد ہوتا ہے، اور تمام انبیاء کے معجزات ان کے پاس ہوتے ہیں۔

اصول کافی صـ۱۳۱ میں ایک باب اسم اعظم کے متعلق ہے اس باب میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ اسم اعظم میں تہتر حرف ہیں حضرت سلیمان کے وزیر آصف کو صرف ایک حرف معلوم تھا اور عیسیٰ کو دو حرف موسیٰ کو چار ابراہیم کو آٹھ نوح کو پندرہ آدم کو پچیس مگر ائمہ کو بہتر حرف یاد ہوتے ہیں۔

نیز اصول کافی صـ۱۳۱ میں ایک باب ہے اس میں اس مضمون کی احادیث ہیں کہ ائمہ کے پاس عصائے موسیٰ انگشتری سلیمان وغیرہ تمام معجزات انبیائے سابقین موجود تھے۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں شیعوں کی گڑھی ہوئی ہیں جن کا کوئی ثبوت سوائے

ان کی جعلی روایات کے نہیں ہے۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ جن کے پاس ایسی ایسی چیزیں تھیں، انہوں نے کبھی ان چیزوں سے کوئی کام کیوں نہ لیا، اور مظلومیت و ناکامی کی زندگی بسر کرکے اپنے دوستوں کے دل کیوں داغدار کر گئے ولنعم ما قیل ؎

موسیٰ کی عصا کا تھا فقط نام تو بیکار — خاتم بھی سلیمان کی نہ دے کام تو بیکار
جب خوف یہ غالب تھا کہ کہہ سکتے نہ تھے حق — پھر گھر میں پیمبر کی تھی صمصام تو بیکار

عقیدۂ ہفتم

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ ہر امام کو اپنی موت کا وقت معلوم رہتا ہے اور ان کی موت ان کے اختیار میں ہوتی ہے۔

اصول کافی صفحہ ۱۵۸ میں ایک مستقل باب اسی بیان میں ہے۔

اہل سنت ان خرافات کو نہیں تسلیم کرتے جن کی خود واقعات بھی تکذیب کرتے ہوں اگر یہ بات واقعی تھی تو پھر ائمہ تقیہ کر کے جھوٹ کیوں بولا کرتے تھے جھوٹے فتوے کیوں دیا کرتے تھے۔

عقیدۂ ہشتم

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام ہر شخص کو اس کی شکل دیکھ کر اس کی آواز سن کر پہچان لیتا ہے کہ یہ مومن ہے یا منافق ناجی ہے یا ناری

اصول کافی صفحہ ۲۲۰ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّا لَنَعْرِفُ الرَّجُلَ اِذَا رَاَیْنَاہُ بِحَقِیْقَۃِ الْاِیْمَانِ وَحَقِیْقَۃِ النِّفَاقِ۔	امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ آدمی کو جب دیکھتے ہیں تو اس کو حقیقت ایمان اور حقیقت نفاق کے ساتھ پہچان لیتے ہیں۔

پھر اسی صفحہ میں امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ ان سے ایک شخص نے ایک مسئلہ

پوچھا، انہوں نے اس کا جواب دیا پھر ایک اور شخص آیا اور وہی مسئلہ اس نے بھی پوچھا امام نے اس کو پہلے جواب کے خلاف جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے وہی مسئلہ پوچھا امام نے اس کو پہلے دونوں جوابوں کے خلاف جواب دیا، پھر اس کے بعد فرمایا کہ امام کی شان یہ ہے کہ:

لَيْسَ يَسْمَعُ شَيْئًا مِنَ الْاَمْرِ يُنْطَقُ بِهٖ اِلَّا عَرَفَهٗ نَاجٍ اَوْ هَالِكٌ فَلِذٰلِكَ يُجِيْبُهُمْ بِالَّذِيْ يُجِيْبُهُمْ۔	امام جب کسی چیز کو جو بولی جائے سنتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ وہ بولنے والا نجات پانے والا ہے یا ہلاک ہونے والا اس لئے ان کو ایسے جواب دیتا ہے۔

اہل سنت اس بات کو بھی نہیں مانتے اور بالفرض یہ معلوم بھی ہو جائے کہ فلاں شخص ہلاک ہونے والا ہے تو بھی اس کو گمراہی کی بات بتانا جائز نہیں ہو سکتا مسلمان ہو یا کافر، ہویا ناری ہر ایک کو ہدایت کی بات بتانی چاہیئے ضلالت کا سبق پڑھانا سخت معصیت ہے۔

عقیدۂ نہم

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ امام کا تقرر منجانب اللہ ہوتا ہے جس طرح نبی کو نبوت کے لئے منتخب کرنا انسانوں کے اختیار اور قدرت سے باہر ہے اسی طرح کسی کو امامت کے لئے منتخب کرنا بھی انسانوں کا کام نہیں ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ ان بارہ اماموں کے لئے بارہ لفافہ سربمہر خدا کی طرف سے آئے تھے، ہر امام کے نام کا لفافہ علیحدہ تھا ہر امام اپنے نام کا لفافہ کھولتا تھا، اور جو اس میں لکھا ہوتا تھا، اس پر عمل کرتا تھا ہر امام کے نام جدا جدا احکام تھے۔

اصول کافی میں ایک مستقل باب اسی بیان میں ہے سب سے پہلی حدیث امام جعفر صادق سے منقول ہے جس کے شروع کی عبارت یہ ہے:۔

اِنَّ الْوَصِيَّةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَآءِ كِتَابًا لَمْ يَنْزِلْ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	بے شک وصیت آسمان سے لکھی ہوئی نازل ہوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی تحریر سربمہر سوا

وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کِتَابٌ مَخْتُوْمٌ اِلَّا الْوَصِیَّۃُ۔ وصیت کے نازل نہیں ہوئی۔

اسی حدیث میں ہے کہ امام حسینؑ کے لفافہ میں یہ عبارت تھی۔

قَاتِلْ فَاقْتُلْ وَتُقْتَلْ وَاخْرُجْ بِاَقْوَامٍ لِلشَّهَادَةِ لَا شَهَادَةَ لَهُمْ اِلَّا مَعَكَ۔

لڑو لوگوں کو قتل کرو، اور قتل ہو جاؤ اور لوگوں کو شہادت کے لئے لے کر جاؤ ان کی شہادت تمہارے ساتھ ہوگی۔

اور امام زین العابدین کے لفافہ میں یہ عبارت تھی۔

اصمت واطرق لما حجب العلم۔

خاموش رہو اور سر جھکائے رکھو، بوجہ اس کے کہ علم پوشیدہ ہوگیا۔

اور امام باقر کے لفافہ میں یہ عبارت تھی۔

فَسِّرْ كِتَابَ اللهِ وَصَدِّقْ اٰبَاءَكَ وَوَرِّثْ ابْنَكَ وَاصْطَنِعِ الْاُمَّۃَ وَقُمْ بِحَقِّ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقُلِ الْحَقَّ فِي الْخَوْفِ وَالْاَمْنِ وَلَا تَخْشَ اِلَّا اللهَ۔

کتاب اللہ کی تفسیر کرو اور اپنے باپ دادا کی تصدیق کرو اور امت کی تربیت کرو، اور خدائے عزوجل کے حق کو قائم کرو، اور خوف وامن دونوں حالتوں میں حق کہو اور سوا اللہ کے کسی سے نہ ڈرو۔

اور امام جعفر صادق کے لفافہ میں یہ عبارت تھی۔

حدث الناس وافتهم وانشر علوم اهل بيتك وصدق اٰباءك الصالحين ولا تخافن الا الله عزوجل وانت في حرز وامان۔

لوگوں سے حدیث بیان کرو، اور ان کو فتوے دو اور اپنے اہل بیت کے علوم کی اشاعت کرو، اور اپنے نیک باپ دادا کی تصدیق کرو، اور سوا اللہ عزوجل کے کسی سے نہ ڈرو تم حفظ وامان میں ہو۔

اسی باب میں حضرت علی کے لفافہ کی عبارت بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لئے علی صبر کرنا غصہ کو روکنا اگرچہ تمہارا حق چھین لیا جانے اور تمہارا خمس غصب ہو جائے اور تمہاری عزت برباد کردی جائے اور حضرت علی نے ان الفاظ میں اقرار کیا تھا۔

نَعَمْ قَبِلْتُ وَرَضِيْتُ وَاِنِ انْتُهِكَتِ الْحُرْمَةُ وَعُطِّلَتِ السُّنَنُ وَمُزِّقَ الْكِتَابُ وَهُدِّمَتِ الْكَعْبَةُ وَخُضِبَتْ لِحْيَتِيْ مِنْ رَاسِيْ بِدَمٍ عَبِيْطٍ صَابِرًا مُحْتَسِبًا اَبَدًا حَتّٰى اَقْدَمَ عَلَيْكَ (اصول کافی ص۱۲۳)

ہاں میں نے قبول کیا۔ اور راضی ہو گیا اگرچہ میری بے عزتی کی جائے اور سنتیں معطل کر دی جائیں، اور قرآن پھاڑ ڈالا جائے اور کعبہ گرا دیا جائے، اور میری داڑھی میرے سر کے تازہ خون سے رنگین کر دی جائے ہمیشہ صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔

ف:۔ یہاں ہم کو یہ دکھانا منظور نہیں ہے کہ آئمہ نے اپنے اپنے لفافوں پر کہاں تک عمل کیا خصوصًا امام باقر و جعفر کو جو حق گوئی کا حکم تھا، انہوں نے کہاں تک حق گوئی سے کام لیا، یہ بجائے خود ایک مستقل بحث ہے۔

علامہ خلیل قزوینی اسی حدیث کی شرح میں بے عزتی کے لفظ کا مطلب بیان کرتے ہیں "مراد غصب دختر من ست کہ بزور خواہند گرفت اشارت ست بغصب عمر ام کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام را۔" صافی شرح کافی جزو سوم ص۲۰۲۔

ف:۔ ایک مرتبہ انجمن میں یہ لاجواب بحث پیش کی گئی کہ حضرات خلفائے ثلاثہ ایسے ہی تھے جیسا کہ مذہب شیعہ کا بیان ہے تو حضرت علی نے جس طرح حضرت طلحہ و زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم سے جنگ کی تینوں خلیفہ سے کیوں نہ کی اگر کہو کہ بوجہ اس عہد نامہ صبر کے جنگ نہ کی، تو اس عہد نامہ میں حضرت علی کا اقرار یہ ہے کہ ہمیشہ صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں یعنی مر جاؤں لہٰذا اس اقرار کے رو سے حضرت علی کی تمام لڑائیاں جمل و صفین وغیرہ کی ناجائز و قطعی حرام ٹھہریں۔ اس بحث کا جواب شیعوں کے پردہ نشین محقق مولوی سبط حسن نے تسہیل میں یہ دیا کہ ہمیشہ صبر کرنے کا اقرار کافی کی روایات میں نہیں ہے حالانکہ ابدًا حتی اقدم علیک کے الفاظ خود اصول کافی میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ابھی نقل کئے گئے۔ واقعی اس فرقہ کی جرأت جھوٹ بولنے میں قابل تعریف ہے۔

اہل سنت ان خرافات میں ایک چیز کو بھی نہیں مانتے اور شیعوں کے پاس ان کے ثبوت

میں سوا اپنی روایات کے اور کچھ بھی نہیں۔ رہی امام کے منجانب اللہ تقرر کی بحث وہ انشاء اللہ خاتمہ میں ہو گی۔

عقیدۂ دہم

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ ہر امام کو ایک ایک رجسٹر خدا کی طرف سے ملتا ہے جس میں اُن کے شیعوں کے نام بقید ولدیت درج ہوتے ہیں۔

اصول کافی صفحہ ۱۳۶ میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

اِنَّا لَنَعْرِفُ الرَّجُلَ اِذَا رَأَيْنَاهُ بِحَقِيْقَةِ الْاِيْمَانِ وَحَقِيْقَةِ النِّفَاقِ وَ اِنَّ شِيْعَتَنَا لَمَكْتُوْبُوْنَ بِاَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ اَخَذَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَعَلَيْهِمُ الْمِيْثَاقَ يَرِدُوْنَ مَوْرِدَنَا وَيَدْخُلُوْنَ مَدْخَلَنَا لَيْسَ عَلٰى مِلَّةِ الْاِسْلَامِ غَيْرُنَا وَغَيْرُهُمْ۔

بہ تحقیق پہچان لیتے ہیں آدمی کو جب اُس کو دیکھتے ہیں حقیقت ایمان اور حقیقت نفاق کے ساتھ اور بہ تحقیق ہمارے شیعہ لکھے ہوئے ہیں اپنے ناموں کے ساتھ اور اپنے باپوں کے ناموں کے ساتھ اللہ نے ہم سے اور ان سے عہد لیا ہے وہ ہمارے اُترنے کی جگہ اُتریں گے اور ہمارے داخل ہونے کی جگہ میں داخل ہوں گے نہیں ہے دین اسلام پر کوئی سوا ہمارے اور سوا اُن کے۔

تعجب ہے کہ اس رجسٹر کے موجود ہوتے ہوئے پھر کہا جائے کہ ائمہ دھوکے میں آجاتے تھے، اور امام حسین نے جن شیعوں کے خطوط پر اعتبار کرکے کربلا کا سفر اختیار کیا تھا، ان لوگوں کے شیعہ ہونے سے انکار کیا جائے۔

عقیدۂ یازدہم

شیعوں کا اعتقاد ہے کہ امام کی باتیں ہر شخص سمجھ نہیں سکتا یا برداشت نہیں کر سکتا اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۵۵ میں ایک باب ہے جس کا عنوان یہ ہے:۔ باب فیما جاء

ان حدیثھم صعب مستصعب یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ ائمہ کی حدیثیں بہت مشکل ہوتی ہیں۔

اس باب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

ان حدیثنا صعب مستصعب لَا یَحْتَمِلُہٗ اِلَّا صُدُوْرٌ مُنِیْرَۃٌ اَوْ قُلُوْبٌ سَلِیْمَۃٌ اَوْ اَخْلَاقٌ حَسَنَۃٌ۔

ہماری حدیثیں بہت مشکل ہوتی ہیں ان کا تحمل نہیں کر سکتے مگر روشن سینے یا قلب سلیم یا عمدہ اخلاق۔

بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ ائمہ نے فرمایا ہماری احادیث کی برداشت کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل اور کوئی مومن کامل الایمان بھی نہیں کر سکتا۔

اگرچہ یہ مضمون محض اس لئے تصنیف کیا گیا تھا کہ روایات شیعہ سے جو لاینحل اعتراضات شیعوں پر وارد ہوتے ہیں ان کے جواب میں کام آئے اور شیعہ کہہ دیں کہ صاحب ائمہ کی حدیثوں کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں مگر اب اس مضمون نے یہاں تک ترقی کی کہ فرشتے اور انبیاء اور مومنین سب کے سب ائمہ کی احادیث کے تحمل سے قاصر قرار دیئے گئے۔ تو شیعوں کو بھی پریشانی ہوئی۔ اور فوراً یہ روایت تصنیف کی گئی جو اصول کافی کے اسی باب میں ہے:

عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا قَالَ کَتَبْتُ اِلٰی اَبِی الْحَسَنِ صَاحِبِ الْعَسْکَرِ عَلَیْہِ السَّلَامُ جُعِلْتُ فِدَاکَ مَا مَعْنٰی قَوْلِ الصَّادِقِ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَدِیْثُنَا لَا یَحْتَمِلُہٗ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَلَا مُؤْمِنٌ اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ۔

ہمارے بعض اصحاب سے منقول ہے وہ کہتے تھے میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو لکھ کر بھیجا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں امام جعفر صادق کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ ہماری حدیثوں کا تحمل نہ کوئی مقرب فرشتہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل اور نہ کوئی مومن جس کے دل کو خدا نے ایمان کے لئے جانچ لیا ہو۔

فَجَاءَ الْجَوَابُ اِنَّمَا مَعْنٰی قَوْلِ الصَّادِقِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَیْ

تو جواب یہ آیا کہ حضرت صادق علیہ السلام کے اس قول کا کہ نہ فرشتہ برداشت کر سکتا

لَا يَحْتَمِلُهُ مَلَكٌ وَلَا نَبِيٌّ وَلَا مُؤْمِنٌ اِنَّ الْمَلَكَ لَا يَحْتَمِلُهُ حَتّٰى يُخْرِجَهُ اِلٰى مَلَكٍ غَيْرِهٖ وَالنَّبِيُّ لَا يَحْتَمِلُهُ حَتّٰى يُخْرِجَهُ اِلٰى نَبِيٍّ غَيْرِهٖ وَالْمُؤْمِنُ لَا يَحْتَمِلُهُ حَتّٰى يُخْرِجَهُ اِلٰى مُؤْمِنٍ غَيْرِهٖ۔

ہے، نہ کوئی نبی نہ کوئی مومن یہ مطلب ہے کہ فرشتہ اس کو برداشت نہیں کرتا، دوسرے فرشتے سے کہہ دیتا ہے اور نبی اس کو برداشت نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ دوسرے نبی سے اس کو کہہ دیتا ہے اور مومن اس کو برداشت نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ دوسرے مومن سے کہہ دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ائمہ کی حدیث کی برداشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضبط نہیں ہو سکتا افشائے راز ہو جاتا ہے مگر یہ مطلب خود امام صادق کی ایک دوسری حدیث سے غلط ہو جاتا جو اصول کافی کے اسی صفحہ میں ہے۔

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ ذُكِرَتِ التَّقِيَّةُ يَوْمًا عِنْدَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَوْ عَلِمَ اَبُوْذَرٍّ مَا فِيْ قَلْبِ سَلْمَانَ لَقَتَلَهُ وَلَقَدْ اٰخَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا فَمَا ظَنُّكُمْ بِسَائِرِ الْخَلْقِ اِنَّ عِلْمَ الْعُلَمَاءِ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے تھے ایک روز تقیہ کا تذکرہ امام زین العابدین علیہ السلام کے سامنے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا واللہ اگر ابوذر کو معلوم ہو جاتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ ان کو قتل کر دیتے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں مواخات کرائی تھی پھر اور لوگوں کی طرف تمہارا کیا خیال ہے علما کا علم بہت مشکل ہے۔

معلوم ہوا کہ ائمہ کے احادیث کے مشکل اور ناقابل برداشت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کر دے نہ وہ جو اوپر کی روایت میں بیان ہوا۔

بہرکیف یہ عجیب معمہ ہے کہ امام ہدایت خلق اللہ کے لئے ہے اور اس کی حدیثیں اس قدر مشکل اور ناقابل برداشت ہیں۔

عقیدۂ دوازدہم

بارھویں امام کے متعلق شیعوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ پیدا ہو کر غائب ہو گئے اور غار سر من رای میں پوشیدہ ہیں اور جب وہ ظاہر ہوں گے تو تمام دنیا میں شیعوں کی حکومت قائم ہو جائے گی اور مخالفین سے خوب انتقام لیا جائے گا۔

ف: شیعوں کے اس مسئلہ امامت کو قدرت نے ایسا پامال کیا کہ کم کسی باطل سے باطل عقیدہ کو اس طرح پامال کیا گیا ہوگا۔ یعنی اب صدیوں سے کوئی امام نہیں ہے۔ امام حسن عسکری کے بعد سے جن کی وفات ربیع الاول ۲۶۰ھ میں ہوئی اب تک کہ ایک ہزار سال سے زائد ہوئے کوئی امام نہیں۔ اس لئے شیعوں کو امام غائب کی ضرورت ہوئی مگر یہ نہ خیال کیا کہ ایسا غائب جس سے نہ کوئی مل سکے نہ کسی قسم کی ہدایت اس سے کسی کو حاصل ہو اس کا وجود و عدم برابر ہے اب شیعہ بھی روایات ہی پر عمل کر رہے ہیں ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر عمل کرتے ہیں اور وہ اپنے خانہ ساز ائمہ کی احادیث پر۔

قدرت کے اس روشن فیصلے کے بعد مذہب شیعہ میں اور اس مذہب کے مسئلہ امامت میں کیا جان باقی رہ گئی اگر نیت صحیح ہوتی اور غلط فہمی سے اس مذہب کی بنیاد پڑی ہوتی تو یقیناً اس کے بعد لوگ اس مذہب سے تائب ہو گئے ہوتے۔

شیعہ تو اب بھی کسی نہ کسی زندہ شخص کو امام معصوم بنا لیا کرتے اور اس کے نام سے نئے نئے مسائل کی تصنیف کا سلسلہ جاری رہتا مگر کچھ مجبوریاں ان کو پیش آگئیں اور اصل یہ ہے کہ خدا کو یہی منظور تھا کہ اس مذہب کا بطلان ساری دنیا پر اس طرح ظاہر کیا جائے کہ پھر قیامت کے دن خدا کے سامنے کوئی کمزور سے کمزور عذر بھی نہ پیش کر سکیں۔

ف: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر شیعوں کے بارھویں امام صاحب کی غیبت کا عجیب و غریب قصہ بھی ناظرین کو سنا دیا جائے۔

امام حسن عسکری جب ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہوئے تو شیعوں نے مشہور کیا کہ ان کا ایک لڑکا نرگس لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو ان کی وفات سے دس دن پہلے غائب

ہو گیا وہی صاحب الامر صاحب الزمان اور مہدی اور قائم ہے۔ یہ بھی تحقیق نہیں ہوا کہ غائب ہوتے وقت اس کی عمر کیا تھی کوئی چار سال کی عمر بتاتا ہے کوئی دو سال کی۔

بادشاہ وقت نے بھی بہت تفتیش کی مگر یہی تحقیق ہوا کہ امام حسن عسکری لاولد تھے بادشاہ نے تمام مکان کی تلاشی لی تہ خانے کھدوا لئے مکان کی موریاں کھدوا کر دیکھیں مگر کہیں کسی بچہ کا پتہ نہ ملا۔ امام حسن عسکری کے اعزہ نے بھی شہادت دی کہ وہ لاولد تھے۔ چنانچہ ان کے بھائی جعفر نے ایسا ہی کیا حتیٰ کہ امام حسن عسکری کی میراث بھی ان کی والدہ اور بھائی پر تقسیم ہو گئی۔

اُصول کافی صـ۲۰٦ـ میں ہے:۔

فَاِنَّ الْاَمْرَ عِنْدَ السُّلْطَانِ اَنَّ اَبَا مُحَمَّدٍ مَضٰی وَلَمْ یُخَلِّفْ اَحَدًا وَ قُسِّمَ مِیْرَاثُہٗ وَاَخَذَہٗ مَنْ لَا حَقَّ لَہٗ فِیْہِ۔

بادشاہ وقت کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ابو محمد یعنی حسن عسکری گزر گئے، اور انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور ان کی میراث بھی تقسیم ہو گئی اور اس کو اُن لوگوں نے لیا جن کا کچھ حق نہ تھا۔

باوجود ایسی زبردست تحقیقات اور شہادتوں کے شیعہ اس بات پر مصر ہیں کہ امام حسن عسکری نے ایک لڑکا چھوڑا تھا اور وہی امام غائب ہے، شیعوں نے کمال تو یہ کیا کہ امام حسن عسکری کے حقیقی بھائی نے جو ان کے خلاف شہادت دی تو ان کو کذاب کا لقب دیا شیعہ جب ان کا نام لیتے ہیں تو جعفر کذاب کہتے ہیں، یہ تعظیم اہل بیت۔

شیعہ صاحبان یہ بھی کہتے ہیں کہ امام مہدی جب چار سال یا چھ سال کی عمر میں اپنے گھر سے غائب ہوئے تو اصلی قرآن اور مصحف فاطمہ اور کتاب علی اور چمڑے والا تھیلا، اور عصائے موسیٰ وانگشتری سلیمان وغیرہ معجزات کا گٹھر اپنی بغل میں دبا کرلے گئے۔ اور شیعوں کے لئے کچھ نہ چھوڑ گئے۔

پہلے تو شیعوں نے یہ مشہور کیا کہ امام مہدی صرف چھ دن یا چھ مہینے یا چھ برس کے لئے غائب ہوں گے چنانچہ اُصول کافی صـ۲۱۱ـ میں خود حضرت علی سے روایت ہے:۔

فَقُلْتُ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَکَمْ — میں نے کہا کہ یا امیر المومنین کتنے دنوں حیرت

یکون الحیرة والغیبة فقال ستة ایام	اور غیبت ہو گی تو جناب امیر نے فرمایا کہ
اوستة اشھر او ست سنین۔	چھ دن یا چھ مہینے یا چھ سال۔ *

علامہ قزوینی نے صافی شرح کافی میں اس حدیث کی تاویل کی ہے کہ چھ دن یا چھ مہینے یا چھ سال حیرت کی مدت ہے نہ غیبت کی اور حیرت شیعوں کو ہو گی نہ امام کو حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں عبارت حدیث بتا رہی ہے کہ سائل نے حیرت و غیبت کی مدت دریافت کی ہے۔ اور حیرت و غیبت دونوں امام ہی کو ہوں گی، چنانچہ ہماری منقولہ عبارت کے اوپر یہ ہے وَيَكُونُ لَهُ غَيْبَةٌ وَحَيْرَةٌ ۔

اسی روایت کے آخر میں ایک عجیب پیش بندی کا جملہ یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا جو چاہے گا کرے گا۔ اس کو بدا بہت ہوتا ہے۔

بہرحال چھ دن اور چھ مہینے اور چھ برس گزر گئے، اور امام مہدی کی غیبت ختم نہ ہوئی اب چاہے یوں کہئے کہ حضرت علی کی پیشین گوئی پوری نہ ہوئی، اور چاہے یوں کہئے کہ خدا کو بدا ہو گیا۔

روایات شیعہ میں یہ مضمون بھی ہے کہ ظہور مہدی کے لئے ۷۰ھ ہجری مقرر تھا مگر جب ۷۰ھ گزر گیا، اور امام مہدی ظاہر نہ ہوئے تو یہ بات بنائی گئی کہ امام حسین کی شہادت کی وجہ سے خدا کو غصہ آگیا اور اس نے امام مہدی کا ظہور بجائے ۷۰ھ کے ۱۴۰ھ مقرر کیا ہے لیکن جب یہ وقت بھی گزر گیا تو یہ بات تصنیف کی گئی کہ شیعوں نے افشائے راز کر دیا، اور خدا کو غصہ آگیا لہٰذا خدا نے ۱۴۰ھ کو بھی ٹال دیا، اور اب کوئی وقت ظہور مہدی کا مقرر نہیں ہے۔

اصول کافی ص ۲۳۲ میں امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ:-

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ كَانَ	بہ تحقیق اللہ تبارک وتعالےٰ نے اس کام
وَقَّتَ هٰذَا الْاَمْرَ فِى السَّبْعِيْنَ	کا وقت ۷۰ھ میں مقرر کیا تھا مگر جب
فَلَمَّا اَنْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ صَلَوَاتُ	حسین صلوات اللہ علیہ قتل ہوئے تو اللہ
اللّٰهِ عَلَيْهِ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى	کا غصہ زمین والوں پر زیادہ ہو گیا، اور

اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَخَّرَهٗ اِلٰى اَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ فَحَدَّثْنَاكُمْ فَاَذَعْتُمُ الْحَدِيْثَ فَكَشَفْتُمْ قِنَاعَ السِّرِّ وَلَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَقْتًا عِنْدَنَا قَالَ اَبُوْحَمْزَةَ فَحَدَّثْتُ بِذٰلِكَ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ قَدْ كَانَ ذٰلِكَ ۔

اس نے ۱۴۰ھ تک اس کام کو پیچھے کر دیا، پھر ہم نے تم سے بیان کیا اور تم نے بات مشہور کر دی اور افشائے راز کر دیا اور اس کے بعد اللہ نے کوئی وقت ہمارے نزدیک معین نہیں کیا۔ ابوحمزہ کہتا ہے، میں نے یہ حدیث جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا ہی ہوا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے خدا کا ارادہ کسی اور کو مہدی بنانے کا تھا، امام حسن عسکری کے لڑکے کو مہدی بنانے کا ارادہ نہ تھا، کیونکہ امام حسن عسکری کا لڑکا تو ۷۰ھ یا ۱۴۰ھ میں پیدا بھی نہ ہوا تھا، اس کی ولادت تو بقول شیعہ ۲۵۶ھ یا ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ اس مضمون کی تائید شیعوں کی دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت میں بتصریح وارد ہوا ہے کہ امام جعفر صادق ہی کو خدا مہدی بنانا چاہتا تھا مگر نہ معلوم کیا قصور ان سے سرزد ہوا کہ یہ سہرا ان کے سر نہ بندھا، علامہ طوسی کتاب الغیبۃ میں لکھتے ہیں:۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ النَّوَاءِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ كَانَ هٰذَا الْاَمْرُ فِيَّ فَاَخَّرَهُ اللّٰهُ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ مَا يَشَاءُ ۔

عثمان بن نواء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے کہ یہ عہدہ میرے ہی لئے تھا مگر اس کو اللہ نے مؤخر کر دیا۔ اور اب اللہ میری اولاد میں جو چاہے گا کرے گا۔

المختصر امام مہدی کے معاملہ میں خدا کو کئی قسم کا بدا ہوا اور بار بار ہوا یعنی اس میں بھی بدا ہوا کہ مہدی کس کو بنایا جائے اور پھر امام مہدی کے ظہور کی تعیین میں بھی بدا ہوا۔ تعالی اللّٰہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا ۔

اسی اصول کافی میں بعض روایات اس مضمون کی بھی ہیں کہ ظہور مہدی کا وقت جن لوگوں نے بیان کیا وہ سب جھوٹے تھے صفحہ ۲۳۲ میں ہے ۔

عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لِهٰذَا الْاَمْرِ وَقْتٌ فَقَالَ كَذِبَ الْوَقَّاتُوْنَ كَذِبَ الْوَقَّاتُوْنَ كَذِبَ الْوَقَّاتُوْنَ ۔

فضیل بن یسار امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ میں نے امام سے کہا کہ اس کام (یعنی ظہور مہدی) کا کوئی وقت مقرر ہے۔ امام نے کہا وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں۔ وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں۔ وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں۔

امام باقر نے ظہور مہدی کا وقت بیان کرنے والوں کو جھوٹا کہہ دیا حالانکہ وقت بیان کرنے والے سب ائمہ ہی تھے لیکن پھر اپنے باپ دادا کی لاج رکھنے کے لئے اسی روایات منقولہ کے آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا مگر جب خدا نے دس دن اور بڑھا دیئے تو لوگوں نے کہا موسیٰ نے وعدہ خلافی کی۔ مطلب امام صاحب کا یہ ہے کہ امام مہدی کے ظہور کا وقت اگر ٹل گیا تو کچھ اعتراض کی بات نہیں پیغمبروں کے وعدے بھی خلاف ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے پیغمبر اور ان کی بات ٹل جائے ناممکن بات ہے۔ اور یہاں تو در پردہ وعدہ خلافی کا الزام خدا پر ہے کہ خدا نے پہلے تیس دن میں توریت دینے کا وعدہ کیا پھر دس دن اور بڑھا کر چالیس کر دیئے۔ نعوذ باللہ منہ۔ خداوند کریم نے تیس دن میں جو وعدہ کیا تھا۔ وہ پورا ہوا اور تیس دن کے بعد توریت ملنا شروع ہو گئی ایک تختی روزانہ ملتی تھی لہٰذا دس تختیاں دس دن میں ملیں سورۂ عرف میں صاف مذکور ہے۔

وَوَاعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ط

اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا اس کو ہم نے دس دن میں پس ان کے رب کا وعدہ چالیس دن میں پورا ہو۔

اور یہ صورت حضرت موسیٰ کو پہلے ہی بتا دی گئی تھی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۔

ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تھا۔

اب یہ بھی دیکھنا ہے کہ امام مہدی غائب کیوں ہوئے۔ اصول کافی صلاا۲ میں زرارہ

صاحب سے روایت ہے۔

سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ اِنَّ لِلْقَائِمِ غَيْبَةً قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ اِنَّهٗ يَخَافُ وَاَوْمٰى بِيَدِهٖ اِلٰى بَطْنِهٖ يَعْنِي الْقَتْلَ۔	میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ قائم کے لئے غیبت ہوگی قبل اس کے کہ وہ قائم ہوں بہ تحقیق وہ خوف کریں گے۔ اور امام نے اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ کی طرف اشارہ کیا یعنی قتل (سے وہ ڈریں گے)۔

تعجب ہے کہ جس کے پاس تمام انبیاء کے معجزات ہوں۔ عصائے موسیٰ انگشتری سلیمان جیسی چیزیں اس کے قبضہ میں ہوں اسم اعظم اُس کو یاد ہو اور وہ اپنے مرنے کا وقت بھی جانتا ہو وہ اس قدر خائف ہو کر مارے خوف کے بھاگ کر اپنے کو لاپتہ کر دے۔

اچھا اب وہ کب اُس غار سے باہر تشریف لائیں گے اور کب ان کا یہ خوف زائل ہوگا۔ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے کیونکہ پہلے جب وقت مقرر کیا گیا وہ سب جھوٹ نکل گیا۔ اب یہ ہے کہ جس وقت تین سو تیرہ مخلص شیعہ تمام دنیا میں ہو جائیں گے اس وقت وہ ظہور فرمائیں گے۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص ۲۲۳ پر امام محمد نقی سے مروی ہے۔

يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ مِنْ اَصْحَابِهٖ عِدَّةَ اَهْلِ بَدْرٍ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَّثَلٰثَ عَشَرَ رَجُلًا مِّنْ اَقَاصِي الْاَرْضِ۔ (اِلٰى اَن قال) فَاِذَا اجْتَمَعَتْ لَهٗ هٰذِهِ الْعِدَّةُ مِنْ اَهْلِ الْاِخْلَاصِ اَظْهَرَ اللّٰهُ اَمْرَهٗ۔	اُن کے پاس ان کے اصحاب میں بقدر شمار اہل بدر تین سو تیرہ مرد اطراف عالم سے جمع ہوں گے جس وقت یہ تعداد مخلصین کی ان کے پاس جمع ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ ان کے کام کو ظاہر کرے گا۔

کیا یہ مقام عبرت نہیں ہے کہ آج لاکھوں کی تعداد میں مدعیان تشیع دنیا میں ہیں ایران میں خود انہیں کی سلطنت ہے مگر امام کے نزدیک تین سو تیرہ بھی مخلص اور لائق اعتماد نہیں ہیں کہ امام ظاہر ہو جائیں۔ افسوس ہزار افسوس۔

روایت مذکورہ سے اہل بدر کی بزرگی بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ ان کی تعداد کو بھی دین کی

فتح ونصرت میں خاص دخل ہے۔ شیعوں کو اہل بدر سے دشمنی تو اس قدر ہے مگر معلوم نہیں۔ جس طرح دس کے عدد اور چار کے عدد سے ان کو نفرت ہے۔ تین سو تیرہ سے کیوں نہیں ہے

ایک عجیب لطیفہ یہ بھی ہے کہ امام مہدی کو غائب مشہور کر کے کچھ شیعہ اُن کے سفیر بنے وہ شیعوں کے پیغام اور خطوط امام کو اور امام کے پیغام و خطوط شیعوں کو پہنچانے لگے۔ انہتر[۶۹] برس کی مدت میں یکے بعد دیگرے چار سفیر ہوئے امام کے نام سے روپیہ بھی خوب وصول کیا گیا آخری سفیر علی بن محمد سمیری تھا جو ۳۲۹ھ ہجری میں مرا۔

اس آخری سفیر نے یہ بیان کیا کہ اب تک غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا۔ اس لئے سفارت کا سلسلہ قائم تھا لیکن اب میرے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔ اب امام تک نامہ و پیغام کی رسائی بھی نہ ہو گی۔

اور اصل بات یہ ہوئی کہ حکام وقت کو ان خفیہ کارروائیوں کی خبر ہو گئی کہ لوگوں نے ایک شخص کو امام غائب مشہور کیا ہے اور کچھ لوگ اس کے سفیر بنے ہیں اور اس کے نام سے روپیہ وصول کرتے ہیں لہٰذا اس کی تحقیقات شروع ہو گئی اور تحقیقات کا ہونا تھا کہ غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہو گیا۔

مذہب شیعہ کا بڑا حصہ انہیں سفیروں کے زمانے میں تصنیف ہوا۔ محمد بن یعقوب کلینی مصنف کتاب کافی بھی اسی زمانے میں تھا بلکہ شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے آخری سفیر کے ہاتھ اپنی یہ کتاب امام غائب کے ملاحظہ کے لئے بھیجی تھی اور امام نے اُس کتاب کو ملاحظہ فرما کر ارشاد کیا کہ هٰذَا كَافٍ لِشِيْعَتِنَا یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کتاب کا نام کافی رکھا گیا۔

احتجاج طبرسی کا مصنف لکھتا ہے کہ ہم نے ان سفیروں کی سفارت ان کے معجزات دیکھنے کے بعد تسلیم کی ہے۔ کتاب احتجاج میں امام غائب کے بہت سے خطوط بھی جو ان سفیروں کی معرفت آئے تھے درج کئے ہیں۔

المختصر مسئلہ امامت عجیب و غریب چیز ہے اور جس قدر اس میں غور کیا جائے اس کے عجائبات منکشف ہوتے جاتے ہیں مگر ہم اس بحث کو اب زیادہ طول دینا نہیں چاہتے اور اس کو

یہیں پر ختم کرتے ہیں۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

خاتمہ امامت کے متعلق شیعوں کے دلائل اور ان کے جوابات

امامت کے متعلق شیعوں نے جو جو عقیدے ایجاد کئے ہیں جن کا بیان اوپر ہوا ان میں سے صرف ایک چیز ایسی ہے یعنی امام کا معصوم ہونا اور مثل رسول کے واجب الاطاعۃ ہونا اس کو اگر شیعہ ثابت کر دیں تو ان کی دوسری باتیں بھی صحیح ہو سکتی ہیں ورنہ سب خرافات ہیں۔

امام اگر مثل رسول واجب الاطاعت اور معصوم ہے تو یقیناً اس کا تقرر بھی منجانب اللہ ہونا چاہیئے، مگر اس صورت میں ختم نبوت کے کوئی معنی نہیں رہتے کیونکہ امام اگر کچھ جدید احکام بھی دے سکتا ہے اور تحلیل و تحریم کا بھی اختیار رکھتا ہے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں تو یہ بات بداہۃً ختم نبوت کے خلاف ہے اور اگر امام جدید احکام نہیں دے سکتا اور نہ تحلیل و تحریم کا اختیار رکھتا ہے، بلکہ وہ صرف رسول کی تعلیمات کی تبلیغ کرتا ہے تو واجب الاطاعۃ نہ ہوا بلکہ رسول ہی واجب الاطاعۃ ٹھہرے۔

اس بات کے سمجھ لینے کے بعد اب شیعوں کی کسی دلیل کے سننے کی حاجت نہ رہی مگر مزید اطمینان کے لیے ہم ان کے دلائل پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔

شیعوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں لہٰذا اگر وہ معصوم نہ ہو اور اس سے خطا ممکن ہو تو لازم آئے گا کہ لوگ خطا میں بھی اس کی اطاعت کریں، حالانکہ یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا علامہ باقر مجلسی حیات القلوب جلد ۳ ص۱۱ میں لکھتے ہیں:-

چوں غرض از بعثت ایشاں این است کہ مردم اطاعت نمایند در ہر چہ از اوامر و نواہی بایشاں فرمایند امتثال کنند اگر معصوم نگردند ایشاں ر

چونکہ ائمہ کے مبعوث کرنے کی غرض یہ ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں اور ائمہ جو کچھ اوامر و نواہی منجانب خدا بیان فرمائیں لوگ اس پر عمل کریں۔ لہٰذا اگر خدا ان کو معصوم نہ کرے

منافی غرض از بعثت خواہد بود و بر حکیم روا نیست کہ فعلے کند کہ منافی غرض او باشد۔

تو جو ان کی بعثت کی غرض ہے، اس کے خلاف ہوگا اور حکیم کے لئے جائز نہیں کہ ایسا فعل کرے جو اس کی غرض کے خلاف ہو۔

پھر اسی دلیل کو ایک دوسرے قالب میں ڈھال کر یوں بھی تقریر کی جاتی ہے کہ امام نائب نبی کا ہوتا، اور نبی معصوم ہوتے ہیں لہٰذا ان کے نائب کو بھی معصوم ہونا چاہیئے، ورنہ وہ نبی کے فرائض کیوں کر انجام دے گا ہر شخص کا نائب وہی ہو سکتا ہے جو اوصاف کمال میں اس کا مثل ہو بغیر اس کے نیابت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اہل سنت کہتے ہیں

کہ نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی آپ کے بعد نہ کوئی معصوم ہے نہ مفترض الطاعۃ نہ کسی کو تحلیل و تحریم کا اختیار ہے نہ دین میں کوئی جدید حکم دے سکتا ہے، امام کی ضرورت صرف اس لئے ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی نظام قائم رہے امام کی اطاعت صرف انہیں باتوں میں ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں، اگر امام کا کوئی حکم شریعت کے خلاف ہو تو اس حکم کا ماننا ہرگز جائز نہیں۔

امام کی ضرورت اور اس کی اطاعت کے حدود یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں کہ قولہ تعالیٰ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی ہے کہ کوئی بادشاہ ہمارے لئے مقرر کر دیجئے تاکہ ہم راہ خدا میں قتال کریں۔

معلوم ہوا کہ امام کا سب سے بڑا مقصد اقامت جہاد ہے دوسرے سیاسیات سب اس کے تحت میں آ گئے۔

نیز قرآن مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور صاحبان حکومت کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر تم میں باہم کسی

فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ بات میں نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ اولی الامر یعنی امام معصوم نہیں ہے۔ اور جو بات امام کی خلاف شریعت معلوم ہو اس کا فیصلہ خدا ور رسول ہی سے کرایا جائے گا۔

نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم دوم ص۹۷ میں حضرت علی سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے

فالرد الی اللہ الاخذ بمحکم کتابہ والرد الی الرسول الاخذ بسنتہ الجامعۃ غیر المتفرقۃ۔ اللہ کی طرف لیجانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی محکمات پر عمل کیا جائے اور رسول کی طرف لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سنت جامعہ پر جو تفریق کرنیوالی نہ ہو عمل کیا جائے۔

شیعہ اس آیت سے امام کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں مگر وہی لا تقربوا الصلوٰۃ والی مثل ہے کہ آیت کا پہلا جز جس میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے لے لیتے ہیں اور آخری جز جس میں درصورت نزاع صرف خدا ور سول کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے، چھوڑ دیتے ہیں، بالآخر کچھ شیعہ اپنے استدلال کی خرابی سمجھ گئے اور فوراً انہوں نے ایک روایت امام جعفر صادق کے نام سے تصنیف کر دی کہ اس آیت میں تحریف ہو گئی پوری بحث اس کی رسالہ تفسیر آیت اولی الامر میں دیکھو۔

غرض کہ یہ شان صرف خدا کے رسول کی ہے کہ ان کی ہر بات واجب الاطاعت ہے اور ان کی اطاعت بعینہ خدا کی اطاعت ہے۔

امام کی ضرورت اور اس کا مقصد معلوم ہونے کے بعد یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ امام کا انتخاب بندوں کے اختیار میں ہے جس شخص میں مقاصد امامت کی اہلیت دیکھیں اس کو اپنا امام بنالیں، بالکل وہی حالت ہے جو امام نماز کی ہے۔ امام نماز کا تقرر مقتدیوں کے اختیار میں شیعہ بھی مانتے ہیں حالانکہ جو خرابیاں امام کے معصوم نہ ہونے میں وہ بیان کرتے ہیں وہ سب خرابیاں امام نماز میں بھی لازم آتی ہیں۔ امام نماز معصوم نہ ہو تو ممکن ہے کہ بے طہارت نماز پڑھادے ممکن ہے کہ مفسدات نماز کا ارتکاب کرے وغیرہ وغیرہ۔ پس جب کہ نماز جو

دین کی سب سے بڑی چیز ہے اس کے امام کا معصوم ہونا شرط نہ ہوا نہ اس کا تقرر منجانب اللہ ضروری ہوا تو اس امام کے لئے یہ باتیں کیسے شرط ہو سکتی ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ کبھی از راہ لطف وکرم امام کا تقرر منجانب اللہ ہو جائے جیسے حضرت طالوت کا ہوا یا جیسے حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایات فرمائیں یا جیسے حضرت ابوبکر صدیق کو آپ نے امام نماز مقرر کر دیا۔

شیعوں نے جو دلیل امام کے معصوم ہونے کی پیش کی ہے اس کی حقیقت بھی سُن لیجئے۔ پہلی دلیل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امام مثل رسول کے ہر بات میں واجب الاطاعۃ ہوتا ہے اس بنیاد کا غلط ہونا ہم بیان کر چکے ہیں، اور دوسری دلیل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امام نائب نبی کا ہے یہ بنیاد بھی غلط ہے امام ہر بات میں نائب نبی نہیں ہوتا نبی کا ایک کام یہ ہے کہ وحی الٰہی سے احکام کو اخذ کریں، اور بندوں تک پہنچائیں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ ان احکام کے جاری رکھنے کا انتظام کریں امام صرف دوسرے کام میں نبی کی نیابت کرتا ہے پہلے کام میں امام کو کچھ بھی دخل نہیں ہوتا اور نبی کا معصوم ہونا صرف پہلے کام کی وجہ سے ضروری ہے نہ دوسرے کام کی وجہ سے کیونکہ نبی جہاں سے احکام لیتے ہیں وہ ماخذ ہمارے پیش نظر نہیں ہے، لہٰذا اگر نبی معصوم نہ ہوں اور ان سے احکام کے لینے میں بھول چوک یا بددیانتی ممکن ہو تو ہم کو پتہ نہیں چل سکتا اور اس صورت میں دین کا اعتبار نہ رہے گا اس لئے ضروری ہوا کہ نبی معصوم ہوں بخلاف اس کے امام اسی قرآن و حدیث سے احکام کو لیتا ہے جو ہمارے سامنے ہے امام سے اخذ احکام میں بھول چوک ہو تو ہم کو ان کی غلطی معلوم ہو سکتی ہے چنانچہ ایسا بکثرت ہوا ہے، کہ حضرت علی نے کوئی مسئلہ بیان فرمایا اور اسی وقت کسی مسلمان نے ان کو ٹوک دیا کہ حضرت یہ مسئلہ یوں نہیں یوں ہے خود حضرت علی کے مقرر کیے ہوئے قاضی اکثر مسائل میں ان سے اختلاف رکھتے تھے۔

سعدی نے بھی بوستان میں اسی قسم کا ایک واقعہ نظم کیا ہے فرماتے ہیں کہ۔

یکے مشکلے برد پیش علی ✽ مگر مشکلش را کند منجلی

امیر عدو بند کشور کشائے ✽ جوابے بگفت از سر علم و رائے

شنیدم کہ شخصے دراں انجمن | بگفتا چنیں نیست یا با الحسن
نہ رنجید از و حیدر نامجوی | بگفت ار توانی ازیں بہ بگوی
بگفت آنچہ دانست و پاکیزہ گفت | بگل چشمۂ خور نہ شاید نہفت
پسندید از و شاہ مرداں جواب | کہ من بر خطا بودم او بر صواب

اسی لئے حضرت علی مرتضیٰ لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو مجھے مشورہ دینے میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ میں خطا کرنے سے بالاتر نہیں ہوں نہج البلاغہ مطبوعہ مصر قسم اول ص۲۶۲ میں ہے :۔

فَلَا تَكُفُّوا عَنْ مَقَالَةٍ بِحَقٍّ اَوْ مَشْوَرَةٍ بِعَدْلٍ فَاِنِّیْ لَسْتُ فِیْ نَفْسِیْ بِفَوْقِ اَنْ اُخْطِیَٔ وَلَا اٰمَنَ ذٰلِكَ مِنْ فِعْلِیْ ۔

تم لوگ حق بات کہنے سے اور عدل کا مشورہ دینے سے باز نہ رہو کیونکہ میں اپنے نفس میں خطا کرنے سے بالاتر نہیں ہوں۔ اور نہ اپنے فعل میں خطا سے مامون ہوں۔

پس یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ امام معصوم نہیں ہوتا اور جس طرح امام نماز کا تقرر مقتدیوں کے اختیار میں ہے اسی طرح اس امام کا انتخاب بھی بندوں کے فرائض میں سے ہے اور جس طرح امام نماز کے اوصاف شریعت نے بتا دیئے ہیں اسی طرح اس امام کے اوصاف و مقاصد بھی بیان کر دیئے ہیں۔ اب ہم پر لازم ہے کہ انہیں اوصاف کے مطابق کسی کو امام نماز بنائیں اگر اس کا لحاظ ہم نہ کریں اور کسی نااہل کو امام نماز بنا لیں تو گنہگار ہوں گے بالکل اسی طرح اگر امامت کبریٰ کی باگ ہم کسی نااہل کے ہاتھ میں دے دیں گے تو ہم مجرم قرار پائیں گے۔

اب ہم ایک بات اور کہتے ہیں کہ اگر شیعہ خواہ مخواہ اس بات پر اصرار کریں کہ امام کو ضرور معصوم ہونا چاہئے اور غیر معصوم کی اطاعت کسی درجہ میں بھی جائز نہیں اور غیر معصوم کی بات پر عمل کرنا کسی طرح درست نہیں۔ تو یہ بتائیں کہ وہ اپنے مجتہدین کو کیوں معصوم نہیں مانتے جن کے فتووں پر ان کا عمل ہوتا ہے جن کو وہ نائب امام مانتے ہیں اور پھر امام نماز کا معصوم ہونا کیوں نہیں ضروری قرار دیتے اچھا اس سے بھی آگے چلئے امام

کے زمانے میں ہر جگہ تو امام موجود نہ ہوتے تھے امام ایک شہر میں مقیم ہوتے تھے دوسرے شہروں میں ان کے نائب ان کی طرف سے کام کرتے تھے۔ انہیں نائبوں کی لوگ اطاعت کرتے تھے ان نائبوں کو بھی معصوم ہونا چاہیئے امام سے جو لوگ احادیث کی روایت کرتے ہیں ان سب راویوں کو بھی معصوم ہونا چاہیئے۔ صرف ایک امام کے معصوم ہونے سے کیا کام چل سکتا ہے ورنہ پھر وہی غیر معصوم کا اتباع لازم آتا ہے۔

اصل بات صاف صاف یہ ہے کہ ختم نبوت کے انکار کے لیے یہ کارخانہ امامت کا کھولا گیا ہے، ورنہ غیر معصوم کے اقتداء و اتباع سے نہ تو ائمہ کے وقت میں شیعہ بچ سکتے تھے، نہ اب بچ سکتے ہیں۔

شیعوں کی اصلی اور سب سے بڑی دلیل کی یہ حالت تھی اب رہا ان کا استدلال آیات قرآنی سے جو دراصل ایک قسم کی تحریف ہے اس کا جواب مفصل و مدلل ہماری تفاسیر میں ہے۔ من شاء فلیرجع الیہا۔

ان تفاسیر کے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گی کہ جن آیات سے شیعوں نے مسئلہ امامت کے متعلق کچھ استدلال کیا ہے۔ اول تو آیات میں لفظی و معنوی تحریفات سے کام لیا ہے پھر آیات کے ساتھ کچھ روایات کو ضمیمہ بنایا ہے اور بدقسمتی سے روایات بھی وہ ہیں جن کو محدثین اہل سنت نے موضوع و مکذوب قرار دیا ہے اور پھر ان تمام کارروائیوں پہ بھی ان سے وہ مطلب نہ ثابت ہو سکا جس کو شیعہ چاہتے تھے۔

تفسیر آیت ولایت تفسیر آیہ تطہیر تفسیر آیہ اولی الامر تفسیر آیہ مودۃ القربیٰ تفسیر آیہ تبلیغ کا مطالعہ اس کے لیے کافی ہے۔

تفاسیر مذکورہ کے مطالعہ کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے شیعوں کو سخت عاجز و مبہوت کر رکھا ہے اور ان کے بنائے کچھ نہیں بنتا۔

واللہ لایہدی القوم الظالمین۔ ھذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِاُولِی الْاَلْبَابِ
بہ تحقیق ان کے قصوں میں عبرت ہے صاحبان عقل کے لیے
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی کُہٗ

اَلْخَامِسُ مِنَ الْمَاْتَیْنِ

عَلٰی

اَلْمُنْحَرِفُ عَنِ الثَّقَلَیْنِ

مُلقب بہ

شرح مسئلہ امامت

نمبر دوم

جس میں مسئلہ امامت کی مختصر تاریخ کتب شیعہ سے پیش کی گئی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد . خامس من اثنا عشرین کا پہلا نمبر شائع ہو چکا ہے جس میں مسئلہ امامت کے متعلق شیعوں کے اعتقادات ان کی کتابوں کے حوالے سے اصل عبارتوں کو نقل کر کے بیان کیے گئے ہیں اس نمبر کے پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ امامت کی تصنیف کرنیوالوں کا مقصد کیا ہے . یقیناً جو شان انبیاء علیہم السلام کی مسلمانوں کے اعتقاد میں ہے شیعوں نے وہی شان بارہ اماموں کی رکھی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر لہٰذا یہ بالکل سچی بات ہے کہ شیعوں کا مسئلہ امامت اور ختم نبوت کا انکار دونوں ایک چیز ہیں ۔

اب یہ دوسرا نمبر خامس من اثنا عشرین کا ہے جس میں مسئلہ امامت کی دلچسپ تاریخ کا بیان اختصار کے ساتھ مدنظر ہے ۔

مسئلہ امامت کی تاریخ اہل اسلام کے نزدیک تو عبداللہ بن سبا سے شروع ہوتی ہے ، اور تاریخی واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں ، علمائے شیعہ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ یہی منافق یہودی پہلا شخص ہے جس نے مسئلہ امامت کا اظہار کیا چنانچہ شیعوں کے علم الرجال کی مستند کتاب رجال کشی صلے میں بذیل حالات یہودی مذکور لکھا ہے ۔

وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ أَشْهَرَ بِالْقَوْلِ بِفَرْضِ	وہ پہلا شخص تھا جس نے علی کی امامت
إِمَامَةِ عَلِيٍّ وَأَظْهَرَ الْبَرَاءَةَ مِنْ أَعْدَائِهِ	کے فرض ہونے کا قول مشہور کیا اور ان کے
وَكَاشَفَ مُخَالِفِيهِ وَأَكْفَرَهُمْ	دشمنوں پر تبرا کیا اور ان کے مخالفوں کو کھلم
فَمِنْ هٰهُنَا قَالَ مَنْ خَالَفَ	کھلا کافر کہا اسی وجہ سے جو لوگ مذہب شیعہ
الشِّيعَةَ ... [illegible]	کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض

مَاخُوذٌ مِنَ الیَہُودِیَّۃِ۔ کی بنیاد یہودیت سے لی گئی ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار دو باتوں کا ہے (۱) یہ کہ مذہب شیعہ کی خصوصیات یعنی مسئلہ امامت و تبرا کا سب سے پہلے اظہار عبداللہ بن سبا نے کیا (۲) یہ کہ اہل سنت کا یہ کہنا کہ شیعیت کی بنیاد یہودیت سے لی گئی ہے بے اصل و بے وجہ نہیں ہے۔

مگر بایں ہمہ شیعہ مسئلہ امامت کی تاریخ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کی خاطر سے ہم بھی اسی وقت سے اس تاریخ کا آغاز کرتے ہیں۔

امامت کی تاریخ

امامت کی تاریخ ایک خونیں تاریخ ہے اس تاریخ کا کوئی صفحہ نہیں جو انسانی خون سے رنگین نہ ہو کوئی سطر نہیں جو بے گناہوں کے خون سے سرخ نہ ہو۔

اس امامت کی بدولت دنیا میں بڑے بڑے فسادات ہوئے خدا کے بندوں پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ دینِ اسلام کے تباہ ہونے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رہا یہ خدا کی قدرت تھی کہ دینِ اسلام فنا ہونے سے بچ گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مصیبت

عام طور پر مسلمان یہی جانتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے کسی درخت کے کھانے سے منع فرمایا تھا لیکن ان سے اس ممانعت کے خلاف ظہور میں آیا اس وجہ سے وہ جنت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ قرآن مجید میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں جا بجا یہی بیان ہوا ہے کہ کوئی درخت تھا جس کی بابت ارشاد ہوا تھا کہ لاتقربا ھٰذہ الشجرۃ یعنی اس درخت کے قریب نہ جانا اور پھر اس کے بعد یہ ہے کہ فاکلا منھا۔ یعنی آدم و حوا دونوں نے اس درخت میں سے کھایا

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے والے لفظ شجر کا وہی مطلب سمجھیں گے جو لغت میں اس کے معنی ہیں علیٰ ہذا کھانے کا بھی وہی مفہوم بیان کریں گے جو لغت میں ہے مگر کتب شیعہ کے دیکھنے سے اس راز کا انکشاف ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی کچھ اور تھا حضرت آدم کا قصور در اصل یہ تھا کہ انہوں

نے مسئلہ امامت کی مخالفت کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ باوجود خدا کی شدید ممانعت کے انہوں نے ائمہ معصومین پر حسد کیا اور اس قصور کی سزا میں جنت سے نکال باہر کیے گئے۔

اے کاش حضرت آدم نے کسی نبی پر حسد کیا ہوتا تو یہ سزا ان کو نہ ملتی سب سے بڑا مرتبہ ان کو ائمہ اثنا عشر کا نظر آیا لہٰذا انہوں نے اسی بلند شاخ پر پتھر پھینکا۔ یہ نہ سمجھے کہ اس شاخ پر پتھر پھینکنے سے خود اپنا ہی سر زخمی ہو جائے گا۔

اب اس قصے کے متعلق کتب شیعہ کی روایات ملاحظہ ہوں۔ اصول کافی باب فیہ نکت و نتف من التنزیل فی الولایہ میں ہے:۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ ولقد عہدنا الی آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتہم فنسی ھکذا واللہ انزلت علی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ولقد عہدنا الخ یعنی ہم نے حکم دیا تھا آدم کو پہلے سے کچھ باتوں کا محمد اور علی اور فاطمہ اور حسن وحسین اور ان ائمہ کے بارے میں جو اُن کی اولاد سے ہیں مگر آدم نے فراموش کر دیا۔ واللہ یہ آیت اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی تھی۔

اس روایت سے اتنا معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے پہلے سے ائمہ اہلبیت کے متعلق کچھ حکم دیا تھا مگر انہوں نے اس کے خلاف کیا اس کی تصریح دوسری روایات میں ہے کہ وہ حکم یہ تھا کہ خبردار اے آدم وحوا ان ائمہ پر حسد نہ کرنا۔

حیات القلوب جلد اول مطبوعہ نولکشور پریس ص۴۹ و ۵۰ میں ہے:۔

وبسند معتبر دیگر از آں حضرت منقول است کہ حق تعالیٰ خلق کرد روحہا پیش از بدنہا بدو ہزار سال پس گردانید بلندتر و شریف تر از ہمہ روحہا روح محمد و علی

اور ایک دوسری معتبر سند کیساتھ حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے روحوں کو بدنوں سے دو ہزار سال پیشتر پیدا کیا پھر سب روحوں سے زیادہ بلند اور زیادہ بزرگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور علی اور فاطمہ اور حسن

دناطمہ وحسن وحسین و اماماں بعد از
ایشاں صلوات اللہ علیہم اجمعین را۔
پس عرض نمود ارواح ایشاں را بر آسمان و
زمین و کوہہا۔ پس نور ایشاں ہمہ را فرا
گرفت پس حق تعالی فرمود بآسمان و
زمین و کوہہا کہ اینہا دوستان و دلیا
و حجتہاے من اند بر خلق من و پیشوایان
خلائق من اند۔ نیافریدم مخلوقے را
کہ دوست تر دارم از ایشاں از برائے
ایشاں و ہر کہ ایشاں را دوست
دارد آفریدہ ام بہشت خود را برائے
او و ہر کہ مخالفت و دشمنی کند با ایشاں
آفریدہ ام آتش جہنم را برائے او۔
پس ہر کہ دعوی کند منزلتے را کہ ایشاں
نزد من دارند و محلے کہ ایشاں از
عظمت من دارند عذاب کنم او را عذابے
کہ عذاب نکردہ باشم باں احدے از عالمیاں
را و او را با مشرکاں بمن آوردہ اند در
پائین ترین درکہای جہنم جا دہم و ہر کہ
اقرار بولایت و امامت ایشاں بکند
وادعا نکند منزلتہاے ایشاں را نزد من
و مکان ایشاں را از عظمت من جا دہم او را
با ایشاں در باغہای بہشت خود و از برائے

اور حسین اور ان اماموں کی روح کو قرار دیا جو ان
کے بعد ہونگے صلوات اللہ علیہم اجمعین۔
پھر خدا نے ان آئمہ کی روحوں کو آسمان پر اور زمین اور
پہاڑوں پر پیش کیا تو ان کے نور نے ان سب چیزوں
کو گھیر لیا۔ پھر حق تعالی نے آسمان اور زمین اور
پہاڑوں سے فرمایا کہ یہ لوگ میرے دوست اور
میرے ولی اور میری حجت ہیں۔ میری مخلوق پر اور
میری مخلوق کے پیشوا ہیں میں نے کوئی مخلوق ایسی
نہیں پیدا کی جس کو ان سے زیادہ دوست رکھتا ہوں
ان اماموں کیلئے اور جو ان سے محبت کرے اس کیلئے
میں نے اپنی بہشت پیدا کی ہے اور جو شخص ان سے
مخالفت اور دشمنی کرے اس کیلئے میں نے
دوزخ کی آگ پیدا کی ہے۔
پس جو شخص اس مرتبہ کا اپنے لیئے دعوی کرے
جو یہ آئمہ میرے نزدیک رکھتے ہیں اور اس مقام کا
دعوی کرے جو یہ لوگ میری عظمت سے رکھتے ہیں
میں اس کو ایسا عذاب کروں گا کہ ویسا عذاب تمام
عالم میں کسی کو نہ کیا ہوگا اور اس شخص کو مشرکوں
کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں جگہ
دوں گا اور جو لوگ ان ائمہ کی امامت کا اقرار
کریں اور ان کے مرتبے کا جو میرے یہاں ہے اور
ان کی جگہ کا جو میری عظمت سے ہے دعوی نہ
کریں ان کو انہیں اماموں کے ساتھ بہشت کے باغوں

ایشاں باشد در بہشت آنچہ خواہند نزد
من و مباح گردانم از برائے ایشاں
کرامت خود و در جوار خود ایشاں را جا
دہم و شفیع گردانم ایشاں را در گناہ
گاراں از بندگاں و کنیزان من پس
ولایت ایشاں امانتست نزد خلق من
پس کدام یک از شما برمیدارد ایں امانت
را با سنگینیہائے آں و دعوی میکند آں مرتبہ
را کہ از دست راز ہرگز بدرہ بائے خلائق من
نیست پس ابا کردند آسمانہا و زمینہا و کوہہا
از آنکہ ایں امانت را بردارند و ترسیدند
از عظمت پروردگار خود کہ چنیں منزلتے
را بناحق دعوی کنند و چنیں محل بزرگے را
برائے خود آرزو کنند۔

پس چوں حق تعالی آدم و حوا را در بہشت
ساکن گردانید گفت بخورید از بہشت
بسیار و گوارا ہر جا کہ خواہید نزدیک ایں
درخت مروید یعنی درخت گندم پس
خواہید بود از ستمگاراں پس نظر کردند بسوئے
منزلت محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین و
امامان بعد از ایشاں پس منزلتہائے ایشاں
را در بہشت بہترین منزلتہا یافتند پس
گفتند پروردگارا ایں منزلت از برائے

میں جگہ دوں گا، در بہشت میں جو کچھ وہ مانگیں گے
سب دوں گا اور ان کے لیے انعام عام کردوں گا
اور ان کو اپنے جوار میں جگہ دوں گا اور ان کو اپنے
گنہگار غلاموں اور لونڈیوں کے حق میں شفیع
بناؤں گا لہذا ان ائمہ کی امامت ایک امانت
ہے میری مخلوق کے پاس پس دیکھنا ہے کہ
تم میں سے کون اس امانت کو اس کی سنگینیوں کیساتھ
اٹھاتا ہے اور کون اس مرتبے کا دعوی کرتا ہے
کہ یہ میرا مرتبہ ہے ان ہرگز بدرہ لوگوں کا نہیں ہے
پس آسمانوں نے اور زمینوں نے اور پہاڑوں
نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کردیا اور اپنے
پروردگار کی عظمت سے ڈر گئے کہ ایسی
منزلت کا ناحق دعوی کریں اور ایسے
بڑے مقام کی اپنے لیے آرزو کریں۔

پس جب حق تعالی نے آدم و حوا کو بہشت میں ٹھہرایا
تو کہا کہ کھاؤ بہشت سے خوب اور گوارا جہاں سے
چاہو مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں
میں سے ہوجاؤ گے پھر آدم و حوا نے نظر کی محمد
اور علی اور فاطمہ اور حسن و حسین اور ان اماموں
کے مرتبے کی طرف جو بعد حسنین کے ہونے والے
تھے تو ان سب کے مرتبے کو بہشت میں سب
مرتبوں سے بہتر دیکھا پس انہوں نے
کہا کہ اے پروردگار یہ مرتبہ کس کے لیے ہے

کیست حق تعالے فرمود کہ بلند کنید
سرہائے خود را بسوئے ساق عرش من
پس چوں سر بالا کردند دیدند نام محمدؐ
و علی و فاطمہ و حسن و حسین را اماماں
بعد از ایشاں صلوات اللہ علیہم کہ بر ساق
عرش نوشتہ بود نورے از انوار خدا
وند جبار پس گفتند پروردگارا چہ
بسیار گرامی اند اہل این منزلت بر
تو و چہ بسیار محبوب اند نزد تو و بسیار
شریف و بزرگ اند در درگاہ تو پس
خدا فرمود کہ اگر ایشاں نمی بودند من شما
را خلق نمیکردم ایشاں خزینہ
داراں علم من اند و امیناں من بر رازہائے
من زنہار کہ نظر مکنید بسوئے ایشاں
بدیدہ حسد و آرزو مکنید منزلت ایشاں
را نزد من و محل ایشاں را از کرامت
من پس بایں سبب داخل خواہید
شد در نہی من پس از ستمگاراں خواہید
بود گفتند پروردگارا کیستند ستمگاراں و
ظالماں فرمود کہ آنہا کہ ادعائے منزلت
ایشاں می کنند بہ ناحق گفتند پروردگار
پس بنما منزلہائے ظالماں ایشاں را
در آتش جہنم تا ببینیم منزلہائے آنہا را

تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے سروں کو ساق عرش کی
طرف بلند کرو، چنانچہ انہوں نے سر اٹھائے تو دیکھا
کہ محمد اور علی اور فاطمہ اور حسن و حسین اور
ان اماموں کے نام دیکھے جو بعد حسنین کے
ہونے والے تھے صلوات اللہ علیہم یہ نام ساق
عرش پر خداوند جبار کے نور سے لکھے ہوئے تھے
پھر آدم و حوا نے کہا کہ اے پروردگار کس قدر زیادہ
بزرگ ہیں اس مرتبے کے لوگ تیرے یہاں
اور کس قدر زیادہ محبوب ہیں تیرے نزدیک اور
کس قدر زیادہ شرافت اور بزرگی والے تیری درگاہ
میں پس خدا نے فرمایا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم لوگوں
کو پیدا نہ کرتا یہ آئمہ میرے علم کے خزانہ دار اور میرے
راز کے امانت دار ہیں خبردار ان کی طرف حسد کی
آنکھ سے نہ دیکھنا اور ان کا مرتبہ جو میرے نزدیک
ہے اور ان کا مقام جو میری بندگی سے ہے اس
کی آرزو اپنے لئے نہ کرنا، ورنہ میری نافرمانی میں
داخل ہو جاؤ گے اور ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔
آدم و حوا نے کہا کہ اے پروردگار ظالم
کون لوگ ہیں خدا نے فرمایا کہ ظالم وہ
لوگ ہیں جو ناحق ان کے مرتبے کا اپنے لئے
دعویٰ کریں آدم و حوا نے کہا کہ اے پروردگار
تم کو ان کے ظالموں کی جگہ دوزخ میں
دکھا دے تاکہ ہم ان کا ٹھکانا دیکھ لیں

چنانچہ منزلہاۓ آں بزرگواراں را در
بہشت دیدیم۔
پس حق تعالی امر کرد آتش را کہ ظاہر
گردانید جمیع آنچہ دراں بود از انواع
شدتہا و عذابہا و فرمود کہ جاۓ ظالماں
ایشاں کہ ادعاۓ منزلت ایشاں مینمایند
در پائیں تریں درکات ایں جہنم ست ہر
چند ارادہ کنند کہ بیروں آیند از جہنم برگردانند
ایشاں را بسوی آں و ہر چند پختہ و سوختہ
شود پوستہاۓ ایشاں بدل کنند ایشاں
را پوستہاۓ غیر آنہا تا بچشند عذاب
را۔

اے آدم واے حوا نظر مکنید بسوۓ
نورہا و حجتہاۓ من بدیدہ حسد پس شما را
پائیں میفرستم از جوار خود و بر شما میفرستم
خواری خود را پس وسوسہ کرد ایشاں را
شیطان تا ظاہر گرداند براۓ ایشاں آنچہ
پوشیدہ بود از ایشاں از عورتہاۓ ایشاں
و گفت نہی نکردہ ست شما را پروردگار شما
ازیں درخت مگر از براۓ ایں کہ نخواست
کہ شما دو ملک باشید یا ہمیشہ در بہشت
باشید و سوگند یاد کرد کہ من از خیر خواہان شمایم
پس ایشاں را فریب داد و بریں داشت کہ نزدیک

جس طرح ان آئمہ کی منزلت کو ہم نے
بہشت میں دیکھا۔
پس حق تعالیٰ نے حکم دیا دوزخ کو چنانچہ اس
نے تمام ان سختیوں اور عذابوں کو جو اس میں ہیں ظاہر
کردیا اور فرمایا کہ ان ظالموں کی جگہ جو ان کے مرتبہ
کا دعویٰ کریں اس جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہے یہ
ظالم ہر چند ارادہ کریں گے کہ جہنم سے باہر نکل جائیں
مگر فرشتے ان کو پھر جہنم کی طرف لوٹائیں گے
اور ہر چند کہ ان کی کھالیں آگ میں جل جائیں گی
تو فرشتے ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے
بدل دیں گے تاکہ عذاب کا مزہ اچھی طرح
چکھیں۔ پھر خدا نے دوبارہ فرمایا اے آدم و حوا
میرے نوروں اور حجتوں (یعنی آئمہ) کی طرف
حسد کی آنکھ سے نہ دیکھنا ورنہ میں تم کو اپنی نزدیکی
سے نکال کر نیچے بھیج دوں گا اور میں تم پر
ذلت طاری کر دوں گا۔ مگر شیطان نے محض
اس لئے کہ ان سے جنت کے لباس چھینے
جائیں اور ان کی شرمگاہیں برہنہ ہو جائیں ان
کو یہ وسوسہ دلایا کہ تمہارے پروردگار نے تم کو اس
درخت کے کھانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ
اس نے نہیں چاہا کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا
ہمیشہ بہشت میں رہو اور شیطان نے قسم کھائی
کہ تمہارا خیر خواہ ہوں غرضکہ اس نے فریب دیدیا اور

منزلت اینہا بکنند پس نظر کردند بسوی ایشاں بدیدۂ حسد پس باین سبب خدا ایشاں را بخود گزاشت و یاری و توفیق خود را از ایشاں برداشت

دونوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آئمہ کے مرتبے کی اپنے لیئے آرزو کریں چنانچہ انہوں نے حسد کی آنکھ سے ان کی طرف دیکھا پس اس سبب سے خدا نے انکو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور اپنی مدد اور توفیق اُن سے اُٹھالی ۔

اس طولانی روایت کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے بار بار بتاکید منع کیا کہ آئمہ پر حسد نہ کرنا اور حسد کرنے کی سزا بھی پائیں ترین درکات جہنم میں ان کو دکھا دی مگر حضرت آدم نے حسد کیا اور یہ حسد کرنا از قسم ترک اولیٰ نہ تھا بلکہ گناہ صغیرہ بھی نہ تھا ایسا کبیرہ گناہ تھا جس کی سزا پائیں ترین درکات جہنم ہے مشرکوں کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا آئمہ اہل بیت پر حسد کرنا اور اس حسد کی وجہ سے نکالا جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی متعدد روایات متعدد کتب شیعہ میں ہیں مگر اب ہم تعدد نقول سے طول دینا نہیں چاہتے۔ حسد آدم کی بحث نہایت مکمل طور پر النجم کے مناظرہ حصہ اول میں ہے جو ۱۳۲۲ھ میں یعنی آج سے تیس سال پہلے لکھا جا چکا ہے اس بحث میں پہلے مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم کا جواب پھر صاحب منتہی الکلام علیہ الرحمہ کا جواب الجواب پھر شیعوں کے قبلہ مولوی حامد حسین صاحب نے استقصاء الافحام جلد دوم ص ۹۶ سے ص ۵۰۵ تک منتہی الکلام کے جواب الجواب پر جو گوہر افشانی کی ہے ان سب چیزوں کو نقل کرکے استقصاء الافحام کے تار تار الگ کرکے اس بحث کو ایسا منقح کر دیا گیا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں رہی من شاء فلیطالعہ ۔

لہ خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ زبانی جمع خرچ کے طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور ان کی عصمت کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کی کتابوں کے دیکھنے والے اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ مذہب شیعہ کو اصل مخالفت مسئلہ نبوت ہی سے ہے اور مذہب شیعہ کا اصل مقصود یہ ہے کہ نبوت کی عظمت و رفعت مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دی جائے یہ نہ ہو سکے تو کم تر کر دی جائے مسئلہ امامت کی تصنیف محض اسی مقصد شریف کے لئے کی گئی ہے ۔

مگر ان کے مصنف کچھ ایسے ہیں کہ خود بخود اپنے ضمیر کے خلاف اور اپنی کتب روایات کے خلاف زبان سے بھی انبیاء کے متعلق

المختصر یہ پہلی مصیبت ہے جو اس مسئلہ امامت کی بدولت عالم انسانی پر پیش آئی ابھی آفرینش عالم کا آغاز ہی تھا کہ یہ بلا نازل ہوئی ؎ سالے کہ نکوست از بہارش پیداست۔

یہ حضرت آدم علیہ السلام وہ ہیں کہ قطع نظر اس سے کہ نسل انسانی کی اصل و بنیاد ہیں قرآن مجید میں بڑی عزت کے کلمات سے ان کو یاد فرمایا گیا۔ از انجملہ یہ کہ:-

قلنا للملائکة اسجدوا لادم۔ فرمایا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کی طرف[1]

از انجملہ یہ کہ ابلیس محض اس سجدہ نہ کرنے ہی کے سبب مطرود و ملعون قرار پایا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ کا) کہتے ہیں کہ انبیاء کی بزرگی اور پاکی کا جیسا اعتقاد ہم رکھتے ہیں کوئی دوسرا اسلامی فرقہ اس میں ہماری ہمسری نہیں کر سکتا چنانچہ مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اعظم نے حسام میں بڑے طمطراق کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے۔

لہٰذا بیچارے اپنی ان روایات کے جواب میں بہت پریشان ہوتے ہیں اور کچھ بنائے نہیں بنتی چنانچہ یہی بحث حسد آدم کی ان پریشانیوں کا بہترین نمونہ ہے۔

حسد آدم کی روایت کتب شیعہ سے تحفہ اثنا عشریہ میں نقل کی گئی تو اس کے جواب میں مولوی دلدار علی صاحب نے اپنی کتاب حسام میں سب سے پہلی کارروائی تو یہ کی کہ اس روایت کی صحت سے انکار کر دیا اور دوسری کارروائی یہ کی کہ بالفرض تسلیم صحت حسد سے غبطہ مراد لیا جو ایک جائز چیز ہے اور کتب اہل سنت سے اس بات کا ثبوت بھی دے دیا کہ کبھی حسد بمعنی غبطہ آتا ہے۔

ان دونوں جوابوں کی حقیقت تو اسی سے ظاہر ہے کہ یہ روایت شیخ صدوق کی کتاب عیون میں بھی ہے اور علامہ مجلسی نے اس کو بسند معتبر انہی لفظوں سے یا دکیا ہے جیسا کہ حیات القلوب سے منقول ہوا لہٰذا اس روایت کی صحت سے انکار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

اب رہا حسد کا معنے غبطہ ہونا تو وہ بھی اس روایت میں نہیں بن سکتا کیونکہ غبطہ جائز چیز ہے اور حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس حسد کا ظہور ہوا وہ ایسی ناجائز چیز تھی جس کی سزا پائین ترین درکات جہنم ہے ۱۲۔

[1] حاشیہ صفحہ ہذا ملے، عام طور پر لوگوں نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ آدم کو سجدہ کرو، مگر ہم نے لام کو معنی الیٰ لے کر آدم کی طرف سجدہ کرو ترجمہ کیا لام بمعنی الیٰ لغت عرب سے ثابت ہے مفسرین بھی لکھتے ہیں (دیکھو تفسیر بیضاوی) مطلب یہ ہوا کہ آدم [illegible] کعبہ [illegible] مسجود الیہ [illegible] قبلہ قرار دیے گئے سجدہ خدا ہی کا تھا مگر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے۔ [illegible] سجدہ [illegible] پیشانی زمین پر رکھنا نہیں ہے بلکہ صرف جھکنا [illegible]

اور از انجملہ یہ کہ فرمایا خلقتہ بیدی میں نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، دونوں ہاتھوں سے پیدا کرنے کا مطلب یہ کہ اپنی ساری طاقتوں اور قدرتوں کا نمونہ ان کو قرار دیا۔ از انجملہ یہ کہ فاجتباہ ربہ۔ یعنی پروردگار نے آدم کو برگزیدہ کر لیا۔

مگر مسئلہ امامت کی برکات ہیں کہ یہ ممدوح قرآن حاسد قرار پایا اور پائیں ترین درکات جہنم کے عذابات کا مشرکوں کے ساتھ مستحق ٹھہرایا گیا۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ امامت کی بدولت مبتلائے مصائب ہونا

حضرت آدم علیہ السلام پر یہ بلائیں ختم نہ ہوئیں بلکہ اُن کے بعد بھی ہر نبی کو مسئلہ امامت کی بدولت مصائب و آفات کا سامنا رہا۔

جب کوئی نبی مبعوث ہوتا تھا تو خدا کی طرف سے مسئلہ امامت اس پر ضرور پیش کیا جاتا تھا اور خدا ہی جانے کہ مسئلہ امامت میں کیا بات ہے کہ ہر نبی اس کا انکار ضرور کرتا تھا، اور انکار کرتے ہی اس کی گوشمالی بھی خدا کے ذمہ واجب ہو جاتی تھی۔

(بقیہ منو گزشتہ کا) مراد ہے جیسا کہ صاحب جلالین وغیرہ نے لکھا ہے اور نہ اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے، نہ سجدۂ تعظیمی کو جائز ماننے کی گنجائش ہے۔

لطیفہ: رائے بریلی میں ۱۹۳۸ء میں شیعہ سنی کا مقدمہ تعزیوں کی تعظیم کے متعلق ہوا، شیعہ چاہتے تھے کہ بذریعہ حکومت اہل سنت کو تعزیہ کی تعظیم کیلئے مجبور کیا جائے، سنیوں کی طرف سے اس ناچیز کو شہادت دینا پڑی۔ میری شہادت پر جرح کرنے کیلئے شیعوں کی طرف سے تین شیعہ بیرسٹر مقرر ہوئے مہدی الزماں، ظفر مہدی، کلب عباس دو دن تک ان لوگوں نے میری شہادت پر جرح کی اور تینوں بدحواس ہو گئے آخر الذکر جرح کرنے میں تمام یو پی میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں انہوں نے اپنی جرح میں مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا قرآن مجید میں یہ بیان ہے کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں اول سے آخر تک کہیں قرآن مجید میں ایسا حکم نہیں ہے بدحواسی اور قرآن مجید سے بے تعلقی کا یہ حال ہوا کہ قرآن مجید کی خوب ورق گردانی کی گئی لیکن یہ آیت جو پہلے ہی پارے میں ہے کسی کو نہ ملی، اگر آیت مل جاتی تو میں یہی جواب دیتا کہ یہاں لام بمعنے الیٰ ہے اگر وہ تفاسیر کو پیش کرتے تو میں کہہ دیتا کہ یہ مفسر کی رائے ہے قرآن نہیں ہے جو بالکل حقیقی و واقعی بات تھی مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

لکھنے کو تو علمائے شیعہ لکھ گئے کہ انبیا نے [illegible] کا انکار نہیں کیا اور ان کی گوشمالی نہیں ہوئی اور انبیائے اولوالعزم یا پانچ [illegible] حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے اولوالعزم کا استثنا قطعاً غلط ہے کیونکہ [illegible] ہے کہ انبیا علیہم السلام پر جو مصائب آئے ان کا سبب واحد مسئلہ امامت [illegible] آئندہ صفحات سے ثابت ہوگا اور انبیائے اولوالعزم پر مصائب کا [illegible] سے ہے بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا آگ [illegible] ناقابلِ انکار چیزیں ہیں تمام نبیوں سے زیادہ مصائب سیدالانبیاء [illegible] لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سب سے زیادہ انکار مسئلہ امامت کا [illegible] آپ کا سب سے زیادہ منکر ہونا یوں بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی امامت [illegible] حکم نازل ہوا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کے اعلان سے [illegible] فرمایا کہ اگر امامت علی کا اعلان نہ کروگے تو تمہارا نام دفترِ نبوت سے [illegible] آپ نے اعلان نہ دیا اور اپنا خوف بیان کیا اس وقت خدا نے [illegible] کے بعد بھی اعلان کرنے کھڑے ہوئے تو ایسے گول الفاظ [illegible] بالکل واضح نہ ہوئی بلکہ لغتِ عرب کے لحاظ سے وہ الفاظ خلاف [illegible] کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی میں جس کا محبوب ہوں [illegible] بمعنی حاکم یا امام ہونا کہیں لغتِ عرب سے ثابت نہیں ہو سکتا [illegible] نے بہت زیادہ اور بہت شدید انکار امامت کا کیا اسی وجہ سے [illegible] آئے۔

اس مقام پر ہم علامہ باقر مجلسی کی کتاب [illegible] کا قصہ نقل کرتے ہیں۔ اسی سے باقی انبیا علیہم السلام کا حال بھی معلوم [illegible] ہیں کہ:

ابوحمزہ ثمالی روایت کرتا ہے کہ ایک روز [illegible] پاس آئے اور کہا کہ کیا تم یہ کہتے ہو کہ یونس اس [illegible] تمہارے دادا علی کی امامت جب ان پر پیش کی تو [illegible] زین العابدین

نے کہا ہاں میں نے ایسا کہا ہے تیری ماں تجھ کو روئے

عبداللہ ابن عمر نے کہا اگر تم سچ کہتے ہو تو اپنی سچائی کی کوئی دلیل مجھے دکھلاؤ حضرت امام نے فرمایا کہ اُن کی آنکھ پر پٹی باندھ دو چنانچہ باندھ دی گئی تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کھول دو، عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھ کھولی تو اپنے کو ایک دریا کے کنارے پایا جس کی موجیں بلند تھیں عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اے سردار میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ امام زین العابدین نے فرمایا کہ پریشان مت ہو اب میں تجھ کو اپنی سچائی کی دلیل دکھاتا ہوں اس کے بعد انہوں نے آواز دی کہ اے مچھلی! فوراً ایک مچھلی نے دریا سے سر نکالا جیسے ایک بڑا پہاڑ اور کہنے لگی اے ولی خدا میں حاضر ہوں امام زین العابدین نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یونس کی مچھلی ہوں۔ امام زین العابدین نے فرمایا کہ یونس کا قصہ بیان کر کہ کس طرح ہوا؟

مچھلی نے کہا اے سردار حق تعالیٰ نے کسی پیغمبر کو مبعوث نہیں کیا آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جدِ امجد محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک مگر یہ کہ آپ لوگوں کی امامت اس پر ضرور پیش کی گئی جس نے قبول کیا وہ محفوظ رہا اور جس نے انکار کیا وہ بلا میں گرفتار ہوا چنانچہ حق تعالیٰ نے جب یونس کو پیغمبر کیا تو اُن پر وحی بھیجی کہ اے یونس علی اور دوسرے آئمہ جو ان کی اولاد سے ہوں گے ان سب کی امامت کو قبول کر۔ یونس نے کہا ایسے شخص کی امامت میں کس طرح قبول کروں جس کو نہ میں نے دیکھا اور نہ میں اُس کو پہچانتا ہوں اس کے بعد یونس کسی ضرورت سے دریا کنارے گئے تو خدا نے مجھے حکم دیا کہ یونس کو نگل لے مگر ان کی ہڈیوں کو [illegible] چالیس دن وہ میرے پیٹ میں رہے اور میں ان کو دریاؤں میں اور تاریکیوں میں لئے ہوئے پھرتی رہی اور وہ ہر دم کہتے رہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور کہتے رہے کہ میں نے دل کی امامت امیر المومنین کی اور آئمہ راشدین کی جو ان کی اولاد سے ہوں گے۔ پس جب یونس آپ لوگوں کی امامت پر ایمان لے آئے تو مجھ کو پروردگار نے حکم دیا اور میں نے ان کو دریا کنارہ جا کر اگل دیا۔

پھر امام زین العابدین نے فرمایا کہ اے مچھلی اب اپنے آشیانے میں لوٹ جا۔

اس روایت کو دیکھ کر مصنف منتہی الکلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتاب مناقب مرتضوی کا یہ مصنف لکھتا ہے کہ "اس مضمون کی حدیثیں کہ جناب امیر علیہ السلام کی امامت کے انکار سے نبیوں پر مثل یونس کے عذاب آئے اور جب انہوں نے امامت کا اقرار کر لیا اس وقت نجات ملی متواتر المعنی ہیں اور ائمہ کی افضلیت کا مدار انہیں روایات پر ہے۔"

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ جس پیغمبر نے آئمہ اثنا عشر کی امامت سے انکار کیا وہ مبتلائے مصائب ہوا اور جس نے اقرار کر لیا وہ محفوظ رہا۔ لہٰذا انبیائے اولوالعزم کو زمرۂ منکرین سے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ رہی کیا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم پر بلائیں نہیں آئیں؟ کیا حضرت داؤد و حضرت علیٰ مصائب سے محفوظ رہے؟ کیا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب سے زیادہ ایذائیں نہیں پہنچیں؟ معلوم ہوا کہ تمام نبیوں نے بلا استثناء آئمہ معصومین کی امامت کا انکار کیا تھا اور سب سے زیادہ اشد منکر امامت کے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اگر امامت کا انکار نہ کرتے تو یقیناً سب انبیاء ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہتے۔

اب ذرا نبیوں کے بعد خاندان رسالت کی تباہی و بربادی اس مسئلہ امامت کی بدولت ملاحظہ کیجئے اور اس مسئلہ امامت کے حق میں یہ شعر مشہور پڑھ دیجئے کہ ؎

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

خاندان رسالت میں مسئلہ امامت کی بدولت خانہ جنگیاں

انبیاء علیہم السلام کے طبقے کو اگر مسئلہ امامت نے زیر و زبر کر دیا تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ امامت دنبوت کی رقابت بدیہی الثبوت ہے جس کو خامس کے نمبر اول میں بیان کر چکے ہیں مگر قابل تماشا یہ ہے کہ خود آپس ہی میں اس قدر خانہ جنگی اس مقدس مسئلہ کے سبب سے ہوئی اور ایسے ایسے فتنے برپا ہوئے کہ الامان الامان۔

حضرت علی سے خود اُن کے گھرانے والوں سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا حتیٰ کہ خود ان کے حقیقی بھائی حضرت عقیل اور ان کے چچا حضرت عباس اور چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس

سے اور ان سے رنجش ہوئی اور ایک دوسرے کے متعلق نا ملائم الفاظ استعمال کرتے رہے۔

حضرت علی کے بعد ان کی اولاد میں تو وہ فتنہ برپا ہوا کہ خدا کی پناہ۔ حضرت امام حسن کی اولاد اور امام حسین کی اولاد میں سخت رنجش و عداوت رہی۔ آئمہ معصومین نے امام حسن کی اولاد کو کبھی اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا بلکہ جن کلمات سے ان کی ضیافت کی آج کتب[1] شیعہ میں موجود ہیں وہ الفاظ ہرگز کسی نیک طینت انسان کی زبان سے نہیں نکل سکتے پھر امام حسین کی اولاد میں باہم وہ جھگڑے پیش آئے جو انسانی شرافت سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔

نمونہ کے طور پر یہاں چند واقعات حوالۂ قلم کئے جاتے ہیں۔

واقعۂ اوّل

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس کا واقعہ عجیب و غریب کتب شیعہ میں منقول ہے اخیر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ شیعہ راوی آئمہ معصومین سے روایت کرتے ہیں کہ بینائی جانے کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے مسئلہ امامت کے متعلقات میں حضرت علی سے بحث کی تھی، اور حضرت علی کے مثل رسول ہونے سے انکار کر دیا تھا اس کی سزا میں ان کی آنکھ پھوڑ دی گئی تھی۔

اصول کافی مطبوعہ نولکشور پریس کے صفحہ پر یہ پورا واقعہ امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک روز امام ممدوح بیٹھے ہوئے تھے یکایک خود بخود ہنسنے لگے اور اس قدر زور

---

[1] نمونہ کے طور پر ایک روایت کتاب احتجاج کی ملاحظہ ہو صفحہ ۲ پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ لَیْسَ مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا وَلَهٗ عَدُوٌّ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ فَقِیْلَ لَهٗ بَنُو الْحَسَنِ لَا یَعْرِفُوْنَ الْحَقَّ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ یَحْمِلُهُمُ الْحَسَدُ یَمْنَعُهُمْ۔ ترجمہ۔ ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ اس کے اہل بیت ہی میں کچھ لوگ اس کے دشمن نہ ہوں امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کیا حسن کی اولاد یہ نہیں جانتی کہ حق کس کا ہے۔ امام نے فرمایا کہ جانتے تو ہیں مگر حسد ان کو ہماری عداوت پر آمادہ کرتا ہے پھر صفحہ ۹ میں انہیں امام جعفر صادق سے منقول ہے لَوْ تُوُفِّیَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَی الزِّنَا وَالرِّبَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ کَانَ خَیْرًا مِمَّا تُوُفِّیَ عَلَیْهِ۔ ترجمہ۔ اگر حسن بن علی زناکاری و سود خواری اور شراب نوشی کی حالت میں مرجاتے تو اس سے بہتر ہوتا جس حالت میں وہ مرے۔

سے ہنسی آئی کہ آنکھوں میں پانی بھر آیا پھر لوگوں سے فرمایا کہ اس وقت مجھے ابن عباس کا ایک واقعہ یاد آگیا اسی پر مجھے اس قدر ہنسی آئی۔ اس کے بعد امام صاحب نے اپنی اور ابن عباس کی ایک گفتگو اپنے دلدادوں کو سنائی جس کے آخر میں یہ ہے کہ امام صاحب نے ابن عباس سے کہا:۔

هٰكَذَا حُكْمُ اللهِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيهَا أَمْرُهُ إِنْ جَحَدْتَهَا بَعْدَمَا سَمِعْتَهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَدْخَلَكَ اللهُ النَّارَ كَمَا أَعْمَى بَصَرَكَ يَوْمَ جَحَدْتَهَا عَلَى ابْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فَذَالِكَ عَمِيَ بَصَرِي قَالَ وَمَا عِلْمُكَ بِذَالِكَ فَوَاللهِ إِنْ عَمِيَ بَصَرُهُ إِلَّا مِنْ صَفْقَةِ جَنَاحِ الْمَلَكِ قَالَ فَاسْتَضْحَكْتُ ثُمَّ تَرَكْتُهُ يَوْمَهُ ذٰلِكَ لِسَخَافَةِ عَقْلِهِ ثُمَّ لَقِيتُهُ فَقُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَا تَكَلَّمْتَ بِصِدْقٍ مِثْلَ أَمْسِ قَالَ لَكَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي كُلِّ سَنَةٍ وَأَنَّهُ يَنْزِلُ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ أَمْرُ السَّنَةِ وَإِنَّ لِذَالِكَ وُلَاةً بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

ایسا ہی ہے حکم اللہ کا اس رات میں جس میں اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے، اگر تم اس بات کا انکار کروگے بعد اس کے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُن چکے ہو تو اللہ تم کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔ جس طرح تمہاری آنکھ خدا نے اس دن پھوڑ دی تھی جس دن تم نے علی بن ابیطالب علیہ السلام سے اس کا انکار کیا تھا۔ ابن عباس نے کہا ہاں آنکھ تو میری اسی وجہ سے پھوٹ گئی۔ پھر امام صاحب نے فرمایا کہ تم اس واقعہ کو کیا جانو اللہ کی قسم ابن عباس کی آنکھ فرشتے کے پر مارنے کی وجہ سے پھوٹی تھی۔ امام صاحب فرماتے ہیں پھر مجھے ہنسی آگئی پھر اس کے بعد میں نے ابن عباس سے بات کرنا چھوڑ دی کیونکہ وہ بڑا بے وقوف شخص تھا مگر ایک دن پھر ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا اے ابن عباس تم ویسا سچ کبھی نہیں بولے جیسا کل بولے تھے۔ مجھے تمہارا سارا واقعہ معلوم

وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَنْ هُمْ قَالَ أَنَا وَاَحَدَ عَشَرَ مِنْ صُلْبِيْ اَئِمَّةٌ مُحَدَّثُوْنَ فَقُلْتُ لَا اَرَاهَا كَانَتْ اِلَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَتَبَدّٰى لَكَ الْمَلَكُ الَّذِيْ يُحَدِّثُهُ فَقَالَ كَذِبْتَ يَا عَبْدَ اللهِ رَأَتْ عَيْنَايَ الَّذِيْ حَدَّثَكَ بِهِ عَلِيٌّ وَلَمْ تَرَ عَيْنَاهُ وَلٰكِنْ وَعَاهُ قَلْبُهُ وَوُقِرَ فِيْ سَمْعِهِ ثُمَّ صَفَقَكَ بِجَنَاحِهِ فَعَمِيْتُ قَالَ وَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ مَا اخْتَلَفْنَا فِيْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ اِلَى اللهِ فَقُلْتُ لَهُ فَهَلْ حُكْمُ اللهِ فِيْ حُكْمِ مِنْ حُكْمِهِ بِاَمْرَيْنِ قَالَ لَا فَقُلْتُ هٰهُنَا هَلَكْتَ وَاَهْلَكْتَ۔

ہے، تم سے علی بن ابی طالب علیہ السلام نے کہا تھا کہ لیلۃ القدر ہر سال میں ہوتی ہے اور اس رات میں سال بھر کے احکام نازل ہوتے ہیں اور یہ بات بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ائمہ کو حاصل ہے پھر تم نے اے ابن عباس حضرت علی سے پوچھا کہ وہ ائمہ کون ہیں تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں اور گیارہ شخص میری اولاد سے یہی آئمہ ہیں جن سے فرشتے باتیں کرتے ہیں تو اے ابن عباس تم نے کہا کہ میں تو یہ بات (یعنی نزول احکام) رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص سمجھتا ہوں پس فوراً وہ فرشتہ نمودار ہوگیا جو حضرت علی سے باتیں کرتا تھا۔ اور اس نے کہا کہ اے عبداللہ بن عباس تو جھوٹا ہے، میری آنکھوں نے اس چیز کو دیکھا ہے جو تجھ سے علی نے بیان کی حالانکہ فرشتے کی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اس کے دل نے یاد کرلیا تھا۔ اور اس کے کان میں یہ بات پڑی ہوئی تھی۔ پھر فرشتے نے اپنا پر مار دیا اور تم اندھے ہوگئے پھر حضرت علی نے کہا کہ اے ابن عباس جس بات میں بھی ہمارا اختلاف ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی

کی طرف رسے ہو جاتا ہے تو تم نے منکر
بن کر حضرت علی سے کہا کہ کیا اللہ کا کوئی
فیصلہ کسی معاملے میں دور رنگا بھی ہوتا ہے
حضرت علی نے کہا نہیں (امام صاحب فرماتے
ہیں کہ اس کے بعد) میں نے ابن عباس
سے کہہ دیا کہ تم خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں
کو بھی ہلاک کرتے ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کہتے تھے کہ رسول کے بعد بارہ امام ہیں اور ان پر بھی مثل رسول کے ہر سال شب قدر میں سال بھر کے احکام نازل ہوا کرتے ہیں حضرت ابن عباس اس کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ نزول احکام رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ان کے بعد کسی پر احکام نازل نہیں ہوتے حضرت ابن عباس جو کچھ کہتے تھے بالکل تعلیم اسلامی کے مطابق تھا اور کیوں نہ مطابق ہوتا آخر امام المفسرین تھے مگر اندھیر نگری چوپٹ راج اس حق بات کے کہنے پر فرشتے نے ان کی آنکھ پھوڑ دی معلوم ہوا کہ مسئلہ امامت کی عظمت پر قرآن اور قرآن کی ساری تعلیمات قربان کر دینی چاہئیں جو ایسا نہ کرے وہ معتوب ہوتا ہے۔

اب دیکھو کہ امام باقر علیہ السلام نے اپنے پر دادا حضرت عبداللہ بن عباس کو کیسے شریفانہ کلمات سے مخاطب کیا۔

(۱) ابن عباس سخیف العقل یعنی کمزور عقل والا شخص ہے۔

(۲) ابن عباس سے میں نے ترک کلام کر دیا۔

(۳) اے ابن عباس تم بڑے جھوٹے ہو سوا اس بات کے کبھی تم نے سچ نہیں بولا۔

(۴) اے ابن عباس تمہاری آنکھ تو پھوڑ دی گئی لیکن اب انکار کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔

(۵) اے ابن عباس تم جہنمی[1] ہو اور دوسروں کو جہنمی بناتے ہو۔

اللہ اکبر دل کانپ جاتا ہے جب امام المفسرین حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس کی شان میں

---

[1] یہ ترجمہ ہلکت واہلکت کا ہے علامہ قزوینی نے صافی شرح کافی میں اس کا فارسی ترجمہ لکھا ہے جہنمی شدی وجہنمی کردی ۱۲

یہ مہذب کلمات دیکھے جاتے ہیں اور پھر کس کی زبان سے جو نہ طبقہ میں اس کا مساوی نہ علم میں ان کا ہمسر اور رشتے میں ان کا پر پوتہ۔

یہ سب برکات اسی مسئلہ امامت کے ہیں ورنہ امام باقر کی شان عالی اس سے بہت ارفع ہے کہ اس طرح بے تمیزی کے ساتھ ایسے گستاخانہ الفاظ اپنے بزرگ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور چچیرے بھائی کی نسبت استعمال کرتے حاشا جنابہ عن ذالک۔

ف خلفائے عباسیہ کا زمانہ آیا تو شیعوں نے پھر پلٹا کھایا اور لگے ابن عباس کی تعریف کرنے کچھ روایتیں بھی ان کے مناقب میں گڑھ کر اپنی کتابوں میں درج کر لیں اور اُن سے حسن عقیدت کے مدعی بن گئے ورنہ کھٹکا تھا کہ کہیں خلفائے عباسیہ کو اپنے دادا کی نسبت یہ کثیف کلمات سُن کر غصہ نہ آ جائے تو پھر مسئلہ امامت کے گھروندے کی خیر نہیں۔

مولوی سید محمد صاحب مجتہد اعظم شیعہ اپنی کتاب تشئید المبانی میں اہل سنت کی گرفت سے گھبرا کر یہ چاہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کی اس توہین و تذلیل کا جواب دیں چنانچہ خلاصہ ان کے جواب کا یہ ہے کہ" اگر ابن عباس کے معائب کی روایتیں صحیح ہوتیں اور ابن عباس سے مذہب شیعہ کے خلاف باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہوتیں تو علمائے شیعہ عبداللہ افطح کی طرح جو امام معصوم کے فرزند تھے ابن عباس کو برا کیوں نہ جانتے"۔

جواب اس کا مختصراً یہ ہے کہ اولاً یہ کیوں کر معلوم ہو کہ شیعہ حضرت ابن عباس کو برا نہیں جانتے جب کہ ان کی روایات صحیحہ ان کی معتبر کتابوں میں ان کی مذمت کی موجود ہیں اور ان روایات کی نہ تو کوئی تاویل ہو سکتی ہے نہ ان پر کسی قسم کی جرح کسی مجتہد نے کی ثانیاً اگر مجتہد صاحب کا یہ ارشاد قابل قبول ہو اور خصم کے سامنے اپنی روایات سے گلو خلاصی کا یہ طریقہ مقبول ہو تو پھر شیعہ مجتہدوں نے مطاعن خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں کیوں دفتر کے دفتر اپنے اعمال نامہ کی طرح سیاہ کئے ہیں وہ یہ کیوں نہ سمجھے کہ یہ روایتیں اہل سنت کے یہاں پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہوتیں اور درحقیقت خلفائے ثلثہ کی ذات میں یہ معائب ہوتے تو اہل سنت دوسرے بادشاہان بنی امیہ و بنی عباس وغیرہم کی طرح ان کو بھی برا کیوں نہ جانتے۔ ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگران مپسند۔ مگر اہل سنت بفضلہ تعالیٰ اس قسم کے کمزور جوابات سے پرہیز

کرتے ہیں اور بحمد اللہ اُن کو اس کی حاجت بھی نہیں۔

الملختصر مسئلہ امامت نے جو گت حضرت عبداللہ بن عباس کی بنائی اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اب آگے کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

واقعۂ دوم

امام حسین کی شہادت کے بعد جب زمانہ امام زین العابدین کی امامت کا آیا تو حضرت علی کے صاحبزادے امام زین العابدین کے چچا حضرت محمد بن حنفیہ نے خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور اپنے بھتیجے کی امامت تسلیم نہ کی اور بھتیجے سے فرمایا کہ بہ نسبت تمہارے میں زیادہ مستحق ہوں تم ابھی کمسن ہو میں تمہارا چچا ہوں مگر امام زین العابدین نے ایک نہ مانی اور اپنے چچا سے کہا کہ دیکھو میری امامت میں نزاع نہ کرو ورنہ تمہاری عمر کم ہو جائے گی غرض کہ چچا بھتیجے میں خوب چلی بالآخر امام زین العابدین نے بزور اعجاز حجر اسود سے اپنی امامت کی گواہی دلوا کر چچا صاحب کو شکست دی۔

یہ قصہ بھی شیعوں کی معتبر و مستند کتابوں میں موجود ہے اصول کافی ص اور احتجاج طبرسی ص ۱۶۲ میں یہ روایت ہے جس کو ہم احتجاج سے نقل کرتے ہیں۔

رُوِیَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ الْبَاقِرِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا قُتِلَ الْحُسَیْنُ ابْنُ عَلِیٍّ اَرْسَلَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِیَّۃِ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ فَخَلَا بِہٖ ثُمَّ قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ جَعَلَ الْوَصِیَّۃَ وَالْاِمَامَۃَ مِنْ بَعْدِہٖ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ثُمَّ اِلَی الْحَسَنِ ثُمَّ اِلَی الْحُسَیْنِ وَقَدْ قُتِلَ

ابو جعفر یعنی امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حسین بن علی شہید ہو گئے تو محمد بن حنفیہ نے امام زین العابدین کو بلوا بھیجا اور ان سے تنہائی میں ملاقات کی پھر اُن سے کہا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے تم جانتے ہو کہ رسول خدا نے وصیت و امامت اپنے بعد علی بن ابی طالب کے لئے مقرر کی تھی پھر علی کے بعد حسن کے لئے پھر حسین کے لئے اور تمہارے والد حسین

أَبُوكَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَصَلَّى
عَلَيْهِ وَلَمْ يُوصِ وَأَنَا عَمُّكَ وَ
صِنْوُ أَبِيكَ وَوِلَادَتِي مِنْ عَلِيٍّ
فِي سِنِّي وَقَدَامَتِي أَنَا أَحَقُّ
بِهَا مِنْكَ فِي حَدَاثَتِكَ فَلَا
تُنَازِعْنِي الْوَصِيَّةَ وَالْإِمَامَةَ
وَلَا تُخَالِفْنِي فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ
ابْنُ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ
اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَدَّعِ مَا لَيْسَ
لَكَ بِحَقٍّ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ
مِنَ الْجَاهِلِينَ. يَا عَمِّ إِنَّ
أَبِي صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَوْصَى
إِلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَتَوَجَّهَ إِلَى الْعِرَاقِ
وَعَهِدَ إِلَيَّ فِي ذَالِكَ قَبْلَ أَنْ
يُسْتَشْهَدَ بِسَاعَةٍ وَهٰذَا
سِلَاحُ رَسُولِ اللّٰهِ عِنْدِي
فَلَا تَعَرَّضْ لِهٰذَا فَإِنِّي
أَخَافُ عَلَيْكَ بِنَقْصِ الْعُمُرِ وَ
تَشَتُّتِ الْحَالِ وَإِنَّ اللّٰهَ
تَبَارَكَ وَتَعَالَى آلَى أَنْ لَا يَجْعَلَ
الْوَصِيَّةَ وَالْإِمَامَةَ إِلَّا
فِي عَقِبِ الْحُسَيْنِ.

شہید ہو گئے اللہ ان سے راضی ہوا اور
ان پر اپنی رحمت نازل کرے اور انہوں
نے کسی کو اپنا وصی نہیں بنایا، اور میں تمہارا
چچا ہوں اور تمہارے باپ کے برابر ہوں
اور میری پیدائش علی سے ہے اور میرا سن
بھی تم سے زائد ہے میں امامت کا بہ
نسبت تمہارے زیادہ حق دار ہوں تم
ابھی تو عمر بھی ہو لہٰذا وصیت و امامت
کے متعلق مجھ سے نزاع نہ کرو اور میری مخالفت
نہ کرو تو ان سے علی بن حسین زین العابدین،
علیہ السلام نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اس
چیز کا دعویٰ مت کرو جس کا تم کو حق نہیں
ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں
میں سے مت ہو اے میرے چچا بہ تحقیق میرے
باپ نے اللہ کی رحمتیں اُن پر ہوں مجھے
وصی بنا دیا تھا قبل اس کے کہ عراق کی
طرف جائیں اور شہید ہونے سے کچھ پہلے
مجھے احکام بھی دے دیئے تھے، اور یہ ہتھیار
ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے میرے
پاس لہٰذا اے چچا، تم اس معاملہ کو نہ چھیڑو
ورنہ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تمہاری عمر
کم ہو جائے گی اور تم پریشان حال ہو جاؤ
گے بہ تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے قسم کھالی

فَاِنْ اَرَدْتَ اَنْ تَعْلَمَ فَانْطَلِقْ
بِنَا اِلَى الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ حَتّٰى
نَتَحَاكَمَ اِلَيْهِ وَنَسْأَلَهُ عَنْ
ذَالِكَ قَالَ الْبَاقِرُ عَلَيْهِ السَّلَامِ
وَكَانَ الْكَلَامُ بَيْنَهُمَا وَهُمَا
يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ فَانْطَلَقَا حَتّٰى
اَتَيَا الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ فَقَالَ
عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ لِمُحَمَّدٍ
اِبْتَدِئْ فَابْتَهِلْ اِلَى اللّٰهِ وَ
اسْأَلْهُ اَنْ يُنْطِقَ لَكَ ثُمَّ سَلْهُ
فَابْتَهَلَ مُحَمَّدٌ فِي الدُّعَاءِ
وَسَأَلَ اللّٰهَ ثُمَّ دَعَا الْحَجَرَ
فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عَلِيُّ ابْنُ
الْحُسَيْنِ اَمَا اِنَّكَ يَا عَمِّ لَوْ
كُنْتَ وَصِيًّا وَاِمَامًا لَاَجَابَكَ
فَقَالَ لَهُ مُحَمَّدٌ فَادْعُ اَنْتَ يَا
ابْنَ اَخِيْ فَدَعَا اللّٰهَ عَلِيُّ بْنُ
الْحُسَيْنِ بِمَا اَرَادَ ثُمَّ قَالَ
اَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ جَعَلَ فِيْكَ
مِيْثَاقَ الْاَنْبِيَاءِ وَمِيْثَاقَ
الْاَوْصِيَاءِ وَمِيْثَاقَ النَّاسِ

ہے کہ وصیت و امامت سوا اولاد حسین کے
اور کسی کو نہ دے گا۔

پھر اگر تم اس بات کو جاننا چاہتے ہو تو
ہمارے ساتھ حجر اسود کے پاس چلو ہم دونوں
اس کو حکم بنائیں اور اس سے اس معاملہ کو
پوچھیں۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے تھے کہ یہ
گفتگو ان دونوں کے درمیان میں جب ہوئی
تو وہ دونوں مکہ میں تھے پس وہ دونوں حجر اسود
کے پاس گئے تو زین العابدین نے محمد سے
کہا کہ تم ابتدا کرو اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ
اور یہ درخواست کرو کہ تمہارے لئے حجر اسود
کو گویائی عطا فرمائے پھر حجر اسود سے (اس
معاملے کو) پوچھو چنانچہ محمد بن حنفیہ نے دعا
میں بہت گریہ وزاری کی اور اللہ سے
درخواست کی پھر حجر اسود کو پکارا لیکن حجر اسود
نے جواب نہ دیا تو امام زین العابدین نے
فرمایا کہ اے چچا اگر تم وصی اور امام ہوتے
تو حجر اسود ضرور تم کو جواب دیتا پھر محمد بن
حنفیہ نے کہا کہ اچھا اے بھتیجے تم تو اللہ سے
دعا کرو، چنانچہ امام زین العابدین نے اللہ
سے جو ان کی مراد تھی دعا مانگی پھر فرمایا کہ
اے حجر اسود تجھ سے پوچھتا ہوں اس ذات
کا واسطہ دے کر جس نے تیرے اندر نبیوں

أَجْمَعِيْنَ لَمَّا أَخْبَرْتَنَا بِلِسَانٍ
عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ مَنِ الْوَصِيُّ وَ
الْإِمَامُ بَعْدَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ
فَتَحَرَّكَ الْحَجَرُ حَتّٰى كَادَ أَنْ
يَزُوْلَ عَنْ مَوْضِعِهٖ ثُمَّ أَنْطَقَهُ
اللّٰهُ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ
فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْوَصِيَّةَ وَ
الْإِمَامَةَ بَعْدَ الْحُسَيْنِ بْنِ
عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ إِلٰى عَلِيِّ بْنِ
الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ
وَابْنِ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ
اللّٰهِ فَانْصَرَفَ مُحَمَّدٌ وَّ
هُوَ يَتَوَلّٰى عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ۔

کا عہد و پیمان اور وصیوں کا عہد و پیمان
اور تمام لوگوں کا عہد و پیمان رکھا ہے کہ
تو ہم کو صاف عربی زبان میں بتا دے کہ
حسین بن علی کے بعد وصی اور امام کون ہے
پس حجر اسود نے جنبش کی یہاں تک کہ
قریب تھا کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے،
پھر اس کو اللہ نے صاف عربی زبان میں گویائی
عطا فرمائی اور اس نے کہا کہ بار خدایا بتحقیق
وصیت اور امامت حسین ابن علی بن ابیطالب
کے بعد علی کے لئے ہے جو بیٹے ہیں حسین بن
علی بن ابی طالب کے اور بیٹے ہیں فاطمہ
بنت رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پس
محمد بن حنفیہ لوٹ گئے، اس حال میں کہ وہ
امام زین العابدین سے محبت کرتے تھے۔

ف اس روایت میں جو چیز حیرت انگیز ہے وہ یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ مسئلہ امامت سے بے خبر نہ تھے، اصول کافی کی روایت اسی نماس کے نمبر اول میں نقل کی جا چکی ہے جس میں یہ ہوتا مضمون ہے کہ مسئلہ امامت بطور راز کے اللہ نے جبریل سے بیان کیا اور جبریل نے بطور راز کے رسول سے بیان کیا اور رسول نے بطور راز کے حضرت علی سے بیان کیا، اور حضرت علی نے جس سے چاہا یعنی جس کو اہل دیکھا اس سے بطور راز کے بیان کیا۔ اس روایت زیر بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ بھی حضرت علی کے نزدیک اہل تھے لہٰذا حضرت علی نے اس مسئلہ سے ان کو باخبر کر دیا تھا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ صرف امام حسین تک کے اماموں سے واقف تھے آگے ہونے والے آئمہ کی ان کو خبر نہ تھی۔ نیز اس سے بھی ناواقف تھے کہ خدا قسم کھا چکا ہے کہ امام حسین کی اولاد کے سوا کسی

کو امامت نہ دے گا، ورنہ وہ اپنے لئے امامت کا دعویٰ ان غلط دلائل کی بنا پر کرتے کہ میں علی کا بیٹا ہوں کبیر السن اور تجربہ کار ہوں اور نہ امام زین العابدین کی امامت سے انکار کرتے۔

یا یہ بات ہو کہ محمد بن حنفیہ جانتے سب کچھ تھے مگر جس طرح امام حسن کی اولاد حاسد تھی، اور حسد کی وجہ سے امام حسین کی اولاد سے بغض و عناد رکھتی تھی آئمہ کی امامت کا انکار کرتی تھی اسی طرح محمد بن حنفیہ حسد کی وجہ سے بغاوت پر کمربستہ ہو گئے تھے۔

دوسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام زین العابدین نے اپنے والد کی وصیت کے رو سے اپنے کو امام قرار دیا یہ کیوں نہ کہا کہ خدا کی طرف سے بارہ اماموں کا تقرر ہو چکا ہے، رسول کے سامنے ہی یہ مسئلہ طے ہو چکا تھا بارہ اماموں کے نام سربمہر لفافے خدا کی طرف سے جبریل نے لا کر رسول کو دیئے تھے، اور رسول نے حضرت علی کے حوالے کئے تھے اُن لفافوں میں میرے نام کا بھی ایک لفافہ ہے۔

بہر حال اس روایت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ کے لخت جگر محمد بن حنفیہ امام چہارم کی امامت کے منکر تھے اور اپنی امامت کے مدعی تھے اور کتب شیعہ میں یہ بات مسلم طور پر مذکور ہے کہ جو شخص امامت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے خواہ علوی یا فاطمی ہی کیوں نہ ہو لہٰذا محمد بن حنفیہ کا کفر تو قابل انکار نہ رہا اب اس کفر کے بعد اُن کا تائب ہونا صراحۃً کہیں منقول نہیں۔ اس روایت کے آخری لفظ سے استنباط کر لینا قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

اے خدا مسئلہ امامت نے کیسے کیسے مقدس حضرات کی کس کس طرح توہین و تذلیل کی ہے اے مالک روز جزا اس کا انصاف تیرے ہی ہاتھ میں ہے و انت احکم الحاکمین

ایک لطیفہ اس مقام پر یہ بھی ہے کہ امام زین العابدین نے اپنی امامت نہ آیت قرآنی سے ثابت کی نہ حدیث نبوی سے بلکہ امامت کا فیصلہ اینٹ[1] پتھر سے کرا یا اور تعجب ہے کہ محمد بن حنفیہ

---

[1] یہ جواب ہے شیعوں کے رسالہ اصلاح کے اس مضمون کا جس میں اُس نے اہل سنت کی وہ روایت نقل کی ہے کہ مسجد نبوی کی بنیاد میں جب تینوں خلفاء بحکم نبوی پتھر رکھ چکے تو بارگاہ نبوت سے ارشاد ہوا کہ ھولاء الخلفاء من بعدی اس روایت کو لکھ کر اصلاح والا لکھتا ہے کہ خلافت کا فیصلہ اینٹ پتھر سے کیا گیا ۱۲

نے اس فیصلہ کو کیوں مان لیا جس پر نہ کسی آیت قرآنی کی شہادت تھی نہ کسی حدیث نبوی کی۔

آج جو شیعہ آیات قرآنیہ یا احادیث نبویہ سے مسئلہ امامت کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش کا خلاف مذہب شیعہ ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔

واقعہ سوم

امام زین العابدین کے بعد جب امام باقر کا عہد امامت شروع ہوا تو ان کے بھائی حضرت زید شہید نے اُن کی امامت سے انکار کر کے خود اپنی امامت کا دعویٰ کیا، اور صرف بھائی ہی کی امامت کا انکار نہیں بلکہ اپنے بھتیجے جعفر صادق کی امامت سے بھی ان کو انکار رہا۔ شیعہ مصنفوں نے حضرت زید شہید کا قصہ خوب رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ص۱۰۲ میں ایک بڑے مخلص شیعہ اور صحابی امام عینی جناب احول صاحب کی اور زید شہید کی گفتگو اس طرح منقول ہے۔

عَنْ اَبَانَ قَالَ اَخْبَرَنِی الْاَحْوَلُ اَنَّ زَیْدَ بْنَ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ بَعَثَ اِلَیْہِ وَ ھُوَ مُسْتَخْفٍ قَالَ فَاَتَیْتُہٗ فَقَالَ لِیْ یَا اَبَا جَعْفَرٍ مَا تَقُوْلُ اِنْ طَرَقَکَ طَارِقٌ مِنَّا اَتَخْرُجُ مَعَہٗ قَالَ فَقُلْتُ اِنْ کَانَ اَبَاکَ اَوْ اَخَاکَ خَرَجْتُ مَعَہٗ قَالَ فَقَالَ لِیْ فَاَنَا اُرِیْدُ اَنْ اَخْرُجَ وَ اُجَاھِدُ ھٰؤُلَآءِ الْقَوْمَ فَاخْرُجْ مَعِیَ قَالَ قُلْتُ لَا مَا اَفْعَلُ قَالَ وَ اَتَرْغَبُ بِنَفْسِکَ

ابان سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے احول نے بیان کیا کہ زید فرزند امام زین العابدین نے مجھے بلا بھیجا ایسے وقت میں کہ وہ بادشاہ وقت کے خوف سے روپوش تھے، چنانچہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے احول تم کیا کہتے ہو اگر کوئی آدمی ہم میں سے تمہارے پاس جائے تو کیا تم اُس کے ساتھ بادشاہ وقت سے لڑنے کیلئے نکلو گے تو میں نے کہا کہ اگر آپ کے والد یا آپ کے بھائی ہوتے تو میں ان کے ساتھ نکلتا زید نے کہا اچھا اب میں صاف کہتا ہوں ہیں خود خروج کا اور اس قوم سے

عَنِّیْ فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّمَا هِیَ نَفْسٌ وَّاحِدَةٌ فَاِنْ كَانَ لِلّٰهِ فِی الْاَرْضِ حُجَّةٌ فَالْمُتَخَلِّفُ عَنْكَ نَاجٍ وَّالْخَارِجُ مَعَكَ هَالِكٌ وَاِنْ لَّا يَكُنْ لِلّٰهِ حُجَّةٌ فِی الْاَرْضِ فَالْمُتَخَلِّفُ عَنْكَ وَالْخَارِجُ مَعَكَ سَوَآءٌ۔

جہاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میرے ساتھ نکلو، احول صاحب فرماتے ہیں میں نے کہا نہیں میں ایسا نہ کروں گا۔ زید نے مجھ سے کہا کہ کیا تم جان کو مجھ سے عزیز رکھتے ہو، میں نے ان سے کہا کہ میری جان تو ایک جان ہے داس کا عزیز رکھنا ہی کیا، مگر بات یہ ہے کہ اگر زمین میں اللہ کی کوئی حجت موجود ہے تو پھر جو تمہارے ساتھ نہ جائے وہ نجات پائے گا اور تمہارے ساتھ جانے والا ہلاک ہوگا۔ اور اگر اللہ کی کوئی حجت زمین میں نہیں تو پھر تمہارے ساتھ جانیوالا اور نہ جانیوالا دونوں یکساں ہیں۔

حضرت زید شہید نے میاں احول صاحب کو یہ سمجھ کر بلایا ہوگا کہ یہ میرے والد ماجد کا مخلص فدائی ہے ایسے نازک وقت میں ضرور میرا ساتھ دے گا مگر احول صاحب کی بے وفائی اور غداری کی تقریر سن کر خدا جانے کیسی دل شکستگی ان کو ہوئی ہوگی خیر یہ تو جو ہونا تھا، وہ ہوا مگر احول صاحب کی تقریر دلپذیر سن کر ان کے حیرت کی کوئی حد نہ رہی کیونکہ ان بیچارے کے کان اس سے بالکل نا آشنا تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کوئی بھی اللہ کی حجت ہے وہ قرآن مجید میں یہ آیت پڑھ چکے ہوں گے، لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ حضرت زید جانتے تھے کہ نبوت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ختم ہوگئی اور انہیں کی ذات کامل الصفات قیامت تک کے لئے حجت ہے۔ اور بس چنانچہ حضرت زید نے اپنی حیرت کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا۔

قَالَ فَقَالَ لِیْ يَا اَبَا جَعْفَرٍ كُنْتُ اَجْلِسُ مَعَ اَبِیْ عَلَى الْخِوَانِ

احول کہتے ہیں پھر مجھ سے زید نے کہا اے احول میں اپنے والد کے ساتھ دسترخوان

فَيُلْقِمُنِي الْمُضْغَةَ السَّمِينَةَ وَيُبَرِّدُ لِيَ اللُّقْمَةَ الْحَارَّةَ حَتّٰى تَبْرُدَ شَفَقَةً عَلَيَّ وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَيَّ مِنْ حَرِّ النَّارِ إِذَا أَخْبَرَكَ بِالدِّيْنِ وَلَمْ يُخْبِرْنِي بِهٖ،

پر بیٹھتا تھا تو وہ مجھے چکنی بوٹی کھلاتے تھے، اور میرے لئے گرم لقمے کو ٹھنڈا کرتے تھے تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے یہ شفقت ان کو مجھ پر تھی، مگر انہوں نے دوزخ کی آگ کا خوف میرے لئے نہ کیا کہ دین سے تجھ کو باخبر کیا اور مجھے خبر نہ دی۔

حضرت زید کے اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ اے احول میرے والد مجھ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ گرم لقمہ مجھے ٹھنڈا کر کے کھلاتے تھے، مگر تعجب ہے کہ دُنیا کی آگ سے تو انہوں نے مجھے بچایا لیکن دوزخ کی آگ سے بچانے کی کچھ فکر نہ کی دین سے مجھے بے خبر رکھا، یعنی مسئلہ امامت کی تجھے تعلیم دی، اور مجھ سے چھپایا، یہ ایک لاجواب بات تھی، اگر بجائے احول صاحب کے کوئی دوسرا ہوتا تو شرمندگی سے اس کا رنگ فق ہو جاتا اور سر جھکا لیتا مگر مذہب شیعہ کے مصنفین ایسے کچے نہ تھے سچ ہے عیب کردن راہنر باید دیکھئے احول صاحب فوراً کیسا چلتا ہوا فقرہ جواب میں فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ لَهٗ جُعِلْتُ فِدَاكَ مِنْ شَفَقَتِهٖ عَلَيْكَ مِنْ حَرِّ النَّارِ لَمْ يُخْبِرْكَ خَافَ عَلَيْكَ إِلَّا تَقْبَلُهٗ تَدْخُلِ النَّارَ وَأَخْبَرَنِي فَإِنْ قَبِلْتُ نَجَوْتُ وَإِنْ لَمْ أَقْبَلْ لَمْ يُبَالِ أَنْ أَدْخُلَ النَّارَ۔

میں نے زید سے کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے انہوں نے آپ کو اس مسئلہ کی خبر نہ دی ان کو اندیشہ ہوا کہ اگر آپ قبول نہ کریں گے تو دوزخ میں جائیں گے اور مجھے اس مسئلہ کی خبر دی کہ اگر قبول کر لوں تو نجات پاؤں اور نہ قبول کروں تو میرے دوزخ میں جانے کی ان کو کچھ پرواہ نہ تھی۔

جناب احول صاحب کے اس جواب سے ایک نفیس بات یہ معلوم ہوئی کہ آئمہ معصومین علیہم السلام جس سے محبت رکھتے تھے اس کو مسئلہ امامت کی تعلیم نہ دیتے تھے کہ کہیں وہ انکار کرنے

دوزخی نہ ہو جائے۔ اور جس سے ان کو محبت نہ ہوتی تھی اور اس کے دوزخی ہو جانے کی پرواہ نہ ہوتی تھی اسی کو مسئلہ امامت کی تعلیم دیتے تھے۔

اس سے نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل سنت کے راوی جن سے آئمہ نے اس مسئلہ کو چھپایا یا وہ آئمہ کے محبوب تھے اور آئمہ اُن کا دوزخ میں جانا نہ چاہتے تھے اور شیعہ راوی جن کو تنہائی میں کوٹھری کے اندر یہ مسئلہ ائمہ نے تعلیم دیا وہ آئمہ کے محبوب نہ تھے ان کے دوزخی ہو جانے کی ائمہ کو کچھ پرواہ نہ تھی۔

دوسری لطیف بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ امام نے جس کو مسئلہ امامت کی تعلیم نہ دی ہو وہ مسئلہ امامت کا منکر ہو جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور نہ مسئلہ امامت سے بے خبر رہنا اس کے دین میں کچھ نقص پیدا کرتا ہے۔ الحمدللہ کہ اہل سنت کے مسئلہ امامت سے منکر ہونے کی بڑی عمدہ وجہ یہ بھی ہے کہ ائمہ نے ان کو اس مسئلہ کی تعلیم نہیں دی بلکہ جب کبھی اس مسئلہ کو کسی نے ائمہ کی طرف منسوب کیا تو اہل سنت کے سامنے اس نسبت کرنے والے کو کذاب و ملعون فرمایا۔

اب اس روایت کا آگے کا حصہ سُنیئے جناب احول صاحب نے اپنی اور زید کی گفتگو امام جعفر صادق سے جا کر بیان کی تو امام صاحب بہت خوش ہوئے اور اپنے چچا زید کے لاجواب ہو جانے پر بہت اظہار مسرت کیا۔ چنانچہ روایت مذکورہ کا آخری حصہ یہ ہے کہ۔

فَحَجَجْتُ فَحَدَّثْتُ اَبَاعَبْدِ اللهِ بِمَقَالَةِ زَيْدٍ وَمَا قُلْتُ لَهٗ فَقَالَ لِیْ اَخَذْتَهٗ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِ رَاْسِهٖ وَمِنْ تَحْتِ قَدَمَيْهِ وَلَمْ تَتْرُكْ لَهٗ مَسْلَكًا يَسْلُكُهٗ۔

احول صاحب فرماتے ہیں کہ میں حج کرنے گیا تو میں نے امام جعفر صادق سے زید کی گفتگو اور جو کچھ میں نے ان کو جواب دیا سب بیان کیا تو امام نے مجھ سے کہا کہ تم نے زید کو آگے سے لیا اور پیچھے سے بھی اور داہنے سے بھی اور بائیں سے بھی اور سر کے اوپر سے بھی اور پاؤں کے نیچے سے بھی اور تم نے ان کے لئے کوئی رستہ بھاگنے کا باقی نہ رکھا۔

یہ ہیں برکات مسئلہ امامت کے کہ چچا بھتیجے میں اس قدر رنجش ہے کہ بھتیجا چچا کی تذلیل پر خوش ہو رہا ہے اور ذلیل کرنے والے کو شاباشی دے رہا ہے۔

یہ گفتگو بھی سننے کے لائق ہے جو امام باقر اور زید شہید کے درمیان میں شیعہ راویوں نے تصنیف فرمائی ہے۔

اصول کافی ص۲۲۴ میں ایک لمبی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زید شہید اہل کوفہ کے خطوط لے کر اپنے بھائی امام باقر کے پاس گئے ان خطوط میں لڑائی کی ترغیب دی گئی تھی، اور رفاقت کا وعدہ تھا امام باقر نے پوچھا کہ یہ خطوط ان لوگوں نے تمہارے کس خطوط کے جواب میں بھیجے ہیں یا ابتداءً لکھے ہیں۔ زید شہید نے کہا کہ ابتداءً لکھے ہیں کیونکہ وہ قرابت رسول کے حقوق سے باخبر ہیں اور ہم لوگوں کی اطاعت و محبت کو ضروری سمجھتے ہیں اس پر امام باقر نے فرمایا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ محبت تو ہم سب کی ضروری ہے مگر اطاعت ہم میں سے صرف ایک کی لازم ہے مطلب یہ تھا کہ اطاعت صرف میری واجب ہے۔ امام باقر نے یہ بھی فرمایا کہ امام حسین کے بعد سے تا مہدی آخر الزماں ہر امام کو حکم ہے کہ صبر کرے اور تقیہ سے کام لے اس کا جو جواب حضرت زید شہید نے دیا وہ اس قدر مدلل تھا کہ پھر اس کا جواب نہ ہو سکا روایت مذکورہ کا آخری حصہ صفحہ مذکور میں یہ ہے۔

فَغَضِبَ زَيْدٌ عِنْدَ ذَالِكَ ثُمَّ قَالَ لَيْسَ الْإِمَامُ مِنَّا مَنْ جَلَسَ فِي بَيْتِهِ وَأَرْخَى سِتْرَهُ وَتَبَطَ عَنِ الْجِهَادِ وَلٰكِنَّ الْإِمَامَ مَنْ مَنَعَ حَوْزَتَهُ وَجَاهَدَ حَقَّ جِهَادِهِ وَدَفَعَ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَذَبَّ عَنْ حَرِيْمِهِ۔	پھر زید شہید اس وقت غصے میں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم سے امام وہ شخص نہیں ہو سکتا جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور پردہ ڈال لے اور جہاد سے کنارہ کشی کرے بلکہ امام وہ ہے جو اپنے حلقے کی حفاظت کرے اور جہاد کرے جیسا کہ حق ہے جہاد کرنے کا اور اپنی رعیت سے دشمن کے شر کو دفع کرے اور اپنے حریم سے دبیگانوں کو ہٹائے۔

اس کے جواب میں امام باقر نے فرمایا کہ۔

هَلْ تَعْرِفُ يَا أَخِيْ مِنْ نَفْسِكَ شَيْئًا مِمَّا نَسَبْتَهَا إِلَيْهِ فَتَجِيْئُ عَلَيْهِ بِشَاهِدٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ أَوْ حُجَّةٍ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ۔

اے میرے بھائی تم نے جس چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیا اپنے نفس میں اس کی کوئی علامت پاتے ہو کیا تم اس پر شہادت کتاب اللہ سے یا کوئی دلیل رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے لا سکتے ہو۔

امام باقر نے زید شہید سے فرمایا کہ تم اپنی امامت قرآن و حدیث سے ثابت کرو۔

اول تو اگر حضرت زید یہی مطالبہ امام باقر سے کرتے تو اس وقت کیا ہوتا۔ کیا امام باقر اپنی امامت قرآن و حدیث سے ثابت کر سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ حضرت زید کی تائید میں بلاشبہ آیات قرآنیہ بھی ہیں اور احادیث نبویہ بھی خاص کر حضرت علی کے اقوال جو کتب شیعہ میں موجود ہیں (دیکھو ہماری تفسیر آیات خلافت اور رسالہ الہوالائمہ کی تعلیم)

اس روایت کے آخر میں حضرت امام باقر کی زبان سے ایک جملہ ایسا منقول ہے جو صاف بتا رہا ہے کہ امام ممدوح حضرت زید شہید کے مقابلہ میں دلیل پیش کرنے سے عاجز آگئے تھے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ "اے بھائی تم ابوبکر و عمر کی سنت کو زندہ کرنا چاہتے ہو"۔

علمائے شیعہ زید شہید کے معاملہ میں کچھ متردد نظر آتے ہیں اُن کے بعض علما نے یہاں تک لکھ دیا کہ زید نے دعویٰ امامت کا نہیں کیا تھا اگر لڑائی میں ان کو فتح ملتی تو سارا ملک اپنے بھتیجے جعفر صادق کے حوالہ کر دیتے مگر یہ تاویل خود ان کی روایات کے خلاف ہونے کے علاوہ ایک طرح کی غیب دانی پر مبنی ہے۔

واقعہ چہارم

امام جعفر صادق کے بعد بھی مسئلہ امامت کی وجہ سے بھائیوں بھائیوں میں سخت نزاع ہوئی امام جعفر صادق کے پانچ فرزند تھے۔ محمدؒ، اسمٰعیلؒ، عبداللہؒ، موسیٰؒ، علیؒ۔ ان پانچوں نے اپنی اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور شیعوں میں علیحدہ علیحدہ فرقے کسی امامت کے قائل ہو گئے

اثنا عشری ان میں سے موسیٰ کو امام مانتے ہیں اور باقی مدعیانِ امامت کو کاذب اور ناری قرار دیتے ہیں۔

ان پانچوں میں سے اسمٰعیل کی امامت کا امام جعفر صادق نے اعلان بھی کیا تھا مگر پھر اس میں خدا کو بدا ہو گیا اور بیچارے اسمٰعیل کی امامت کی تجویز حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئی اس بدا کا قصہ الثالث من المائتین میں مفصل موجود ہے۔

واقعۂ پنجم

حضرت امام حسن کے پوتے اور حضرت امام حسین کے نواسے حضرت عبداللہ محض[1] حسن کی والدہ فاطمہ بنت حسین تھیں اور بڑے متقی اور زاہد اور بڑے عالم دین تھے۔ اس مسئلہ امامت کی بدولت ان سے اور امام جعفر صادق سے خوب چلی یہ اپنے بیٹے محمد کو جو بوجہ اپنے تقدس کے نفس زکیہ کے لقب سے ملقب تھے امام بنانا چاہتے تھے۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ خود اپنی امامت قائم کرنا چاہتے تھے۔

حضرت عبداللہ محض نے بار بار امام جعفر صادق سے جا کر کہا کہ تم میرے بیٹے کی بیعت کر لو مگر امام جعفر صادق نے نہ مانا آخر حضرت عبداللہ کو غصہ آگیا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ امام حسن نے امامت اپنی اولاد کو نہ دی بلکہ اپنے بھائی حسین کو دی تو حسین کو کیا حق تھا کہ وہ امامت کو اپنی اولاد کی طرف منتقل کریں۔ یہ پورا قصہ اصول کافی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ میں منقول ہے حضرت عبداللہ محض کے ساتھ امام حسن کی تمام اولاد متفق تھی۔ اور دوسری طرف امام جعفر صادق اکیلے تھے، حضرت امام حسین کی اولاد بھی سب ان کے ساتھ نہ تھی حتیٰ کہ ان کے بھائی اور چچا بھی اُن کے خلاف تھے۔

ایک قابل عبرت بات اس موقع پر یہ بھی بیان کر دینے کی ہے کہ شیعہ محبِ اہل بیت ہونیکا دعویٰ تو بہت کرتے ہیں لیکن موقع پر جیسی وفاداری ان سے ظہور میں آتی رہی سب جانتے

---

[1] ان کے نام کے ساتھ محض کی لفظ اس لئے ہے کہ یہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے خالص تھے یعنی دونوں طرف سے جناب سیدہ فاطمہ زہرا کی اولاد میں تھے۔

ہیں، ابھی احول صاحب کی اور زید شہید کی گفتگو اوپر نقل ہو چکی لیکن اہل سنت وجماعت نے ہمیشہ ایسے مواقع میں وفاداری اور جاں نثاری کا جو منظر پیش کیا ہے وہ صفحات تاریخ میں قیامت تک چمکتا رہے گا چنانچہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک یہ دونوں جلیل القدر امام حضرت محمد ملقب بہ نفس زکیہ کے ساتھ تھے اور اس ساتھ دینے پر دونوں جلیل القدر اماموں نے بہت ایذائیں اٹھائیں علامہ خلیل قزوینی صافی شرح کافی کی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں

پس ظاہر شد محمد بن عبداللہ و مجمع شدند مردم برائے او و اختلاف نہ کردہ برو ہیچ یک از قریش کہ مدنی بودونہ ہیچ یک از اہل مدینہ. و مثل ابو حنیفہ کہ بہ سبب ایں در زندان منصور دوانیقی مرد و مثل مالک بن انس کہ بسبب ایں عیسیٰ بن موسیٰ اورا زد۔

پھر عبداللہ محض کے بیٹے محمد ظاہر ہوئے اور لوگ ان کے لئے جمع ہوئے اور ان کی امامت میں کسی قریشی نے جو مدینے کا رہنے والا تھا نیز مدینہ کے کسی رہنے والے نے اختلاف نہیں کیا، اور ابو حنیفہ جیسے شخص انہیں کے سبب منصور دوانیقی (خلیفہ وقت) کے قید خانہ میں مر گئے اور مالک بن انس جیسے شخص کو انہیں کے سبب سے عیسیٰ بن موسیٰ نے مارا پیٹا۔

یہ پانچ واقعات بعد پنجتن پاک جو یہاں بیان کئے گئے نمونے کے لئے کافی ہیں اگر ذرا تفصیل یا استیعاب سے کام لیا جائے تو ایک بڑا دفتر تیار ہو جائے اور ایک مستقل کتاب تاریخ کی بن جائے مگر دل چاہتا ہے کہ کچھ واقعات اور بھی بیان کر دیئے جائیں مفصل نہ سہی مختصر ہی طور پر سنئے۔

از انجملہ حضرت امام حسن کے بیٹے حضرت زید ہیں، علامہ مجلسی تذکرۃ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ ان کو میراث کے معاملہ میں حضرت امام باقر سے عداوت ہو گئی اور انہوں نے امام باقر پر جا تو اٹھایا اور آخر خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس ملک شام چلے گئے اور اس کو امام کے قتل پر آمادہ کیا اور زہر دلوا دیا۔

از انجملہ حضرت عبداللہ افطح ہیں جو خاص حضرت امام جعفر صادق کے فرزند تھے علامہ مجلسی تذکرۃ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے مخالف تھے اور آخر میں انہوں نے

اپنی امامت کا دعویٰ کیا تھا شیعوں میں ایک فرقہ قطعیہ ہے وہ انھیں کی امامت کا قائل ہے۔

ازانجملہ علی بن اسمٰعیل اور محمد بن اسمٰعیل ہیں یہ دونوں حضرت امام جعفر صادق کے پوتے تھے علامہ مجلسی نے تذکرۃ الائمہ میں اور علامہ ابوالنصر نے عمدۃ الطالب میں لکھا ہے کہ انہوں نے خلیفہ ہارون رشید سے امام موسیٰ کاظم کی چغلی کھائی کہ وہ آپ کی خلافت چھین لینے کی فکر میں ہیں، اور ہتھیار اور روپیہ جمع کر رہے ہیں چنانچہ امام ممدوح اسی بنا پر زہر ہلاہل سے قتل کر دیئے گئے۔ ازانجملہ جعفر بن علی ہادی ہیں۔ حق الیقین میں ہے کہ وہ خود اپنی امامت کے مدعی ہوئے اور نیز یہ میں ہے کہ انہوں نے امام غائب کے سفیروں کی شکایت خلیفۂ وقت سے کی۔ اسی شکایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سفارت کا سلسلہ ہی بند ہو گیا اور غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔

اب ذرا ایک بات یہ بھی قابل غور اور بڑی نتیجہ خیز ہے کہ یہ سب سادات حسنی اور حسینی امام زادہ ہیں اور ائمہ معصومین سے عداوت رکھتے تھے اور کتب معتبرۂ شیعہ میں ہے کہ جو شخص ائمہ سے دوستی نہ رکھے وہ یا تو مابون ہوگا یا ولد الحرام ہوگا یا ولد الحیض ہوگا۔ لہٰذا اب بتایئے کہ ان سادات کی نسبت کیا خیال کیا جائے۔ اور سب کو جانے دیجئے حضرت عبداللہ افطح کو لیجئے جو خاص امام جعفر صادق کے بیٹے ہیں معاذاللہ ان کو ولد الحرام کہا جائے تو حرام کا کون ٹھہرتا ہے، حضرت مولانا حیدر علی صاحبؒ کو اس موقع پر کچھ غصہ آ گیا ہے، اور آنا بھی چاہیئے کہ کس قدر توہین و تذلیل اولاد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی ان حضرات نے کی چنانچہ اسی غصہ میں منتہی الکلام مسلک دوم میں فرماتے ہیں "صاعقۂ قہر و انتقام عادل حقیقی بر اشقی الآخرین اند کہ در پردۂ ادعائے محبت چندے از اہل بیت خاتم الانبیا از یاں معصومین را بایں الواث ملوث کنند۔

المختصر ان چند نمونوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ مسئلہ امامت کی بدولت بڑے بڑے فسادات رونما ہوئے اور نہایت ذلیل خانہ جنگیاں خاندان ہاشمی میں برپا ہوئیں حضرت علیؓ سے لے کر گیارھویں امام تک کوئی امام ایسا نہیں ہوا جس کے بھائیوں اور بیٹوں میں نفاق ہو یا کم از کم ایسے ناگوار قصے نہ پیش آئے ہوں۔

زمانہ گذر گیا اور وہ باہم جنگ کرنے والے قصہ پارینہ بن گئے مگر لڑائی اب تک قائم ہے آج شیعہ انہیں لڑائیوں کو دستاویز بنائے ہوئے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اقلیت کا ساتھ

دیتے ہیں اور اکثریت پر تبرا بازی کرتے ہیں یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں گنتی کے چند لوگوں کو مانتے ہیں اور بے گنتی بے شمار نفوس پر لعنت کرتے ہیں۔

اور لطف پر لطف یہ کہ وہ گروہ اپنے اس فعل کو اس قدر مستحسن سمجھتے ہیں کہ اپنے حسن کردار کی لوگوں سے داد لینے کے لیئے برملا اس کا اظہار بھی کرتے ہیں بالکل مصداق آیہ کریمہ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا کے بنے ہوئے ہیں۔

احتجاج طبرسی کا مصنف اپنی کتاب کے آخری صفحہ یعنی ص۲۵۰ بڑے فخر کے ساتھ لکھتا ہے:

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّ الْإِمَامِيَّةَ لَا تَلْتَفِتُ إِلَىٰ مَنْ خَالَفَهَا مِنَ الْعِتْرَةِ وَحَادَ عَنْ جَادَّتِهَا فِي الدِّيَانَةِ وَمَحَجَّتِهَا فِي الْوِلَايَةِ وَلَا تَسْمَحُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنَ الْمَدْحِ وَالتَّعْظِيمِ فَضْلًا عَنْ غَايَتِهِ وَأَقْصَىٰ نِهَايَتِهِ بَلْ تَبْرَأُ مِنْهُ وَتُعَادِيهِ وَتُجْرِيهِ فِي جَمِيعِ الْأَحْكَامِ مَجْرَىٰ مَنْ لَا نَسَبَ لَهُ وَلَا حَسَبَ وَلَا قَرَابَةَ وَلَا عُلْقَةَ۔

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ امامیہ اُن اولاد رسول کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے جو امامیہ کے مخالف ہوں، اور امامیہ کے مذہبی راستے سے ہٹ گئے ہوں اور مسئلہ امامت میں اُن کا مسلک کچھ اور ہو اور امامیہ ایسی اولاد کیلیئے ذرا سی بھی تعریف و تعظیم روا نہیں رکھتے بلکہ امامیہ ایسی اولاد پر تبرا بھیجتے ہیں اور ان سے عداوت رکھتے ہیں اور ان کو تمام احکام میں مثل اُن لوگوں کے قرار دیتے ہیں جن کا نہ کوئی نسب وحسب ہو اور نہ (رسول سے) کوئی قرابت و تعلق۔

یہ ہے شیعوں کی محبت آل رسول کی حقیقت یہ محبت آل رسول کی ہے یا اپنے مذہب کی اب وقت ہے کہ اس نمبر کو ختم کیا جائے مسئلہ امامت کے بقیہ مباحث اور آخری فیصلہ کیلیئے نمبر سوم کا انتظار کرنا چاہیئے۔ وَسَيَأْتِي إِنْشَاءَ اللهُ تَعَالٰى۔

تمت بالخیر

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی الہ واصحابہ اجمعین

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا

ترجمہ: جو لوگ ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں ہم سے چھپے نہیں رہ سکتے

(الحمد للہ)

کہ یہ رسالہ ہدایت مقالہ جامع الاوصاف دافع الاعتساف موسوم بہ

تحفۃ الانصاف

لصاحب الاختلاف فی تفسیر آیۃ الاستخلاف

جس میں

شیعوں کے مایۂ فخر مبلغ ڈاکٹر نور حسین صاحب ساکن جھنگ کے مضمون متعلقہ آیۃ استخلاف مندرجہ سہیل نمبر ۱۰ جلد پنجم کا جواب باصواب دیکر حسب ذیل امور روز روشن کی طرح واضح و آشکار کر دیے گئے ہیں

(۱) آیت استخلاف کی تصدیق بغیر اسکے کہ تینوں خلفا کا موعود من اللہ ہونا تسلیم کیا جائے ناممکن ہے

(۲) صحابہ کرام پر طعن کرنیوالوں کے اصول پر نہ کوئی نبی طعن سے محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ کسی کی نبوت ثابت ہو سکتی ہے اور دین اسلام کی تو ایک بات بھی محفوظ نہیں رہ سکتی

(۳) مذہب شیعہ کی بنیاد جھوٹ بولنے اور ختم نبوت کا انکار کرنے پر ہے

(باہتمام کارپردازان صحیفہ مبارکہ النجم)

مطبوعہ مطبع عمدۃ المطابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

اما بعد واضح ہو کہ پنجاب مین حامیان مذہب شیعہ کے رکن عظیم ڈاکٹر زرحسین صاحب ساکن جھنگ کا ایک مضمون آیۂ استخلاف کے متعلق سہیل لکھنؤ نمبر ۴ و نمبر ۵ جلد پنجم مین شائع ہوا ہے جسکو کئی ماہ ہو گئے اس مضمون کا جواب لکھنے کا ارادہ نہ تھا ورنہ اتنے دن نہ گزرتے۔ درحقیقت ایسے مضامین کا جواب لکھنا بہت دشوار کام ہے اسلئے کہ جس کام کی ضرورت کا احساس نہو اسکی طرف طبیعت کا متوجہ ہونا آسان کام نہین مگر اہل جھنگ نے بار بار اصرار کیا اور پھر یہ بھی خیال آیا کہ دراصل یہ بھی خدمت قرآن مجید کی ہے لہذا خدا کا نام لیکر آج جواب لکھنے کے لیے قلم ہاتھ مین لیتا ہون۔

واللہ المستعان علے ما یصفون۔

یہ ڈاکٹر صاحب وہی بزرگ ہین جنھون نے ۔۔۔ ھ مین ایک مضمون بجواب النجم اپنے مذہبی اخبار درنجف مین لکھا تھا اور ایڈیٹر درنجف نے اسکے ساتھ شیعون کو تسلی دینے کے لئے یہ اعلان بھی شائع کیا تھا کہ اب یہی صاحب النجم کے مضامین کا جواب لکھا کرین گے مگر نتیجہ یہ ہوا کہ صفر ۱۳۴۳ھ مین النجم میں اس مضمون کا مفصل رد شائع ہوا اور اس مین یہ بھی لکھدیا گیا کہ کہین ایسا نہو کہ جواب سے عاجز ہوکر درنجف النجم سے مبادلہ بند کردے جس طرح اخبار اثناعشری دہلی نے کیا تھا۔ خدا کی قدرت کہ یہی ہوا۔ اس تاریخ سے پھر درنجف کی شکل دیکھنے مین نہ آئی النجم ڈیڑھ سال تک ان کے نام مفت جاری رہا اور بار بار یاد دہانی کی گئی مگر صدا بر نخاست۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے کو سابق سنی حنفی مشہور کرنے مین بہت کوشان نظر آتے ہین اصلیت کا

حال خدا جانے مگر سرزمین پنجاب میں یہ کوئی نرالی چیز نہیں ہے۔ جہاں سنی بنجانا ایک معمولی بات ہے وہاں شیعہ بنجانا کیا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب بایں معنی سنی رہے ہوں کہ اُن کے آبا و اجداد سنی تھے ورنہ یہ تو ناممکن ہے کہ کوئی شخص حقیقی طور پر مسلمان ہو اور وہ مرتد ہو جائے۔ ایمان کی حلاوت و بشاشت جب قلب تک پہونچ جائے تو پھر ارتداد کا امکان ہی نہیں رہتا۔ کما ورد فی الحدیث۔ ولنعم ما قیل ؎

قدغن ہے کہ کوچہ میں کوئی آنے نہ پائے
اور بے خبر آجائے تو پھر جانے نہ پائے

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اب آیہ استخلاف پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور اپنے اس مضمون کو خواہ مخواہ تفسیر آیۂ استخلاف تصور فرما کر رفع الاختلاف کے نام سے موسوم کیا ہے حالانکہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ اختلاف ہی اختلاف ہے اور اختلاف بھی نہایت مذموم یعنی قرآن کریم کے مفہوم صریح سے۔

سرورق پر یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ یہ مضمون روئداد مباحثہ منٹگمری کا بھی جواب ہے اور سیر الحرم کی تفسیر آیۂ استخلاف کا بھی۔ میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب کو اس مقام پر بڑا سہو ہو گیا۔ کئی ضروری نام لکھنے سے رہ گئے۔ کم از کم مباحثہ مبئی موسوم باسم تاریخی رد مذہب شیعہ اور مباحثہ چکوال موسوم باسم تاریخی رد اثنا عشریہ اور کتاب مستطاب تحفہ و ازالۃ الخفا و منہاج السنہ کے نام ضرور لکھنے چاہیئے تھے کہ یہ مضمون ان سب کا جواب ہے۔

روئداد مباحثہ منٹگمری کی تو چند سطریں ڈاکٹر صاحب نے نقل بھی کی ہیں مگر تفسیر آیۂ استخلاف کو تو کہیں سے چھوا بھی نہیں بلکہ ان کا یہ مضمون بتا رہا ہے کہ سیر مذکور کو بھی انھوں نے دیکھا بھی نہیں لیکن جواب اسکا بھی ہو گیا اور وہ بھی معمولی نہیں بلکہ کافی اور باصواب۔ شاباش ع

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں دوستانہ مشورہ کے طور پر ایک عرض یہ ہے کہ آپ نے قرآنی مباحث میں دخل دے کر ناحق اپنے کو مبتلائے مصیبت کیا۔ آپ حضرات اگر کچھ الٹی سیدھی باتیں کر سکتے ہیں تو صرف روایات کی بحث میں کیونکہ روایت میں ایک حد تک آپ کے اسلاف کرام کا ہاتھ رہے مگر قرآن کریم کے تو آپ قریب بھی نہیں جا سکتے اور جب بھی جاتے ہیں تو منہ کی کھانا پڑتا ہے۔ قرآن کریم تو

دشمنون کے قسمت مین ہے۔ روزِ اول سے اُسکی جو جو خدمتین حق تعالیٰ کو لینا تھین وہ بلا شرکت غیرے سنیون ہی سے لین۔ اُسکی حفاظت کا آلہ انھین کے سینون اور سفینون کو بنایا فللہ الحمد علیٰ ذلک
یہی وجہ ہے کہ آپ کے علمائے کرام قرآن عظیم سے ہمیشہ دُور دُور بھاگتے رہے کبھی اُسکو محرف کہکر پیچھا چھوڑانا چاہا اور کبھی اسکو معما اور چیستان قرار دے کر گلو خلاصی کی کوشش کی اور کہدیا کہ قرآن کو سوا ائمہ کے کوئی نہین سمجھ سکتا۔ جہان کسی نے بلا انضمام روایات کسی آیت کی تفسیر بیان کی اور فوراً شور برپا کردیا کہ یہ تو تفسیر بالرای ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے امام المناظرین مولوی حامد حسین نے عبقات مین بجواب صاحب تحفہ بحث آیات کو چھوڑ کر صرف بحث روایات پر قناعت کی۔

آپ کے مفسر عالی شان مصنف تفسیر مجمع البیان نے تفسیر مذکور کے دیباچہ مین کس طرح صاف لفظون مین اس کا رونا رویا ہے کہ اہل سنت نے مطالب عالیہ قرآنیہ کے سمندر مین خوب گہرے غوطے لگائے ہین اور نہایت عمدہ عمدہ موتی نکالے ہین مگر افسوس ہمارے اصحاب (یعنے علمائے شیعہ) نے کچھ نہین کیا۔

قرآن کریم سے آپ کے مذہب اور علمائے مذہب کی نفرت اور خانہ ساز روایات کی طرف رغبت آج کی نہین بلکہ اُس وقت کی ہے جب آپ کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی تھی چنانچہ حضرت سلمان فارسی نے اس حالت کو دیکھکر کیا خوب فرمایا۔ حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۱۰۷ مین ہے۔

سلمان بمردم گفت کہ گریختید از قرآن بسوے حدیث زیرا کہ قرآن را کتاب رفیع یافتید درانجا شمار احساب مے نماید بر نقیر و قطمیر و فتیل یعنی برامر خردے و ریزۂ بر قدر دانۂ خردے۔ پس تنگی کرد بر شما احکام قرآن پس گریختید بسوے احادیثے کہ کار را بر شما کشادہ و آسان کردہ است۔

روایات کو اہل سنت بھی لیتے ہین مگر شیعون کے طرز عمل مین اور اہل سنت کے طرز عمل مین بڑا فرق ہے۔ یہ فرق جسکو معلوم ہے مذہب شیعہ کی حقیقت اُس کے سامنے بالکل بے نقاب ہے۔

سُنی شیعہ کا ایک نہایت اہم امتیاز

اہل سنت کے مذہب کی بنیاد قرآن مجید پر ہے۔ عقائد ضروریہ مین تو سوا قرآن کے اور کوئی

چیز لی نہین جاتی۔ ہان حدیث اگر حقیقی معنی مین متواتر ہو تو وہ قبول کر لیجاتی ہے۔ اب رہے اعمال وغیرہ ان مین البتہ روایات سے کام لیا جاتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ روایت قرآن کے خلاف نہو۔ اہل سنت کبھی کسی حال مین قرآن کے خلاف کسی چیز کو ہرگز قبول نہین کرتے حدیث کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ معتبر کتاب اُن کے یہان صحیح بخاری ہے لیکن بالفرض اسکی کوئی روایت قرآن کے خلاف ہو تو اسکو بھی نذر خاک کرنے کے تیار ہین۔ روایت تو روایت قسم ہے اُسکی جس نے قرآن کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا کہ قرآن کے خلاف محسوسات و مشاہدات بھی اہل سنت کے نزدیک مردود و مطرود ہین۔

اور مذہب شیعہ کو کوئی تعلق قرآن سے نہین ہے عقائد سے لیکر اعمال تک سارے مذہب کی بنیاد روایات پر ہے اور روایات بھی صرف وہ لیجاتی ہین جو قرآن کے خلاف ہون ان روایات مین جس کو اُنھون نے چاہا متواتر کا لقب دیدیا جس کو چاہا مستفیض کہدیا۔ اگر کوئی روایت قرآن کے موافق ہوتی ہے تو اسکو جس طرح ہوسکتا ہے رد کردیتے ہین۔ تدوین روایات کے زمانے مین بڑی زبردست کوشش شیعون نے اس بات کی کی کہ اپنی تصنیف کی ہوئی روایتین سنیون کی کتابون مین درج کرادین چنانچہ سُنی بنکر ائمہ محدثین سے روایتین بیان کین اور کسی حد تک اپنی کوشش مین کامیاب ہوئے پھر بعض شیعہ علما نے سُنی بنکر کتابین تصنیف کین اور ان مین اپنی خانہ ساز روایتین درج کین اور اس غضب کا تقیہ اُنھون نے کیا کہ عمر بھر سُنی بنے رہے اور تمام اعمال بطریق اہل سنت ادا کرتے رہے ساری دنیا ان کو سُنی سمجھتی رہی حتیٰ کہ کتب رجال مین بھی اُن کو سُنی لکھا گیا مگر اُن کی تصنیفات نے ان کا راز فاش کردیا۔

انھین وجوہ سے شیعہ روایات پر اس قدر دلدادہ ہین۔ مگر الحمد للہ کہ ان کارروائیون سے کوئی نقصان اہل سنت و جماعت کو نہ پہونچا کیونکہ اصول ان کے اس قدر عمدہ ہین کہ فوراً دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہوجاتا ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمونہ کے طور پر چند مثالین ایسی لکھدین کہ شیعون نے قرآن کی مخالف روایات کو کس طرح جزو ایمان بنایا ہے۔

مثال اول قرآن کریم بڑے اہتمام اور بڑی تصریح کے ساتھ بہ تکرار بیان فرماتا ہے کہ حضرات انبیاء

رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی خدا کی طرف سے مفترض الطاعۃ ہین ان کا اتباع نجات کیلئے کافی ہے۔ اُن کے سوا نہ کسی کی اطاعت منجانب اللہ فرض ہے اور نہ کسی کا قول و فعل حجت شرعی ہے (دیکھو رسالہ تفسیر آیات امامت) مگر مذہب شیعہ نے اپنی خانہ ساز روایتون کی بنا پر مسئلہ امامت کو بھی اصول دین[1] مین قرار دے کر یہ اعتقاد قائم کیا ہے کہ ائمہ بھی مثل انبیا کے معصوم و مفترض الطاعۃ ہوتے ہین اور بالکل اسی طرح ان کا قول و فعل بھی حجت شرعی ہوتا ہے۔

مثال دوم قرآن کریم نہایت وضاحت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرماتا ہے لیکن مذہب شیعہ اپنی بعض روایات کی وجہ سے یہ تعلیم دیتا ہے کہ آپ کے بعد ایک[2] نہین بارہ ہستیان ہر بات مین آپکی مثل یا تا ہم رتبہ بھی انکا آپکی برابر معصوم و مفترض الطاعۃ بھی آپ ہی کی طرح تحلیل و تحریم کا اختیار بھی انکو آپ ہی کی مانند

[1] یہ رسالہ شیعون کا مشہور رسالہ ہے کسی کتاب کے حوالے کی حاجت نہین اسی مسئلہ کی وجہ سے تیمواپنے کو امامیہ کہتے ہین ۱۲ منہ

[2] اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ مین امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ما جاء بہ علی آخذ بہ وما نہی عنہ انتہی عنہ جری لہ من الفضل مثل ما جری لمحمد ولمحمد الفضل علی جمیع ما خلق اللہ عز وجل (الی ان قال) وکذالک یجری لائمۃ الہدی واحد بعد واحد ترجمہ جو احکام علی لائے ہین مین انپر عمل کرتا ہون اور جس چیز سے علی نے منع کیا ہے اُس سے باز رہتا ہون علی کی بزرگی مثل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بزرگی کے ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کی تمام مخلوق پر بزرگی حاصل ہے اور ایسی ہی بزرگی تمام ائمہ ہدی کی ہر یکے بعد دیگرے ۱۲ منہ اصول کافی ص ۲۷۸ مین عن محمد بن سنان قال کنت عند ابی جعفر الثانی علیہ السلام فاجریت اختلاف الشیعۃ فقال یا محمد ان اللہ تبارک وتعالی لم یزل متفردا بوحدانیتہ ثم خلق محمدا وعلیا وفاطمۃ فمکثوا الف دہر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشہدہم خلقہا واجری طاعتہم علیہا وفوض امورہا الیہم فہم یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون ترجمہ محمد بن سنان کہتے ہین مین امام محمد تقی علیہ السلام کے پاس تھا مین نے شیعون کے مذہبی اختلاف کا تذکرہ کیا تو امام نے فرمایا کہ اے محمد بہ تحقیق اللہ تبارک وتعالی اپنی وحدانیت کے ساتھ متفرد رہا پھر اُسنے محمد اور علی اور فاطمہ کو پیدا کیا اور ان کو اپنی مخلوق پر گواہ بنایا اور ان کی طاعت سب پر فرض کی اور تمام مخلوق کے معاملات ان کے سپرد کر دیے پس وہ جس چیز کو چاہتے ہین حلال کرتے ہین اور جس کو چاہتے ہین حرام کرتے ہین ف اس روایت مین شیعون کے مذہبی اختلاف کا سبب ائمہ کے اختیارات کو قرار دیا گیا ہے یعنے ایک ہی چیز کو ایک امام نے حلال کر دیا اور دوسرے نے حرام اس وجہ سے شیعون مین اختلاف پڑ گیا شیعون کا مذہبی اختلاف بھی عجب چیز ہے کوئی مسئلہ ایسا نہین جس مین خود ائمہ کے مختلف اقوال نہ موجود ہون آج علمائے شیعہ اس اختلاف کی گتھی سلجھانے مین پریشان ہین اور بیچارون کے بنائے کچھ نہین بنتی خدا رحم کرے۔

سوم - قرآن مجید کی متعدد آیتین اعلان دے رہی ہین کہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ دار
ادر توی ہے اور اس مین کسی قسم کا تغیر و تبدل نہین ہوسکتا مگر مذہب شیعہ[۱] نے اپنی زائد از
روایات کو متواتر قرار دے کر ہر قسم کی تحریف سے قرآن کو ملوث قرار دیا ہے اور قرآن موجود کو بجائے
کی کتاب کے کفر کا ستون قائم کرنے والا مانا ہے -
چہارم قرآن کریم بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے کہ جو شخص مر گیا وہ قیامت
پہلے زندہ نہ کیا جائے گا نہ اس عالم مین آئے گا مگر مذہب شیعہ اپنی روایات کی بنا پر رجعت[۲]
ہے کہ قیامت سے پہلے لوگ زندہ ہو کر اس دنیا مین آئین گے اور مظلومون کا انتقام
ن سے دلوایا جائے گا -
پنجم قرآن کریم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خصوصاً مہاجرین و انصار کی
لی مدح فرماتا ہے اصحاب بیعۃ الرضوان سے خدا کی رضامندی کا اظہار کرتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض
کی بنا پر ان سب کو برا سمجھتے ہین اور ان کو برا کہنا[۳] اعلیٰ ترین عبادت قرار دیتے ہین -

---

بحث مین حسب ذیل چند امور یاد رکھنے کے قابل ہین (۱) کہ کتب شیعہ مین زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن
ن مین چار قسم کی تحریف قرآن مین بیان کی گئی ہے - کمی بیشی تبدل الفاظ و حروف - خرابی ترتیب آیات و کلمات
اور ان روایات کے ساتھ علمائے شیعہ کا یہ اقرار کتب شیعہ مین موجود ہے کہ یہ روایات متواتر ہین اور تحریف قرآن
ت کرتی ہین اور انہین روایات کے مطابق اعتقاد بھی ہے (۲) قدمائے شیعہ مین گنتی کے صرف چار آدمی منکر تحریف
صدوق ابن بابویہ شریف مرتضیٰ ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان جب شیعون کو اپنے منکر تحریف ہونے کا ثبوت دینے کی
لتی ہے تو انہین چار مین سے کسی کا قول پیش کر دیتے ہین (۳) کتب شیعہ مین تحریف قرآن کے خلاف کوئی روایت
ین کی نہین ہے مقام عبرت ہے کہ سوا مسئلہ تحریف قرآن کے اور کوئی مسئلہ مذہب شیعہ کا ایسا نہین ہے جس مین مختلف
ئمہ معصومین کے منقول نہ ہون مگر اس مسئلہ تحریف مین کوئی اختلاف روایت نہین ہے (۴) یہ چار شخص جو منکر تحریف مین
ین ائمہ معصومین کا قول پیش نہین کرتے نہ اپنی روایات تحریف کا کچھ جواب دیتے ہین بلکہ اپنی تائید مین جو دلائل پیش کرتے ہین
شیعہ کے خلاف یعنی صحابہ کرام کے فضائل سے استدلال کرتے ہین (۵) جو شیعہ کہ منکر تحریف بنتے ہین وہ بھی تحریف کو کفر نہین
[۲] یہ عقیدہ شیعون کا مسلم نقل ہے کسی کتاب کے حوالے کی ضرورت نہین قال اللہ تعالیٰ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون
تک مردے ہونے کے اور اس عالم کے درمیان ایک برزخ حائل ہے [۳] تبرا یہ کہ تمام صحابہ کو سوا چار کے مرتد کہتے ہین
ن تمام ابو بکر و عمر و عثمان ... سے ... تبرا بازی کا ان کے مذہب مین عبادت ہونا ہر شخص
سے دشمنان ... مذہب شیعہ ... داخل مذہب ...

مثال ششم - قرآن مجید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والون کو اشداء علی الکفار اور اعزۃ علی الکافرین فرماتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہین کہ وہ کافرون سے ڈرتے تھے اور جہادون سے بھاگ جایا کرتے تھے۔

مثال ہفتم قرآن مجید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والون کو رُحَمَاءُ بَینَهُم اور اَذِلَّۃٍ علے المومنین فرماتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر اس بات کے معتقد ہین[1] کہ ان مین باہم عداوتین تھین ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے اُنھون نے رسول کی بیٹی کا حق غصب کر لیا اور حضرت علی کی خلافت چھین لی اور سب سے بڑھکر یہ کہ رسول کی بیٹی کو مارا پیٹا اسی صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور مر گئین وغیرہ وغیرہ۔

مثال ہشتم قرآن مجید صاف صاف یہ فرماتا ہے کہ صحابہ مہاجرین مین سے جسکو زمین مین تمکین ملیگی وہ زمانہ تمکین مین اقامت صلوۃ و ایتاء زکوۃ اور امر معروف و نہی منکر کرے گا غرضکہ وہ فرائض خلافت کو کما حقہ ادا کرے گا اور اسکے تمام احکام پسندیدہ خدا ہون گے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہین کہ تینون مہاجرین جو خلیفہ ہوئے ان کی خلافت ناحق تھی اور اُنھون نے اپنے زمانہ خلافت مین بہت ظلم کیئے شریعت الٓہیہ کو درہم برہم[2] کر دیا۔

مثال نہم - قرآن مجید نہایت صراحت کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات[3] یعنی کئی صاحبزادیان بیان کرتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر آپ کی صرف ایک بنت حضرت فاطمہ کو قرار دیتے ہین۔

---

[1] خاندان رسول پر جو جو ظلم ان کے کتب شیعہ مین بیان کیئے گئے ہین اُن کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ابتدائے آفرینش عالم سے آج تک کسی ظالم نے ایسے ظلم نہ کیئے ہونگے ۱۲

[2] اب اس سے بڑھکر کیا ہو گا کہ قرآن کو محرف کر دیا اور حضرت علی کو اصلی قرآن کی اشاعت نہ کرنے دی متعہ جیسی عظیم الشان عبادت کو حرام کر دیا نماز تراویح جیسے فعل بد کو رواج دیا حضرت علی و حضرت فاطمہ کی بیٹی ام کلثوم کو جبراً چھین کر اپنے تصرف مین لائے ۱۲

[3] پارہ ۲۲ سورۂ احزاب مین ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُل لِّاَزوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ ترجمہ اے نبی اپنی بی بیون اور بیٹیون سے کہدیجیئے عربی زبان مین جمع کا صیغہ تین سے کم پر نہین بولا جاتا لہذا قرآن پر ایمان رکھنے والا کم سے کم آپ کی تین صاحبزادیان کو ضرور مانے گا اور تاریخ و معتبر روایات بتا رہی ہین کہ چار تھین ۱۲

مثال دہم - قرآن مجید وضو میں پاؤں کے دھونے کی تعلیم[1] دیتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر وضو میں پاؤں کے مسح کرنے پر اصرار کرتے ہیں -

مثال یازدہم - قرآن کریم پنجگانہ نمازوں کو مَوْقُوتْ[2] یعنی مقید بوقت فرماتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر بلا کسی عذر کے دو دو نمازوں کو ایک ساتھ ادا کرلنے پر مصر ہیں -

مثال دوازدہم - قرآن عظیم متعہ کو حرام قرار[3] دیتا ہے مگر شیعہ اپنی بعض روایات کی بنا پر متعہ

---

[1] چنانچہ آیت وضو میں پاؤں کے ساتھ الی الکعبین کی قید اس مطلب کو واضح کررہی ہے کہ پاؤں مسح کے تحت میں نہیں ہے کیونکہ مسح کی سمت میں ٹخنے پڑتے ہی نہیں ہاں دھونے کی سمت میں پڑتے ہیں ۱۲

[2] پارہ ۵ سورت میں ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا یعنی نماز ایمان والوں پر لکھی ہوئی ہے وقت کے ساتھ مقید کی ہوئی مقید بوقت کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ ہر نماز کا وقت جداگانہ ہے مگر جب بلا عذر دو نمازوں کا ایک ساتھ پڑھنا جائز ہوا تو وقت کی قید ہر نماز کے لئے کہاں رہی ۱۲

[3] قرآن شریف میں مکی اور مدنی دونوں قسم کی آیتیں حرمت متعہ پر دلالت کرتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ دین اسلام میں کبھی حلال نہیں ہوا - اس جگہ تین آیتیں لکھی جاتی ہیں (۱) وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ - ترجمہ (فلاح پائیں گے) وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی زوجہ یا لونڈیوں پر پس ان پر کچھ ملامت نہیں اور جو شخص اس کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کرے وہ حد شرعی سے نکل جانے والا ہے - یہ آیت مکی ہے اور قرآن مجید میں دو جگہ ہے - صاف معلوم ہوا کہ زوجہ اور لونڈی کے سوا کوئی تیسری صورت جائز نہیں اور ممنوعہ یقیناً نہ زوجہ ہے نہ لونڈی جیسا کہ انجم دور جدید جلد اول نمبر ۳ میں اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے (۲) پارہ ۵ سورہ نساء میں ہے وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ترجمہ اور جو شخص تم میں سے نہ مقدرت رکھتا ہو آزاد ایمان والی عورتوں سے نکاح کرنے کی تو ایمان دار لونڈیوں سے نکاح کرے - یہ آیت مدنی ہے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ متعہ حلال ہوتا تو بے مقدرت والوں کو بجائے لونڈیوں سے نکاح کے متعہ کا حکم دیا جاتا کیونکہ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں بہ نسبت متعہ کے خرچ زائد ہے (۳) پارہ ۱۸ سورہ نور میں ہے وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ترجمہ جو لوگ نکاح کا مقدور نہیں رکھتے اُن کو چاہیے کہ اپنے آپ کو بچائیں یہاں تک کہ اللہ اُن کو اپنے فضل سے مالدار کردے یہ آیت بھی مدنی ہے اگر متعہ حلال ہوتا تو بجائے اسکے کہ مالدار ہونے تک صبر کا حکم یا بیٹھے دیا جاتا کہ وہ متعہ کرلیں - بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کسی وقت بحالت اضطرار جائز کیا گیا تھا مگر پھر ہمیشہ کے لئے حرام کردیا گیا کتاب تہذیب الاحکام میں جو شیعوں کی کتب اربعہ میں سے ہے خود حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ کو حرام کردیا مگر یہ روایت چونکہ قرآن کے موافق ہے اس لئے شیعوں نے اس کو بر تقیہ محمول کیا ہے -

بی فحش چیز کو نہ صرف جائز بلکہ ایسی عظیم الشان عبادت قرار دیتے ہین کہ ایک مرتبہ متعہ کرنے سے امام حسین کا مرتبہ ملتا ہے اور دو مرتبہ متعہ کرنے سے امام حسن کا اور تین مرتبہ متعہ کرنے سے حضرت علی کا اور چار مرتبہ متعہ کرنے سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا (دیکھو تفسیر منہج الصادقین پارۂ پنجم) یہ ثواب تو نماز روزہ بلکہ کسی عبادت مین نہین ہے۔

اثنا عشریون کی خاطر سے اس مقام مین صرف بارہ نشانون پر اکتفا کیجاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کارروائی بھی کچھ کم عجیب و غریب نہین کہ آپ جواب تو لکھ رہے ہین مباحثہ منٹگمری کی روئداد کا لیکن شروع سے آخر تک کہین بھولے سے اپنے مناظر (مولوی مرزا احمد علی) کا نام نہین لیتے نہ ان کی تقریر کا کوئی حرف نقل کرتے ہین نہ اسی کا انکار کرتے ہین کہ یہ تقریرین اُن کی نہین ہین بلکہ اپنی طرف سے آپ نے نئے جواب دینا شروع کر دیئے ہین اگرچہ اس سے یہ تو سمجھا جاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے مناظر کے جوابات کو صحیح نہین سمجھتے اور مباحثہ منٹگمری مین شیعون کے ناقابل اخفا شکست کی کوئی تاویل نہین کر سکتے۔ مگر پھر بھی اُن پر فرض تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ اپنی رائے کا اظہار کر دیتے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون کی ضخامت کچھ تو بے تعلق باتون سے اور کچھ کاتب سہل کی عنایت سے چھیالیس صفحہ کر دی ہے لیکن خلاصہ اس کا حسب ذیل چند الفاظ مین ہدیۂ ناظرین ہے۔

(۱) یہ دعوی کہ ,, آیت استخلاف مین جو وعدہ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام اور مومنین صالحین سے ہے جو عہد نبوی مین پورا ہو گیا۔

(۲) دعوی مذکور کے ثبوت مین تفسیرون کے حوالے

(۳) دعوی مذکور کے ثبوت مین آیات قرآنیہ کے حوالے۔

(۴) صحابۂ کرام کے مطاعن۔

(۵) کچھ متفرق باتین مثلاً اول و آخر مین انجم کی شکایت اور اسکا رونا۔ اور مسألہ تقیہ اور مسألہ معصومیت امام وغیرہ وغیرہ۔

لہذا مین اپنے اس رسالہ کو چھ باب پر تقسیم کرتا ہون۔ پہلے باب مین اصل بحث کی توضیح ہوگی اور باقی پانچ بابون مین علی الترتیب امور مذکورۂ بالا کا جواب ہوگا۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم

باب اول۔ اصل بحث کی توضیح۔

اصل بحث یہ ہے کہ النجم میں تفسیر آیات خلافت کے سلسلہ میں جو تفسیرین شائع ہوئی ہیں اُن سے عموماً اور تفسیر آیت استخلاف سے خصوصاً شیعون کو نہایت پریشانی لاحق ہے۔

آیت استخلاف پر تین مناظرے بھی ہو چکے ہیں اول مناظرہ بمبئی جو ملا باقر صاحب سے ہوا۔ دوم مباحثہ چکوال جو مولوی محمد سجاد لکھنوی سے ہوا سوم مباحثہ شکری جو شیعون کے نئے قبلہ مولوی مرزا احمد علی سے ہوا ان تینون مباحثون کی روئداد میں شائع ہو چکی ہین۔ آخر الذکر مباحثہ نے بہت پرانے پرانے زخمون کو تازہ کر دیا اور ظلم یہ ہوا کہ مولوی مرزا احمد علی نے مباحثہ کے بعد اپنے اخبار شیعہ لاہور میں اپنی فتح و ظفر کا شہرایا ہوا اعلان تو دیا مگر با وجود تقاضون کے کوئی جعلی روئداد بھی چھپا کر شائع نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کی مدت گزر جانے پر بھی پنجاب کے شیعون کی بے چینی کم نہ ہوئی حتی کہ ڈاکٹر نور حسین صاحب کو یہ رسالہ لکھنا پڑا اور آیت استخلاف پر توجہ کرنی پڑی۔ آیۂ استخلاف یہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

ترجمہ وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن لوگون سے جو ایمان لائے تم مین سے اور اُنھون نے اچھے کام کیے کہ ضرور ضرور ان کو خلیفہ (یعنی بادشاہ) بنائے گا زمین مین جیسے خلیفہ بنایا تھا ان لوگون کو جو ان سے پہلے تھے اور ضرور ضرور مضبوط کرے گا ان کے لیے دین اُن کا جو پسند کیا خدا نے اُن کے لیے اور ضرور ضرور بدلے مین دے گا اُن کو بعد اُن کے خائف ہونے کے امن وہ لوگ (اس مرتبہ پر پہونچکر بھی) میری عبادت کرین گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرین گے اور جو لوگ اس کے بعد ناشکری کرین وہ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہین۔

ترجمہ قبلۂ شیعہ مولوی فرمان علی

اے ایمان دارو! تم مین سے جن لوگون نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے اُن سے

خدا نے وعدہ کیا ہے کہ اُن کو (ایک نہ ایک روز) زمین پر ضرور اپنا نائب مقرر کرے گا جس طرح اُن لوگوں کو
نائب بنایا جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں اور جس دین کو اُس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (اسلام)
اس پر انھیں ضرور ضرور پوری قدرت دے گا اور اُن کے خائف ہونے کے بعد (اُن کے ہراس کو)
امن سے ضرور بدل دے گا وہ (اطمینان سے) میری عبادت کریں گے اور کسی کو ہمارا شریک نہ
بنائیں گے اور جو شخص اسکے بعد بھی ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ بدکار ہیں۔

ترجمہ قبلۂ شیعہ مولوی مقبول احمد

اُن سب[2] لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے اللہ نے یہ وعدہ کیا
ہے کہ ضرور اُن کو زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور
اُن کے دین کو جو اُس نے اُن کے لئے پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پائدار کر دے اور ضرور اُن
کے خوف کو امن سے بدل دے گا اس وقت وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا
شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اسکے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں۔

آیت مذکورہ سے ثبوت خلافت

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس آیت سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا خلیفۂ برحق ہونا
اس طرح یقینی وقطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص عربی زبان سے واقف ہو اور اسلامی تاریخ کے
ضروری اور مسلم الکل مشہور واقعات کو جانتا ہو وہ اس آیت کو پڑھکر صاف کہدے گا کہ دو ہی راستے
ہیں یا تو ان تینوں بزرگوں کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت تسلیم کیا جائے اور یا اس
آیت کے وعدے اور پیشین گوئی کو معاذ اللہ غلط قرار دیا جائے۔ کوئی تیسرا راستہ نکل ہی نہیں سکتا۔

تقریر استدلال کی یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اُن مومنین صالحین سے جو اس آیت کے
نزول کے وقت موجود تھے اور نزول آیت کے پہلے سے ایمان وعمل صالح کے ساتھ موصوف ہو چکے تھے
تین نعمتوں کے دینے کا وعدہ فرمایا ہے زمین کی بڑی بادشاہت[1] اور اُن کے دین کی تمکنت[2] وقوت
اور تبدیل خوف۔ ظاہر ہے کہ بادشاہت ایسی چیز نہیں ہے جو کسی جماعت کے ہر ہر فرد کو حاصل
ہو سکے۔ اور جب کوئی ایسی چیز کسی جماعت کی طرف منسوب ہوتی ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ

---

[1] یہ ترجمہ غلط ہے مگر تم نقصان اصل استدلال کو نہیں ہے [2] سب لوگوں کے لفظ نے حق پرعاں ہی اسے بات
اقائم ہے کہ وعدہ صرف حضرات خلفائے ثلاثہ سے ہے ۱۲

اس جماعت کے کسی واحد یا متعدد اشخاص کو وہ نعمت حاصل ہوگی یا نہ لہذا آیت کریمہ
کے وعدہ کا مطلب یہ ہوا کہ اُن مومنین صالحین کی جماعت میں کسی شخص خاص کو یا چند اشخاص کو
یہ نعمتیں دی جائیں گی ۔

پس اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ جماعت موعود لہم میں سے کس کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ ملا یا
نہیں نہ ملنا تو محال کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور ملنے کی صورت میں یہ دیکھنا
ہوگا کہ اس جماعت کے ایک شخص کو یہ نعمتیں ملیں یا متعدد اشخاص کو اگر ایک شخص کو ملی ہوں تو
صرف اسکو اور متعدد اشخاص کو ملی ہوں تو ان سب کو آیت کا مصداق ماننا پڑے گا اور ان کی خلافت
کو آیت کی موعودہ خلافت ماننا ضروری ہوگا۔

چنانچہ تتبع سے معلوم ہوا کہ جماعت موعود لہم میں سے صرف تین بزرگوں کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ حاصل ہوا
حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان ذوالنورین اور ان کے سوا کسی کو نہ ملا۔
لہذا قطعاً و یقیناً معلوم ہو گیا کہ یہ تینوں بزرگوار خلیفہ برحق اور خلیفہ موعود تھے اور آیت استخلاف کا
وعدہ انھیں کی خلافت سے پورا ہوا۔

علمائے شیعہ میں سے بھی جن لوگوں میں کچھ انصاف تھا انھوں نے اس بات کا اقرار کیا ہے
کہ آیت استخلاف کا وعدہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پورا ہوا چنانچہ علامہ فتح اللہ
کاشانی اپنی تفسیر خلاصۃ المنہج میں آیہ استخلاف کے تحت میں لکھتے ہیں ،، در اندک زمانے حق تعالیٰ
بوعدہ مومنان وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسریٰ بدیشان ارزانی فرمود ،،

استدلال کی تقریر تمام ہوگئی۔ اس تقریر کی بنیاد صرف دو باتوں پر ہے ۔ **اول** یہ کہ
آیت میں وعدہ صرف اُن مومنین صالحین سے ہے جو بوقت نزول آیت ایمان و عمل صالح سے
متصف ہوکر موجود تھے ۔ **دوم** یہ کہ اس جماعت موعود لہم میں سے صرف حضرات خلفائے
ثلثہ رضی اللہ عنہم کو موعودہ تینوں نعمتیں ملیں اور کسی کو نہیں ملیں۔ پس یہی دو باتیں استدلال
کی جان ہیں۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں باتوں کی کچھ توضیح کردی جائے۔

امر اول ۔ یعنی آیت میں وعدہ کس سے ہے اسکے لئے آیت کے کلمات کا مطالعہ کافی ہے
کسی دلیل خارجی کی ہرگز ضرورت نہیں۔

آیۂ کریمہ مین اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کے صیغے ہین اور ان کے بعد مِنْکُمْ ضمیر حاضر ہے لہٰذا صاف معلوم ہوگیا کہ حاضرین مین سے جو لوگ زمانہ ماضی مین ایمان و عمل صالح سے موصوف ہو چکے تھے اس آیت مین وعدہ انھین سے ہے۔ اور اگر منکم مین من بیانیہ لیا جائے تبعیضیہ نہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے ان لوگون سے وعدہ کیا ہے جو زمانۂ ماضی مین ایمان و عمل صالح سے موصوف ہو چکے تھے یعنی اے حاضرین تم سے وعدہ کیا ہے بہرصورت ضمیر منکم حاضر کی ضمیر ہے اور حاضر کی ضمیرون اور صیغون کا حاضرین کے لئے مخصوص ہونا از روے لغت ناقابلِ انکار چیز ہے اور اصول فقہ مین بھی طے ہوچکا ہے کہ حاضر کا صیغہ حاضر کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور آیات احکام مین جو حاضرین کے ساتھ غائبین بھی شریک کر لئے جاتے ہین وہ بوجہ دلیل خارجی کے نہ بوجہ دلالت لفظ کے چنانچہ شیعون کی معتبر کتاب معالم الاصول مین ہے[1] وما وضع لخطاب المشافهة نحو یا ایها الناس و یا ایها الذین اٰمنوا لا یعم بصیغته من تاخر عنه من الخطاب وانما یثبت حکمه لهم بدلیل اخر۔

اور اگر حاضرین وقت نزول سے اس آیت کے وعدہ کو مخصوص نہ رکھا جائے تو چند خرابیان لازم آتی ہین۔

(۱) لفظ منکم بالکل بیکار ہوا جاتا ہے۔ کیونکہ بغیر اس لفظ کے قیامت تک کے مسلمان الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات سے مراد ہو سکتے تھے بلکہ سچ پوچھو تو وضع لغوی بالکل لغو ہوئی جاتی ہے

(۲) آیت کا مفہوم مشاہدہ کے خلاف ہوا جاتا ہے اسلئے کہ جب وعدہ عام ہوا تو ہر زمانہ کے مومنین صالحین کو یہ تینون نعمتین حاصل ہونی چاہئین حالانکہ ایسا نہین ہے آج کل ہندوستان ہی کو دیکھو ان کروڑون مسلمانون مین کیا کوئی بھی مومن صالح نہین ہے۔ ہین اور ضرور ہین مگر یہ تینون موعودہ نعمتین یہان کے مسلمانون کو نصیب نہین۔

اور اگر کوئی شخص کہے کہ اس آیت مین وعدہ صرف غائبین سے ہے حاضرین کا ایک فرد بھی مراد نہین تو اس سے بڑھکر بے انصاف کون ہوگا۔ حاضر کا صیغہ بول کر حاضرین کا کوئی فرد مراد نہ

[1] معالم الاصول کی یہ عبارت روئداد مباحثہ نکیریان کے صفحہ ۱۸ پر موجود ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے کچھ جواب نہین دیا۔

بلکہ صرف غائب مراد ہون اسکی کوئی نظیر دنیا کی کسی زبان مین نہ ملے گی علاوہ اسکے وہ خرابیان جو اوپر مذکور ہوئین اس صورت مین بھی لازم آتی ہین علاوہ ان کے اس صورت مین آیت کا مضمون معاذاللہ فریب اور تلبیس ہوا جاتا ہے اس لیئے کہ حاضر اور مخاطب کے الفاظ سے اس وقت کے لوگون نے سمجھا ہوگا کہ یہ وعدہ ہم سے ہے اور یہ نعمتین ہم کو ملین گی حالانکہ مقصود متکلم کا زمانہ بعد کے لوگ تھے، اسی کو فریب اور تلبیس کہتے ہین۔

پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیت کا وعدہ مومنین صالحین کی صرف اُس جماعت سے ہے جو بوقت نزول آیت موجود تھی تو یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ وعدہ کے سچے ہونے کی صورت فقط یہی ہے کہ اسی جماعت کے کسی شخص یا اشخاص کو یہ نعمتین ملین۔ حضرت معاویہ کو یا امام مہدی کو یا زمانہ مابعد کے کسی شخص کو یہ تینون نعمتین بلکہ ان سے ہزارون درجہ بڑھکر مل جائین تو نہ اس سے آیت کا وعدہ صادق ہوسکتا ہے اور نہ یہ لوگ آیت کے مصداق ہوسکتے ہین کیونکہ یہ لوگ آیت کے موعودلہم سے خارج ہین۔

امر دوم یعنی جماعت موعودلہم مین سے صرف حضرات خلفائے ثلثہ کو یہ تینون نعمتین ملین کسی اور کو نہین ملین۔

اس کے لیئے تاریخ کے مسلم الکل واقعات کا مطالعہ کافی ہے۔ سب جانتے ہین کہ جماعت موعودلہم مین سے صرف چار بزرگون کا نام خلافت مین آیا اس جماعت کا کوئی پانچوان شخص خلیفہ نہین ہوا تو ان چارون مین حضرات خلفائے ثلثہ کے متعلق دونون فریق متفق ہین کہ ان کو بڑی بادشاہت یعنی ملک عظیم بھی حاصل تھا اور اُن کو تبدیل خوف بھی ملا تھا اور جو دین اُن کا تھا اُسکو تمکین بھی تھی شیعہ ان تینون کے حصول مین کلام نہین کرتے نہ کرسکتے ہین بلکہ یہ کہتے ہین کہ معاذاللہ وہ مومن صالح نہ تھے لہذا آیت کے موعودلہم سے خارج ہین جواب اس کا یہ ہے کہ اگر وہ مومن صالح نہ ہونے کے باعث سے مصداق آیت نہ مانے جائین تو معاذاللہ آیت کا وعدہ غلط ہوجائیگا کیونکہ اس وقت کے کلمہ گویان اسلام مین سے کسی اور کو یہ موعودہ نعمتین حاصل ہی نہیں ہوئین

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کے متعلق سنی شیعہ دونون متفق ہین کہ ان کو آیت کی موعودہ تینون نعمتین حاصل نہ تھین بلکہ شیعہ تو یہان تک کہتے ہین کہ آپ کی خلافت بھی ہرا ئے

نام تھی اپنے زمانۂ خلافت مین بھی آپ اپنے اصلی مذہب کو مارے خوف کے ظاہر نہ کر سکتے تھے اور امر معروف و نہی منکر کا فریضہ ادا کرنے پر بالکل قادر نہ تھے؎۱ - یہ ہے خلاصہ استدلال کا اگر کسی کو مفصل دیکھنے کا شوق ہو تو وہ تفسیر آیۂ استخلاف کو مطالعہ کرے - تفسیر مذکور مین آیت کا استدلال بیان کرنے کے بعد حسب ذیل کتب کے حوالے اور ان کی عبارتین بھی نقل کی گئی ہین - کتب شیعہ مین احقاق الحق - شوستری - احتجاج طبرسی - نہج البلاغہ - شرح نہج البلاغہ - ابن میثم بحرانی تفسیر صافی - تفسیر مجمع البیان طبرسی - حیات القلوب - اور اہل سنت کی کتابون مین سے بخاری مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کتب احادیث کے علاوہ تفسیر طبری - ابن کثیر - معالم التنزیل - تفسیر کبیر - مدارک - بیضاوی - نیشاپوری - خازن - ابوسعود - روح المعانی - جلالین - سراج المنیر - فتح البیان - کشاف - غایۃ البرہان -

باب دوم - ڈاکٹر صاحب کا عجیب وغریب دعویٰ

ڈاکٹر صاحب نے اگر مباحثہ منٹگمری کو سمجھکر پڑھا ہے اور تفسیر آیۂ استخلاف کو سرسری نظر سے بھی دیکھا ہے تو یقیناً اُن کو اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ آیت استخلاف سے تینون خلافتون کا برحق ہونا اس وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ انصاف اور قواعد زبان عرب کو جب تک پس پشت نہ ڈال دیا جائے جواب ناممکن ہے - لیکن جواب لکھنا اس قدر ضروری فرض تھا کہ ڈاکٹر صاحب اسکے لیئے ہر ناکردنی امر کرنیکے لیئے تیار ہین فرماتے ہین -

"یہ وعدہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام اور مومنین سے ہے اور یہ وعدہ عین حیات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پورا ہو گیا"

پھر آگے چل کر فرماتے ہین کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اگر اس وعدہ کا پورا

؎۱ چنانچہ علمائے اہل سنت مین سے صاحب تحفہ تحفہ مین فرماتے ہین کہ مجموع این امور در کار سوائے خلفائے ثلثہ یافتہ نشد اور امام رازی تفسیر کبیر مین لکھتے ہین وہذا لم یحصل ذلک فی ایام علی رضی اللہ عنہ اور علمائے شیعہ مین سے قاضی نور اللہ شوستری کی عبارات اور فروع کافی کی اور روایات وغیرہ بہت صراحت سے اس مضمون کو بیان کر رہی ہین - دیکھو تفسیر آیت استخلاف و دور دوم مباحثہ منٹگمری ۱۲

ہونا نہ مانا جائے تو اس مین بڑی توہین آنحضرت کی ہے۔ پھر حضور سید المرسلین نہین ہو سکتے۔ حضور از فداہ ابی وامی کو تمام جہان کی بادشاہت ملی[1]۔ انتہی ملخصًا۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہین ”جو لوگ آیۂ استخلاف کو جناب سرور عالم صلعم کے زمانۂ نبوت سے مخصوص نہین کرتے اور اُسکو اصحاب ثلاثہ کی خلافت سے چسپان کرتے ہین اُن کا ایمان بالقران نہین بلکہ در پردہ دشمن اسلام ہین حضور صلعم کے سخت دشمن بے ادب گستاخ ہین۔ وہ یہ ثابت کرتے ہین کہ جناب رسول اکرم صلعم نبی آخر الزمان بشیر و نذیر سراج منیر سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ہوکر اپنے توحیدی مشن مین کامیاب نہوئے وہ غلبۂ دین و تمکین اور امن کی حسرت لیکر واصل بحق ہوئے۔ انتہی بلفظہ۔

جواب

افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے گھر کی بھی خبر نہین۔ ساجی حضرت آپ کے ائمہ معصومین کا تو اس بات پر اجماع ہے کہ یہ وعدہ عہد رسول مین پورا نہین ہوا بلکہ قریب قیامت امام مہدی کے زمانہ مین پورا ہوگا۔ آپ کے سلطان العلما مولوی سید محمد مجتہد اعظم بوارق مین فرماتے ہین۔

بلکہ اجماع اہل بیت منعقد شدہ بر اینکہ مراد از آیہ اہل بیت و شیعیان آنحضرت اند در زمان رجعت و ظہور حضرت صاحب العصر۔ روی العیاشی باسنادہ عن علی بن الحسین علیہ السلام انہ قرأ الایۃ وقال ھم واللہ شیعتنا اھل البیت یفعل اللہ ذلک بھم علی یدی رجل منا وھو مھدی ھذہ الامۃ۔

جاننا چاہیے کہ اہل بیت کا اجماع اس بات پر ہوگیا ہے کہ آیۂ (استخلاف) سے مراد اہل بیت اور اُن کے شیعہ ہین زمانہ رجعت مین جبکہ صاحب العصر کا ظہور ہوگا۔ عیاشی نے اپنی سند سے امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انھون نے اس آیت کو پڑھا اور کہا واللہ کی قسم یہ لوگ ہم اہل بیت کے شیعہ ہین اللہ اُن کے ساتھ یہ وعدہ پورا کرے گا۔ ہم مین سے ایک شخص کے ہاتھون پر جو مہدی اس اُمت کا ہوگا۔

[1] تمام جہان کی بادشاہت کا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مل جانا ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کا جاننے والا ڈاکٹر صاحب کے سوا کوئی نہین۔ اس قدر اصلیت کے خلاف باتین کرنا اور پھر اس دلیری سے ان کو ہمارے سامنے پیش کرنا بلا شبہ قابل تعریف ہے۔ شاباش شاباش۔

اور آپ کے شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری احقاق الحق میں اس آیۂ استخلاف کے متعلق لکھتے ہیں۔

وبالجملۃ ان تمکین الدین علی الوجہ الذی دل علیہ منطوق الآیۃ وسیاقہا لم یحصل فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ولا فی عہد احد من الصحابۃ الی یومنا ھذا۔

اور خلاصہ یہ کہ تمکین دین اس طریقہ پر کہ آیت کا منطوق اور اس کا سیاق دلالت کر رہا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے عہد میں حاصل نہیں ہوئی اور نہ کسی صحابی کے عہد میں حاصل ہوئی اور نہ اب تک حاصل ہوئی۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

نتعین ان المراد انجاز ذلک الوعد عند ظہور المہدی الموعود الذی سیظہر باذن اللہ تعالی فی آخر الزمان من اولاد علی۔

پس یہ بات متعین ہو گئی کہ مراد اس وعدہ کا پورا کرنا ہے بوقت ظہور مہدی موعود کے جو اللہ تعالی کے حکم سے آخر زمانے میں اولاد علی سے ظاہر ہوں گے۔

پس اب ڈاکٹر صاحب اپنے ان مجتہدین کرام بلکہ اہل بیت عظام کو جن کا اجماع مجتہد صاحب نے نقل کیا ہے دل کھول کر ایمان بالقرآن سے بے نصیب اور دشمن اسلام اور حضور صلعم کے سخت دشمن گستاخ بے ادب اور جو جو کلمات چاہیں ارشاد فرمائیں۔

ڈاکٹر صاحب کی بے خبری تو عجب تماشہ کی ہے کہ انھوں نے رسالہ تفسیر آیۂ استخلاف کو بھی نہ دیکھا اور بے دیکھے جواب لکھ ڈالا ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے مفسرین بھی بڑے گستاخ بے ادب اور رسول کے سخت دشمن ہیں وہ بھی آیۂ استخلاف کے وعدہ کا عہد نبوت کے بعد پورا ہونا بیان کرتے ہیں اور ان کے ابوالائمہ نے تو غضب ہی کر دیا کہ اس آیت کو کئی بار خلیفۂ دوم کی خلافت سے چسپاں کیا۔ اس پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ سنیئے علامہ فتح اللہ کاشانی تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھتے ہیں۔

در اندک زمانے حق تعالی بوعدۂ مومنان وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسری و بلاد روم

اور تھوڑے ہی زمانے میں حق تعالی نے جو وعدہ ایمان والوں سے کیا تھا اسکو پورا کیا اور جزائر عرب اور دیار کسری

بریشان ارزانی فرمود۔	اور بلاد روم ان کو عنایت کیجئے۔

ظاہر ہے کہ دیار کسریٰ اور بلاد روم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مین نہین بلکہ خلفائے ثلاثہ کے عہد مین مفتوح ہوئے۔

علامہ محسن کاشی تفسیر صافی مین لکھتے ہین۔

لیستخلفنهم فی الارض ای لیجعلنهم خلفاء بعد نبیهم۔	لیستخلفنہم فی الارض کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کو بعد نبی کے خلیفہ بنائے گا۔

پھر یہی مفسر اسی صفحہ مین ائمہ اہل بیت سے روایت کرتا ہے کہ

وعن الباقر ولقد قال اللہ فی کتابہ لولاۃ الامر من بعد محمد خاصۃ وعد اللہ الذین امنوا منکم الی قولہ فاولئک هم الفاسقون۔	اور امام باقر سے روایت ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب مین اُن والیان حکومت کے لیئے جو بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونگے خاص کر فرمایا کہ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگون سے جو تم مین سے ایمان لائے فاولئک ہم الفاسقون۔

لیجئے کس صفائی کے ساتھ عہد نبوت کو خارج کر کے یہ آیت خلفائے پیغمبر پر چسپان کی گئی علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان مین لکھتے ہین۔

لیستخلفنهم فی الارض والمعنی لیورثنهم ارض الکفار من العرب والعجم۔	لیستخلفنہم فی الارض کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو کفار کے ملکون کا عرب اور عجم سے مالک بنائے گا۔

ظاہر ہے کہ ملک عجم عہد نبوت کے بعد خلفائے ثلاثہ کے عہد مین مفتوح ہوا۔

نہج البلاغہ مین ہے کہ حضرت عمر نے جہاد فارس کے موقع پر خود اپنے جانے کے متعلق حضرت علی سے مشورہ لیا تو انھون نے فرمایا۔

ان هذا الامر لم یکن نصره ولا خذلانه بکثرة ولا بقلة وهو دین اللہ الذی اظهره وجنده الذی اعده وامده حتی بلغ ما بلغ وطلع	بہ تحقیق اس دین کی فتح و شکست کثرت و قلت فوج کی وجہ سے نہین ہے وہ اللہ کا دین ہے جسکو اُس نے ظاہر کیا اور اللہ کی فوج ہے جسکو اُس نے مہیا کیا اور مدد دی یہانتک کہ پہونچا جہانتک پہونچا اور طلوع ہوا جہان تک طلوع ہوا

حیث طلع ونحن علی موعود من الله والله منجز وعدہ وناصر جندہ

اور ہم لوگ اللہ کے وعدے پر ہین اور اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور اپنے لشکر کا مددگار ہے۔

علامہ ابن میثم بحرانی اس قول کی شرح مین لکھتے ہین۔

وعدنا بموعود هو النصر والغلبة والاستخلاف فی الارض کما قال وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض

اللہ نے ہم سے وعدہ کیا ہے مدد اور غلبہ کا اور زمین مین خلیفہ بنانے کا جیساکہ فرمایا وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض۔

حضرت علی مرتضیٰ نے ایک دوسرے موقع پر جب جہاد روم کے لیے حضرت عمر نے مشورہ لیا تو ارشاد فرمایا۔

قد توکل الله لاهل هذا الدین باعزاز الحوزة وستر العورة۔ نہج البلاغہ۔

بتحقیق اللہ ذمہ دار ہو گیا ہے اس دین والون کی جماعت کو عزت دینے اور اُن کی کمزوری کو چھپانے کا

اس کلام کی شرح مین شارحین نہج البلاغہ کا اتفاق ہے کہ جناب امیر نے اللہ کی ذمہ داری کا مضمون آیت استخلاف ہی سے لیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن میثم لکھتے ہین۔

وهذا الحکم ماخوذ من قوله تعالی وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت

یہ مضمون اللہ تعالی کے قول وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت سے جناب امیر نے لیا ہے۔

کیون جناب ڈاکٹر صاحب کیا آپ کے نزدیک بھی آپ کے یہ مفسرین اور جناب ابو الائمہ دشمن اسلام دشمن رسول اور سخت گستاخ تھے۔

ڈاکٹر صاحب آپ نے دیکھا یہ نتیجہ ہے حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو اس آیت کی موعودہ خلافت نہ ماننے کا کہ یا تو آیت کی تکذیب کرنا پڑتی ہے جیساکہ آپ کے مناظر مولوی محمد علی اور آپ کے مجتہدین سابقین نے کی اور یا آپ کی طرح بدیہیات کے خلاف یہ کہنا پڑتا ہے کہ تمام جہان کی بادشاہت رسول کو مل گئی تھی اور اپنے علماء مجتہدین اور ائمہ معصومین کو دشمن اسلام دشمن پیغمبر سخت گستاخ و بے ادب ماننا پڑتا ہے۔

باقی رہا ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا اگر آیت استخلاف کے وعدہ کا عہد رسول مین پورا ہونا نہ مانا جائے تو اس مین رسول کی توہین ہے سمجھ مین نہیں آتا کہ اس مین توہین کیا ہے حقیقت مین

جو فتوحات خلفائے راشدین کو حاصل ہوئین اور جو ترقی دین کی ان کے عہد مین ہوئی وہ سب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے ؎

شاکر فیض تو چمن چون کند اے ابر بہار | کہ اگر خار و گر گل ہمہ آوردہ تست

حسرت لیکر دنیا سے جانا جن کی قسمت مین تھا ان کو دنیا جانتی ہے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حسرت لیکر کیون جاتے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار لائق شاگرد اپنے چھوڑ کر گئے جن کے کمالات وصفات کی نظیر چشم فلک نے نہین دیکھی جنھون نے اپنے استاد برحق کی تعلیم کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا ایسی کامیابی تو جماعت انبیا مین کسی کو نہین ہوئی۔

ہان آپ کے رسول بے شک حسرت و ارمان لیکر چل بسے جو مارے خوف کے علانیہ تبلیغ قرآن بھی نہ کر سکے اور نہ معلوم کتنی آیتین قرآن کی انھون نے چھپا ڈالین[1] ساری عمر اس تمنا مین رہے کہ میری اولاد کے لئے دنیاوی عیش وعشرت کا سامان ہو جائے بڑی بڑی کوششین کین کبھی یہ اعلان دیا کہ میرے اولاد کی محبت میری رسالت کی اُجرت ہے کبھی اپنے داماد کی خلافت کا اعلان دیا غرضکہ عمر بھر اسی سعی مین رہے مگر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اپنے مشن مین بھی ایسے ناکام رہے کہ ساری عمر کی محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب دنیا سے جانے لگے تو صرف چار مسلمان چھوڑ گئے وہ بھی ناقص[2] لاحول ولا قوۃ الا باللہ آیت استخلاف کے وعدہ کا عہد رسول مین پورا ہونا اگر اس وجہ سے ضروری سمجھا جائے کہ جتنی پیشین گوئیان قرآن وحدیث مین ہین اُن سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پورا ہونا چاہیئے ورنہ صداقت کے خلاف ہوگا اور یہ توہین ہے **تو جواب** یہ ہے کہ قرآن شریف مین صاف تصریح اس امر کی ہے کہ بعض پیشین گوئیان آپ کے بعد پوری کیجائین گی یہ آیت قرآن مجید مین متعدد جگہ ہے واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک یعنی اے نبی ہم بعضے

[1] جیسا کہ مولوی دلدار علی مجتہد اعظم نے عماد الاسلام مین اسکی تصریح کی ہے ان کی عبارت بلفظہ للاول من المائتین مین دیکھو ۱۲ [2] حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۔۔ مین ہے ۔۔ کشی بسند حسن از حضرت امام باقر روایت کردہ است کہ اصحاب بعد از حضرت رسول مرتد شدند مگر سہ نفر سلمان ابوذر و مقداد راوی گفت عمار چہ شد فرمود کہ اندک میلے کرد و بزودی برگشت پس فرمود کہ اگر کسے را خواہی کہ ہیچ شک نکردہ باشد و رفتہ نہ شد مقداد است ۱۲

وعدے آپ کو دکھا دین گے اور بعض کے پورے ہونے سے پہلے آپ کو وفات دیدین گے۔

اسی ایک آیت استخلاف پر کیا موقوف ہے بہت سی پیشین گوئیان ایسی ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کے ہاتھون پر پوری ہوئین از انجملہ غزوۂ خندق مین فتح ایران وروم کی پیشین گوئی ہے جو کتب شیعہ مین بھی موجود ہے[1]۔

اس سلسلہ مین ایک بات قابل بیان یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کیون لکھی ہے چنانچہ چند تعریفی کلمات تو ان کی عبارت منقولۂ بالا مین موجود ہین اور اس کے بعد فرماتے ہین کہ "کوئی بشر ان کے مرتبہ کو نہ پہونچ سکا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معرفت الوہیت کی شفاعت اور تزکیہ نفس ہم کو اسی کامل خیر البشر سے

[1] چنانچہ روضۂ کافی صفحہ ۲۰ مین امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ پیشین گوئی منقول ہے جس کے آخر مین رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ لقد فتحت علی فی ضربتی ھذہ کنوز کسریٰ وقیصر- اس روایت کو علامہ باذل حملۂ حیدری مین اس طرح نظم کرتے ہین ؎

بدان فاقہ وضعف سالار دین	ستد تیشہ از دست انصار دین	چو برداشت زلا و خارا شگاف
درآمد بر آن خارہ ان کوہ قاف	بنام خدائے جہان آفرین	بزد تیشہ را سید المرسلین
بیک گوشہ سنگ از ہم شکست	دران وقت برقے ازان سنگ جست	کہ ز ردش بشد آن دست صحرا تمام
برآورد تکبیر خیر الانام	بضرب دوم ضلع دیگر شکست	بران گونہ برقے اند باز جست
بفرمود تکبیر بار دوم	بزد پس بران سنگ ضرب سوم	دران بار ہم جست برقے عیان
نبی شد بتکبیر رطب اللسان	شد این بار آن سنگ زیر و زبر	نماند احتیاجش بضرب دگر
دران دم بدو گفت سلمان چنین	کہ اے خاک راہت سپہر برین	ندیدم ہرگز کہ گردد پدید
برینگونہ برقے ز سنگ و حدید	چہ بد این و باشد چہ تعبیر آن	بتکبیر چون برگشودی زبان
بپاسخ چنین گفت خیر البشر	کہ چون جست برق نخست از حجر	نمودند ایوان کسرے بمن
دوم قیصر روم و سوم از یمن	سبب را چنین گفت روح الامین	کہ بعد از من اعوان وانصار دین
بران ملکہا مسلط شوند	بامن من اہل آن بگروند	برین مژدہ بشر لطف خدا
بہر بار تکبیر کردم ادا	شنیدند آن مژدہ چون مومنان	کشیدند تکبیر شادی کنان

نصیب ہوئی - اسکے بعد ڈاکٹر صاحب نے متعدد آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح مین نقل کر کے ایک صفحہ سے زائد اس مین صرف کر دیا ہے آخر یہ بات کیا ہے اور اس مقام پر اس کی کیا ضرورت ہے -

بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے مذہب کی پیشانی سے وہ کلنک کا ٹیکہ مٹانا چاہتے ہین جو کسی طرح مٹ نہین سکتا یعنی یہ کہ مذہب شیعہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور آپ کی شان بے مثلی کو مٹانے کے لئے مسالہ امامت کو تصنیف کیا ہے - اور آپ کے بعد ایک دو نہین بارہ ہستیان ہر بات مین آپ کے مثل قرار دی ہین -

مگر ڈاکٹر صاحب یاد رکھین کہ اس زبانی جمع خرچ سے یہ الزام دفع نہین ہو سکتا یہ داغ چھڑانا ہے تو ان اعتقادات کا جواب دینا چاہیئے جو مسالہ امامت کے سلسلہ مین ایجاد کیئے گئے ہین

باب سوم - دعوی مذکور کے متعلق تفسیرونکے حوالے اور انکی حقیقت

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس عجیب غریب دعوے کے ثبوت مین کہ آیت استخلاف کا وعدہ عہد نبوی مین پورا ہو گیا کتب تفاسیر کا بھی حوالہ دیا ہے - مگر ہوشیاری یہ کی ہے کہ بعض تفسیرون کا صرف نام لکھدیا ہے عبارت نہین نقل کی اور بعض کی اصل عبارت نہین صرف ترجمہ پر قناعت کی ہے اور ترجمہ بھی صرف اس جز کا کیا ہے جس کو اپنے موافق سمجھا حالانکہ وہ بھی ان کے موافق نہین اور دو ایک تفسیرون کی عبارت بھی نقل کی ہے اور اس مین بھی یہی کارروائی کی ہے -

حالانکہ حق تو یہ تھا کہ اگر کسی تفسیر مین ایسا ہوتا بھی تو وہ ناقابل رد تھا اس لیے کہ منطوق قرآنی کے خلاف کسی کا لکھنا ہرگز قابل سماعت نہین ہو سکتا -

آیت قرآنی مین جس استخلاف کا وعدہ ہے وہ ملک عرب جیسے جزیرہ کی بادشاہت سے پورا نہین ہو سکتا کیونکہ خدا نے اس استخلاف کو بنی اسرائیل کی بادشاہت سے تشبیہ دی ہے اور بنی اسرائیل کی متعلق قرآن مجید مین ہے وآتینا هم ملکا عظیما جزیرہ عرب کی حکومت جہان نہ کوئی غیر معمولی تجارت تھی نہ زراعت نہ اور کسی قسم کی مالی منفعت اور ثروت ملک صغیر بھی نہین کہی جا سکتی چہ جائیکہ ملک عظیم -

علی ہذا تبدیل خوف اور تمکین دین جسکا وعدہ آیت مین ہے وہ بھی معمولی چیز نہین ہے بلکہ ملک عظیم کے مناسب اُس کا بھی درجہ ہونا چاہیئے۔ حقیقت مین یہ دونون چیزین اسی استخلاف کے نتائج و لوازم سے ہین لہذا استخلاف جس درجہ کا ہے اسی درجہ کی یہ دونون چیزین بھی ہونگی۔

ایک اور آیت مین تمکین دین اور تبدیل خوف کو باین عنوان بیان فرمایا لیظہرہ[1] علی الدین کلہ یعنی خدا نے اپنے رسول کو اسلیئے بھیجا ہے کہ دین برحق کو کل دینون پر غالب کردے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ تبدیل خوف اور تمکین دین اس درجہ کی ہونی چاہیئے کہ روئے زمین پر جس قدر مذاہب ہین وہ سب دین اسلام کے سامنے مغلوب ہوجائین۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین نہ یہ ملک عظیم حاصل ہوا نہ روئے زمین کے موجودہ تمام مذاہب پر دین اسلام کو غلبہ ہوا مجوسیون کا دین ایران مین تھا اور ایک بڑی زبردست سلطنت اُسکے قبضہ مین تھی اور مسیحیون کا دین روم مین تھا وہ بھی ایک بڑی پرقوت بادشاہت کا مالک تھا۔ یہ دونون سلطنتین جب خلفائے راشدین کے عہد مین مفتوح ہوئین اُسوقت یہ دونون دین مغلوب ہوگئے اور موعودہ استخلاف اور موعودہ تمکین کے حصول مین کوئی شک نہ رہا ہان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر زمانہ مین کچھ آثار ان وعدون کے پورے ہونے کے پیدا ہوچلے تھے جسکو آیات قرآنیہ مین جابجا بیان فرمایا ہے ازانجملہ ایک موقع پر ارشاد ہے کہ اولم یروا انا نأتی الارض ننقصہا من اطرافہا کیا یہ لوگ نہین دیکھتے کہ ہم زمین کفر کو چارون طرف سے گھٹاتے چلے آتے ہین یعنی کافرون کے مقبوضات کم ہورہے ہین اور مسلمانون کے مقبوضات بڑھ رہے ہین اس سے یہ نتیجہ یہ لوگ کیون نہین نکالتے کہ ہمارے وعدون کے پورے ہونے کے دن قریب آرہے ہین۔

غرضکہ منطوق آیت صاف بتا رہا ہے کہ آیۂ استخلاف کے وعدے عہد رسول مین پورے

[1] اس آیت کی تفسیر مین ایک مستقل رسالہ دفتر النجم سے شائع ہوچکا ہے یہ آیت بتارہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ اُس وقت کے تمام موجودہ مذاہب پر دین اسلام غالب ہوجائے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد فتح ایران وروم کے بعد حاصل ہوا اور ایران وروم حضرت خلفائے ثلاثہ کے زمانہ مین فتح ہوئے معلوم ہوا کہ ان کی خلافت مقصد بعثت کے حصول کا آلہ تھی اسی کو خلافت راشدہ کہتے ہین۔

نہیں ہوئے پھر اسکے خلاف کوئی مفسر لکھتا تو کیسے قابل قبول ہوتا۔ مگر یہاں تو محض افترا ہی افترا ہے ایک مفسر نے بھی اسکے خلاف نہیں لکھا ملاحظہ ہو۔

تفسیر ابن جریر طبری اس تفسیر کا نام تو ڈاکٹر صاحب نے لکھدیا مگر نہ اصل عبارت نقل کی نہ ترجمہ۔ حالانکہ تفسیر مذکور میں صاف یہ عبارت ہے۔

لیستخلفنهم فی الارض لیورثنهم الله ارض المشرکین من العرب و العجم فیجعلهم ملوکها و ساستها

لیستخلفنہم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو مشرکین کے ملک عرب و عجم کا مالک بنانے گا ان کو ان کا بادشاہ اور نگہبان مقرر کرے گا۔

آپ بتائیے کہ عجم کی لفظ جو اس عبارت میں ہے وہ عہد رسول پر کیسے صادق آسکتی ہے آپ کے سامنے ملک عجم کہاں مفتوح ہوا تفسیر فتح البیان اس تفسیر کا ڈاکٹر صاحب نے ایک نا تمام جملہ نقل کر کے چھوڑ دیا حالانکہ اس تفسیر کی عبارت یہ ہے۔

وانجز الله وعده واظهرهم علی جزیرة العرب وافتتحوا بعد بلاد المشرق والمغرب ومزقوا ملك الاکاسرة وملکوا خزائنهم واستولوا علی الدنیا وفی الایة اوضح دلیل علی صحة خلافة ابی بکر الصدیق والخلفاء الراشدین بعده لان المستخلفین الذین امنوا وعملوا الصالحات هم هم وفی ایامهم کانت الفتوحات العظیمة وفتحت کنوز کسری وغیره من الملوك وحصل الامن والتمکین وظهور الدین۔

اور اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان لوگوں کو جزیرۂ عرب پر غالب کردیا اور بعد میں انھوں نے شرق و غرب کے شہر فتح کئے اور شاہان ایران کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ان کے خزانوں کے مالک ہوگئے اور دنیا پر غالب آگئے اور اس آیت میں نہایت واضح دلیل ہے حضرت ابوبکر صدیق اور خلفائے راشدین کی خلافت کے حق ہونے پر کیونکہ جن مؤمنین صالحین کو خلافت ملی وہ وہی تھے انھیں کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور شاہ ایران وغیرہ کے خزانے فتح ہوئے اور امن اور تمکین اور ظہور دین حاصل ہوا۔

اس عبارت اور ایسی صراحت کے ہوتے ہوئے بھی ڈاکٹر صاحب نے فتح البیان کا حوالہ دینے میں تامل نہ کیا۔ واقعی یہ جرأت شیعہ صاحبان کے مخصوصات سے ہے۔

جو نا تمام عبارت اس تفسیر کی ڈاکٹر صاحب نے نقل کی ہے اس کا صرف اس قدر

مقصد ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کے وعدون کا آغاز ہو چلا تھا نہ یہ کہ وعدے تکمیل کو پہونچ گئے تھے۔

تفسیر ابن کثیر ڈاکٹر صاحب نے اس تفسیر کی عبارت نہین نقل کی ترجمہ لکھا ہے وہ بھی اول وآخر کی عبارت چھوڑ کر۔

ڈاکٹر صاحب نے اس فقرہ سے تفسیر مذکور کی عبارت شروع کی ہے "اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا کر دیا"، اور اس سے اوپر کی حسب ذیل عبارت جو اُن کے مقصد فاسد کو فنا کر رہی تھی چھوڑ دی۔

ھذا وعد من اللہ تعالیٰ لرسولہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ بانہ سیجعل امتہ خلفاء الارض ای ائمۃ الناس والولاۃ علیہم وبہم تصلح البلاد وتخضع لہم العباد ولیبدلنہم من بعد خوفہم من الناس۔

یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسکے رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے کہ اللہ انکی اُمت کو زمین کا خلیفہ یعنی لوگون کا امام اور ان پر حاکم بنائے گا اور اُن سے شہرون کی اصلاح ہوگی اور بندگان خدا ان کے مطیع ہون گے اور ضرور ضرور خدا ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

پھر ڈاکٹر صاحب کی منقولہ عبارت کے بعد بلا فصل یہ عبارت ہے ثم لما مات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واختار لہ ما عندہ من الکرامۃ قام بالامر بعدہ خلیفۃ ابوبکر الصدیق الی آخرہ یہ سب عبارت چھوڑ دی اس عبارت مین تینون خلفا اور انکے فتوحات کا ذکر ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جو ٹکڑا تفسیر مذکور کے ترجمہ کا لکھا ہے اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ آیت استخلاف کے بعض وعدون کا آغاز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک مین ہو چکا تھا یہ مضمون اس مین کہین نہین کہ یہ وعدے عہد نبوی مین پورے ہو گئے تھے۔

یہی حال تفسیر ترجمان القرآن کا ہے۔

تفسیر خازن اس تفسیر کی عبارت بھی ڈاکٹر صاحب نے قطع و برید کر کے نقل کی ہے مگر عجیب لطف یہ ہے کہ خود ڈاکٹر صاحب کی منقولہ عبارت مین یہ فقرہ موجود ہے یعنی لیستخلفنہم لیورثنہم ارض الکفار من العرب والعجم یعنی اللہ ان کو کفار کی زمین عرب و عجم دونون کا

بتائیں گا اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت استخلاف کا وعدہ عہد نبوی مین نہین بلکہ عہد خلفاء مین پورا ہوا مگر ڈاکٹر صاحب نے خدا جانے کیا سمجھکر اس فقرہ کو نقل کر دیا۔

پھر ڈاکٹر صاحب کی منقولہ عبارت کے بعد تفسیر خازن مین یہ عبارت ہے۔

وفی الآیۃ دلیل علی صحۃ خلافۃ ابی بکر الصدیق والخلفاء الراشدین بعدہ لان فی ایامہم کانت الفتوحات العظیمۃ وفتحت کنوز کسریٰ وغیرہ من الملوک وحصل الامن والتمکین وظہور الدین۔

اس آیت مین حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بعد جو خلفائے راشدین ہوئے ان کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ انھین خلفا کے زمانہ مین بڑے بڑے فتوحات ہوئے اور کسریٰ وغیرہ بادشاہون کے خزانے فتح ہوئے اور امن وتمکین وغلبہ دین حاصل ہوا۔

اب ڈاکٹر صاحب خود ہی بتائین کہ یہ کارروائیان نقل عبارت میں جو انھون نے کی ہین کس نام سے یاد کیجائین ہم اپنی طرف سے نہ اُن کو خیانت کہنا چاہتے ہین نہ دیانت ڈاکٹر صاحب جو نام تجویز فرماوین ہمکو منظور ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت استخلاف کے شان نزول کو بھی اس امر کی دلیل قرار دیا ہے کہ یہ وعدے عہد نبوی مین پورے ہوگئے وہ شان نزول خود ڈاکٹر صاحب کے الفاظ مین یہ ہے "حکم ہوا مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا پھر وہ آئے مدینہ مین اور ان کو حکم دیا اللہ نے لڑائی کا اور وہ وہان بھی خائف تھے اور صبح شام سلاح بند رہتے تھے پھر جب تک اللہ نے چاہا اسی حالت مین رہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مین سے ایک شخص بولا یا رسول اللہ ابد الدہر نحن خائفون ھکذا ما یاتی علینا یوم نامن فیہ ونضع فیہ السلاح یعنی یا رسول اللہ کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خائف رہین گے کیا ہم پر ایسا زمانہ نہ آئے گا جس مین ہم بے خوف ہون اور ہتھیار کھول دین پھر آنحضرت نے فرمایا تم صبر نہ کروگے مگر تھوڑا سا""

ڈاکٹر صاحب بتائین کہ اس شان نزول سے عہد نبوی مین پورا ہونا کیونکر ثابت ہوا۔ ہان یہ شان نزول آپ کے مجتہدین اور ائمہ اہل بیت کے اس قول کا بے شک رد کر رہا ہے

کہ امام مہدی کے زمانہ میں یہ وعدے پورے ہوں گے۔ عہد نبوی میں پورا ہونا نہ ہونا اس شان نزول سے کیا تعلق رکھتا ہے۔ شاید ڈاکٹر صاحب کہیں کہ "تھوڑا سا صبر" عہد نبوی ہی میں پورے ہونے کو چاہتا ہے۔ تو ان کو یہ بتانا چاہیئے کہ تھوڑے سے صبر کی حد کیا ہے اور کیا عہد خلفائے راشدین تک وہ صبر باقی نہ تھی۔

ڈاکٹر صاحب: دعوی تو آپ نے بڑے طمطراق سے کر دیا کہ آیت استخلاف کے وعدے عہد رسول میں پورے ہو گئے اور تفسیروں کے نام بھی گنا دیئے کچھ عبارتیں بھی نقل کر دیں لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کہیں کے بھی نہ رہے اور علم و دیانت کا پردہ فاش ہوا وہ مزید براں۔

مناسب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے تین لطیفے اور اس مقام پر زیب رقم کر دیئے جائیں۔

لطیفۂ اول فرماتے ہیں کہ آیت استخلاف کا وعدہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ الذین امنوا کی لفظ رسول کو بھی شامل ہے کیونکہ آپ اول المومنین ہیں اور یہ آیت قرآنی بھی آپ نے اس موقع پر لکھدی امن الرسول بما انزل الیہ مطلب یہ کہ جب رسول بھی ایمان رکھتے ہیں تو الذین امنوا کی لفظ ان کو بھی شامل ہو گئی۔

سبحان اللہ کیا نفیس استدلال اور کیسی نفیس بات ڈاکٹر صاحب نے پیدا کی زرارہ اور ابو بصیر ہوتے تو بڑی قدر کرتے۔

ڈاکٹر صاحب پہلے تو خود اپنی تفسیریں ملاحظہ فرمائیں مثلاً تفسیر مجمع البیان طبرسی میں الذین امنوا کی تفسیر میں لکھا ہے صدقوا باللہ ورسولہ وبجمیع ما یجب قبولہ یعنی الذین آمنوا سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اللہ کی اور اسکے رسول کی اور تمام اُن باتوں کی جن کا قبول کرنا ضروری ہے تصدیق کی۔ دیکھئے ڈاکٹر صاحب یہ آپ کا مفسر صاف بتا رہا ہے کہ رسول مراد نہیں ہیں بلکہ رسول کی تصدیق کرنے والے مراد ہیں۔

رسول کا ایمان دار ہونا بیشک صحیح ہے مگر الذین امنوا سے قرآن مجید میں کہیں رسول مراد نہیں بلکہ بیسیوں آیتیں ایسی ہیں کہ وہاں اگر الذین امنوا میں رسول کو داخل کیا جائے تو کفر ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب اگر ایک آیت بھی ایسی دکھا دیں کہ الذین امنوا میں رسول کو داخل کیا گیا ہو تو جو انعام وہ مانگیں دیا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب اگر اسی طرح عقلی گدگدگاتا ہے کہ ناس کی لفظ قرآن مین جہان جہان ہے اُس سے رسول مراد ہین کیونکہ رسول بھی انسان تھے۔ اور بنی آدم کی لفظ جہان جہان ہے اُس مین بھی رسول داخل ہین کیونکہ رسول بھی آدم کی اولاد تھے۔

لطیفہ دوم آیت استخلاف مین جو لفظ منکم ہے اس مِن کے تبعیضیہ و بیانیہ ہونے کی بحث بھی ڈاکٹر صاحب نے اٹھائی ہے۔

ڈاکٹر صاحب مِن کا تبعیضیہ ہونا اپنے مقصد کے خلاف سمجھکر مِن کے بیانیہ ہونے پر زور دیتے ہین آپ کے خیال شریف مین ہے کہ مِن تبعیضیہ ہونے کی صورت مین آیت کے وعدے بعض مومنین صالحین کے لئے مخصوص ہون گے اور حضرات خلفائے ثلاثہ آیت کے موعود لہم قرار دیا جائین گے حالانکہ کسی نے بھی آیت استخلاف کا موعود لہ بعض مومنین صالحین کو نہین قرار دیا بلکہ نزول آیت کے وقت جتنے مومنین صالحین موجود تھے اُن سب کو آیت کا موعود لہم مانا گیا ہے البتہ وعدون کے پُورے ہونے کی صورت یہ ہوئی ہے کہ اُس جماعت کے تین حضرات کو وہ نعمتین دی گئین اور فائدہ نعمتون کا سب کو حاصل ہوا مِن خواہ تبعیضیہ ہو خواہ بیانیہ ہر صورت مین حقیقت ہر سہ خلافت کا ثبوت آیت سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب عربی زبان مین بڑا کمال رکھتے ہین وہ مِن تبعیضیہ کا مطلب یہ سمجھتے ہین جہان مین آیا وہان بعض اشخاص مراد ہوتے ہین اسی بنا پر آپ نے متعدد آیتین قرآن مجید کی لکھ ڈالین کہ دیکھو یہان بعض اشخاص مراد نہین ہین مثلاً ایک آیت یہ لکھی ہے من قتلہ منکم متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یعنی جو کوئی تم مین سے جان بوجھکر شکار مارے گا تو جیسے جانور کو مارا ہے ویسی ہی اُسکی جزا مین دے گا۔ یہ لکھکر فرماتے ہین کہ اگر منکم سے بعض مراد لین تو احرام کی حالت مین بعض کو شکار کرنے کی اجازت ہے۔

خدا جانے ڈاکٹر صاحب نے کس قابل اُستاد سے عربی زبان پڑھی ہے کہ اب تک مِن تبعیضیہ کا مطلب آپ کو معلوم نہ ہوا حضرت ! تبعیضیہ کا مطلب یہ ہے کہ اسکا ماقبل اسکے مابعد کا بعض یعنے جزو ہوتا ہے جیسا کہ آپ کی منقولہ آیت مین قاتلین صید حاضرین مین سے بعض ہی ہون گے مگر جو قاتل صید مین ان سب کو جزا دینے کا حکم ہے نہ بعض کو۔

آیت استخلاف میں مِن تبعیضیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حاضرین میں سے بعض لوگ جو مومن صالح ہیں ان سے خدا کا یہ وعدہ ہے اس صورت میں کُم کا خطاب اس وقت کے تمام نبی آدم سے ہوگا جن میں مومن و کافر سب ہیں اور ترجمہ یوں ہوگا وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ای نبی آدم تم میں سے مومن صالح ہیں ۔ اور بیانیہ ہونے کی صورت میں کُم کا خطاب صرف مومنین صالحین سے ہوگا اور ترجمہ یوں ہوگا ۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے مومنین صالحین سے یعنی اے حاضرین تم سے الغرض ڈاکٹر صاحب کا یہ لطیفہ بہت بڑھیا ہے کہ آپ کو مِن تبعیضیہ کا مطلب بھی معلوم نہیں اور مباحث قرآنیہ میں دخل در معقولات کے لیئے تیار ہیں ۔

لطیفہ سوم ۳ ڈاکٹر صاحب منکم کی ضمیر کم کو حاضر کے لیئے مخصوص نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اس میں حضرات اصحاب ثلاثہ کی کوئی خصوصیت نہیں اور اگر حاضر کی ضمیر ان سے عوام اُمت کو خارج کر دیا جائے تو اسلام باقی نہیں رہتا اور نہ کوئی حکم جاری ہو سکتا ہے اسلام کے احکام کی تکلیف صرف اصحاب ثلاثہ پر رہ جاتی ہے باقی مسلمان و صحابہ نماز روزہ حج زکوٰۃ خمس جہاد سے آزاد ہو جاتے ہیں ۔

پھر فرماتے ہیں کہ ،، شواہد قرآنی موجود ہیں جن میں صرف ضمیر کم پر داخل ہے اور خطاب جمیع اُمت کے لیئے ہے نہ بعض افراد کے لیئے ورنہ اکثر حصہ امت کا بہت احکام شرعیہ سے معطل نظر آتا ہے ۔ پھر فرماتے ہیں کہ ،، حاضر کی ضمیر منکم حاضر کے واسطے مخصوص نہیں بلکہ اس کا حکم عام ہے اسی طرح آیہ استخلاف میں ضمیر منکم سے حضرات اصحاب ثلثہ کی تخصیص کرنا عدم واقفیت قرآن کا نتیجہ ہے ،،

یہ لطیفہ بہت سے لطائف پر مشتمل ہے سب کی تفصیل موجب تطویل ہے لہٰذا مختصراً گذارش ہے

(۱) ڈاکٹر صاحب کس نے کہا ہے کہ آیہ استخلاف میں خطاب صرف حضرات خلفائے ثلثہ سے ہے ۔ برائے خدا اس قائل کا نام تو بتایئے ۔ اجی حضرت نہ کسی نے خطاب کو ان کے لیئے مخصوص کیا نہ دعوےدار کو اب تک آپ نے نہ آیت استخلاف کا مطلب سمجھا نہ اہل سنت کا استدلال آپ کی فہم مبارک میں آیا ۔

(۲) خود آپ کے اصول فقہ میں تصریح ہے کہ حاضر کا صیغہ حاضر کے لیئے مخصوص ہوتا ہے

البتہ احکام دلیل خارجی کی وجہ سے غائبین بھی حاضرین کے ساتھ شامل کر لیے جاتے ہیں معالم الاصول کی عبارت اوپر نقل ہو چکی اور روئداد مباحثہ منٹگمری میں بھی موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آیت استخلاف میں کوئی حکم نہیں بیان کیا گیا لہذا آپ اسکو آیات احکام پر قیاس کر کے اپنے علم و واقفیت کا پردہ کیوں چاک کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اگر حاضر کا صیغہ حاضر کے لیے مخصوص نہ ہو تو لغت بالکل بیکار اور لغو ہوئی جاتی ہے عدم واقفیت نہیں بلکہ عداوت قرآن کا نتیجہ ہے کہ آپ ایسی معمولی بات کو بھی نہیں سمجھ نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اسی سلسلہ میں وہ آیت بھی نقل کی ہے کہ خدا نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمکو فرعون کے ظلم سے نجات دی حالانکہ نزول قرآن کے وقت جو بنی اسرائیل موجود تھے ان کو نجات نہیں ملی تھی بلکہ ایک ہزار سال پیشتر کے بنی اسرائیل کو نجات ملی تھی ڈاکٹر صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حاضر کے صیغے بول کر ایک ہزار سال قبل کے لوگ مراد ہوئے لہذا معلوم ہوا کہ حاضر کے صیغے حاضر کے لیے مخصوص نہیں ہوتے۔

اب ڈاکٹر صاحب کو کون سمجھائے اجی حضرت! اس آیت میں بھی خطاب انھیں بنی اسرائیل سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے ایک ہزار قبل کے بنی اسرائیل ہرگز اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں۔ ہاں جو نعمتیں ان کے باپ دادا کو دی گئیں تھیں وہ ان کے طرف منسوب کی گئی ہیں کجا ایک چیز کو دوسرے کی طرف منسوب کرنا اور کجا ضمیر حاضر سے غائبین کو مراد لینا ان دونوں باتوں کا فرق جس کی سمجھ میں نہ آئے وہ قابل خطاب نہیں۔

باب سوم۔ دعویٰ مذکور کے ثبوت میں آیات قرآنیہ کے حوالے اور انکی حقیقت

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس نرالے دعوے کے ثبوت میں کہ آیت استخلاف کے وعدے عہد نبوی میں پورے ہو گئے متعدد آیات قرآنیہ لکھ ڈالی ہیں اور اس کا نام تفسیر القرآن بالقرآن رکھا ہے خدا کی قدرت جن کے اسلاف قرآن کو معمہ و چیستان کہتے تھے اور یہی زبردست ثبوت اقرار

لہ النجم کے مسلک دوم حصہ دوم میں علمائے شیعہ کی تصریحات اس مضمون کی نقل ہو چکی ہیں کہ ائمہ کے سوا قرآن کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

کرتے تھے کہ ہم قرآن کو نہیں سمجھتے آج اُن کے خلاف قرآن دانی کا دعویٰ کر رہے ہین ۱ور مسلمانون کی ریس مین تفسیر القرآن بالقرآن لکھنے کے مدعی ہین۔ مگر ڈاکٹر صاحب کہین ایسا نہو کہ کوا ہنس کی چال چلا اپنی چال بھی بھول گیا ؎

کلاغے تگ کبک در گوش کرد ؛ تگ خویشتن ہم فراموش کرد

ڈاکٹر صاحب نے تفسیر القرآن بالقرآن کے نام سے آیتین تو بہت سی نقل کردین مگر ایک آیت کو بھی اصل مقصد سے ذرہ برابر لگاؤ نہین کچھ آیتین تو آپ نے یہ فرما کر نقل کی ہین کہ اگلی اُمتون کا مدوجزر اتار چڑھاؤ ان آیات مین بیان کیا گیا ہے اور کچھ آیتین یہ فرما کر نقل کی ہین کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معرفت الوہیت تزکیہ نفس ہم کو خیر البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نصیب ہوئی۔ ان دونون قسم کی آیتون کا اصل مقصد سے بے تعلق ہونا ظاہر ہے اور خود ڈاکٹر صاحب خود ہی مقر ہین لہذا ہم صرف اُن آیتون پر نظر کرتے ہین جن کو ڈاکٹر صاحب اصل مقصد سے متعلق فرماتے ہین۔

ڈاکٹر صاحب یہ لکھکر کہ وعدہ الٰہی پورا ہوا خوف جاتا رہا یہ دو آیتین نقل کرتے ہین۔

(۱) یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک (۲) براءۃ من اللہ ورسولہ

ان دونون آیتون مین کہین بھی آیت استخلاف کے وعدون کے پورے ہونے یا موعودہ امن کے حاصل ہونے کا تذکرہ نہین۔ غالباً ڈاکٹر صاحب کھینچ تان کر یون استدلال کرین گے کہ ان دونون آیتون مین تبلیغ کا حکم اور کفار مکہ سے برارت کا اعلان ہے اور یہ دونون باتین خوف کی حالت مین نہین ہو سکتین لہذا معلوم ہوا کہ خوف جاتا رہا اور امن حاصل ہو گیا۔

جواب یہ ہے کہ ہم بکثرت مکی آیتون مین کفار مکہ کی مذمت ان کی تذلیل و توہین کے الفاظ دکھا سکتے ہین وہان بھی آپ کا یہ استدلال جاری ہو جائے گا کہ یہ باتین خوف کی حالت مین نہین ہو سکتین لہذا معلوم ہوا کہ قبل ہجرت آغاز نبوت ہی کے وقت سے امن حاصل تھا حالانکہ اسکے آپ بھی قائل نہین اور اگر ایسا ہوتا تو آیت استخلاف مین حاصل شدہ چیز کا وعدہ لغو ہوا جاتا ہے۔

اور لیجئے ہم خاص یہ مضمون بھی مکی آیتون مین دکھا سکتے ہین یعنی تبلیغ کا حکم اور کفار سے برارت کا اعلان سورہ مدثر مین ہے یا ایھا المدثر قم فانذر اور سورۂ کافرون مین شروع سے آخر تک کفار سے

برات و بے تعلقی ہی کا اعلان ہے۔ اور اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ خوف جاتا رہا تو صرف کفار مکہ ہی کا خوف تو گیا دوسرے کفار کا خوف باقی تھا کفر کی دو زبردست طاقتیں یعنی سلطنت روم وایران کی موجودگی میں ہرگز وہ بے خوفی و امن نہیں حاصل ہو سکتا جس کا وعدہ آیۂ استخلاف میں ہے اور جیسا کہ آیۂ لیظہرہ علی الدین کلہ سے بھی ظاہر ہے خصوصاً جبکہ عہد نبوت ہی میں دونوں مذکورہ سلطنتوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی تھی شاہ ایران نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ عالی چاک کیا آپ کے قتل کا حکم دیا بادشاہ روم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیئے فوجیں بھرتی کر رہا تھا ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں سلطنتوں کے رہتے ہوئے مسلمان امن میں تھے

اسکے بعد ڈاکٹر صاحب انتہائی جوش میں آکر فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جو وعدہ اپنے حبیب مقدس و معصوم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ نور میں سنہ ہجری میں فرمایا تھا وہ سنہ ہجری فتح مکہ کے روز پورا کر دکھایا، اور اسکے ثبوت میں آپ نے یکم کیارہ آیتیں گنا دیں کہ کسی طرح شیعوں کی قرآن دانی تو ظاہر ہو مگر افسوس کہ معاملہ برعکس ہے ہر شخص ان آیتوں کو دیکھکر سمجھ لیگا کہ اگر قرآن سمجھنے کا کچھ بھی حصہ ملا ہوتا تو یہ آیتیں اس دعوے کے ثبوت میں ہرگز نہ پیش کیجاتیں ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی آیت انا فتحنا لک فتحا مبینا الآیۃ ترجمہ خود ڈاکٹر صاحب کا یہ ہے "اے پیغمبر ہم نے کھلم کھلا تمھاری فتح کرا دی اور پہلی اور آخری جنگوں اور لڑائیوں میں لغزش ہوئی ہے اسکو ڈھانپ دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمکو دین کے سیدھے راستہ پر چلایا اور تمھاری زبردست مدد کرے گا"

اول تو ڈاکٹر صاحب نے مضارع کے تمام صیغوں کا ترجمہ ماضی کے ساتھ کر دیا لیغفر و یتم یھدی کا ترجمہ ڈھانپ دیا، پوری کر دیں، چلایا، بالکل غلط ہے اور لطف یہ کہ آخر میں پھر آپنے مضارع کا ترجمہ کر دیا یعنی مدد کرے گا۔

دوسرے یہ کہ اس آیت کو آیت استخلاف کے وعدوں سے کیا تعلق۔ اس میں تو فتح مکہ کی خبر ہے مکہ کی حکومت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو بنی اسرائیل کی بادشاہت سے تشبیہ دی جائے جس کو خود قرآن مجید میں ملک عظیم فرمایا ہے۔

دوسری آیت لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا الآیۃ اس آیت مین بھی فتح مکہ کی خبر ہے اور مسجد حرام مین تم امن کے ساتھ داخل ہوگے۔ اس جزوی امن کو آیت استخلاف کے موعودہ امن سے کیا نسبت ایسے تو بعد ہجرت کے ساتھ مدینہ پہونچتے ہی امن مل گیا تھا جس کا تذکرہ چوتھی آیت مین آئیگا۔ حالانکہ خود آپ بھی سنہ ہجری سے پہلے امن کا ملنا نہین مانتے۔

تیسری آیت الیوم اکملت دینکم الآیۃ سمجھ مین نہین آتا کہ کون شخص اس آیت سے آیت استخلاف کے وعدون کے عہد نبوی مین پورے ہوجانے پر استدلال کرسکتا ہے۔ اس آیت مین تو تکمیل دین اور اتمام نعمت کی خبر ہے جس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ اس آیت کے بعد اب جدید احکام نہ نازل ہونگے دین کامل ہوچکا نعمت پوری ہوچکی۔

شاید ڈاکٹر صاحب نے تکمیل دین کا لفظ دیکھکر یہ سمجھا کہ تمکین دین اسی کو کہتے ہین حالانکہ تکمیل اور تمکین مین بڑا فرق ہے۔ یا شاید اتمام نعمت کی لفظ سے آپ کو خیال ہوا کہ نعمت دنیا کا اتمام مراد ہے حالانکہ نعمت دنیا کا اتمام عرب جیسے ریگستان کی حکومت سے بدیہیات کے خلاف ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت کے متعلق بے دھڑک یہ بھی لکھ مارا کہ یہ حضرت علی کے خلافت کے متعلق ہے۔ اوّل تو یہ بالکل غلط ہے تفسیر آیت تبلیغ دیکھو جس کا جواب مولوی سبط حسن نے لکھا اور پھر اُس جواب کا رد النجم مین شائع ہوا تو پھر خاموشی لگ گئی دوسرے یہ کہ بالفرض ہم تسلیم بھی کرلین کہ حضرت علی کی خلافت کا اعلان ہوا تو محض اس اعلان سے آیت استخلاف کے وعدے کیونکر پورے ہوگئے۔

چوتھی آیت واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا یہ ہے کہ بعض اور وہ وقت یاد کرو جب تم بھی مسلمان سرزمین مکہ مین تھوڑے تھے اور کمزور سمجھے جاتے تھے اور اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ تمکو زبردستی پکڑکر کہین اڑا نہ لیجائین پھر خدا نے تمکو مدینہ مین جگہ دی اور اپنی مدد سے تمھاری تائید کی۔

ڈاکٹر صاحب ؟ اگر اس آیت سے آیۂ استخلاف کے وعدون کا پورا ہونا ثابت ہوسکتا ہے تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ مدینہ پہونچتے ہی وہ تینون نعمتین حاصل ہوگئین کیونکہ اس آیت مین مدینہ مین جگہ ملنے کو زوال خوف کا سبب قرار دیا ہے پس آپ کا یہ کہنا بھی غلط کہ سنہ ۸ھ مین یہ نعمتین حاصل

ہوئین نیز سنشہ مین سورۂ نور مین ان نعمتون کے دینے کا وعدہ بھی تحصیل حاصل یا درلغو۔ واہ سبحان اللہ کیا عمدہ استدلال آپ کا ہے۔

پانچوین آیت فلیعبدوا رب ھذا البیت الآیۃ ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا یہ ہے "اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کرین جس نے ان کو بھوک مین کھانا دیا اور خوف سے ان کو امن مین رکھا"

یہ آیت سورۂ لایلاف کی ہے اور مکی ہے اس آیت سے اگر آیۂ استخلاف کا موعودہ امن امن ثابت ہوسکتا ہے۔ تو پھر مکہ مین قبل ہجرت ہی امن کا ثبوت ہوگیا۔ ماشاء اللہ کیا نفیس استدلال ہے

چھٹی آیت قل جاء الحق وزھق الباطل ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا "کہو کہ حق ظاہر ہوا اور باطل چلتا بنا" اس آیت کو بھی کوئی تعلق آپ کے دعوے سے نہین ہے۔ یقیناً حق آیا اور اسی دن آیا جس دن آفتاب نبوت کی پہلی کرن نکلی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا اور باطل مٹ بھی گیا فتح مکہ کے بعد بت پرستی مکہ سے نیست نابود ہوگئی مگر اس سے نہ تو ملک عظیم حاصل ہوا نہ امن کامل نہ تمکین دین جیسا کہ بارہا بیان کیا گیا۔

ساتوین آیت حتی جاء الحق وظھر امر اللہ ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا "یہان تک کہ تائید الٰہی کا سچا وعدہ آ پہونچا اور خدا کا حکم در رہا"

اوّل تو یہ ترجمہ غلط ہے لفظ حق کا ترجمہ سچا وعدہ ایجاد بندہ ہے یہ آیت سورۂ توبہ مین منافقون کے متعلق ہے کہ ان کی فتنہ انگیزی کا حال کھل گیا سچی بات ظاہر ہوگئی پوری آیت یہ ہے لقد ابتغوا الفتنۃ من قبل وقلبوا لک الامور حتی جاء الحق وظھر امر اللہ۔ ترجمہ ان لوگون نے پہلے ہی فتنہ برپا کرنا چاہا تھا اور واقعات کو آپ کے سامنے الٹ پھیر کر کے بیان کیا تھا یہانتک کہ سچی بات ظاہر ہوگئی اور خدا کا کام غالب رہا۔

دوسرے اگر اس غلط ترجمہ کو مان بھی لیا جائے اور حق سے سچا وعدہ تائید کا مراد لیا جائے تو اس مین کس کو کلام ہے تائید الٰہی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع ہی سے تھی اس سے آیت استخلاف کے وعدون کا پورا ہونا ثابت ہوگا تو پھر مکہ مین اعلان نبوت ہوتے ہی ان نعمتون کا حصول ماننا پڑے گا۔ ڈاکٹر صاحب واقعی بڑے عقلمند ہین خوب استدلال کرتے ہین۔

آٹھویں آیت وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ھی العلیا ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا یہ ہے "کافروں کی بات کو پست کر دیا اور سدا اللہ ہی کا بول بالا ہے"

اس آیت کو بھی کوئی تعلق بحث سے نہیں سفر ہجرت کا اس میں بیان ہے کہ خدا نے کافروں کی بات پست کر دی یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش اور آپ کے تعاقب میں کامیاب نہ ہوئے اور اگر خواہ مخواہ اس آیت سے آیۂ استخلاف کے وعدوں کا پورا ہو جانا مستنبط کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ہجرت ہی کے وقت سے سب نعمتیں حاصل ہو گئیں۔

نویں آیت ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علے الدین کلہ ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا "وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کے بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے" معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے کیا سمجھ کر یہ آیت نقل کر دی حالانکہ یہ آیت ان کے مدعا کو ایسا فنا کر رہی ہے کہ باید و شاید۔ آیت مذکورہ میں ارشاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصود یہ ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دین اسلام صرف بت پرستی پر غالب آیا تھا دین مجوسی و دین عیسوی پر ہرگز ہرگز غلبہ نہ ہوا تھا ان دونوں دینوں پر غلبہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ہوا۔ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ آیت لیستخلفنھم فی الارض سے مراد روم و ایران کی سلطنت ہے اور تبدیل خوف و تمکین دین کی بھی کامل تفسیر اس سے ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ وعدے خلفائے راشدین کے عہد میں پورے ہوئے نہ عہد نبوی میں۔

شاید ڈاکٹر صاحب یا ان کے کوئی حمایتی یہ فرمادیں کہ معوث نہ تھا آیت میں غلبہ سے مراد حجت و برہان کا غلبہ ہے تو اس میں دو باتیں ہیں اول یہ کہ حجت و برہان سے غلبہ دین برحق کو ہمیشہ رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص بیکار ہے دوسرے یہ کہ حجت و برہان سے غلبہ تو بغیر استخلاف وغیرہ کے ہو سکتا ہے لہٰذا اس آیت کو آیت

دسوین آیت انا اعطینا ک الکوثر۔ واہ ڈاکٹر صاحب واہ خوب استدلال ہے۔
اجی حضرت یہ سورت بھی مکی ہے اس سے آیت استخلاف کی موعودہ نعمتون کا حصول اگر ثابت کیجیۓ گا تو خود آپ کا کہنا بھی غلط ہو جائے گا کہ سنہ ھ مین یہ نعمتین حاصل ہوئین اور آیت استخلاف کا وعدہ عبث ہو جائے گا علاوہ ازین اس سورت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حوض کوثر یا کثرت کمالات عطا فرمانے کا ذکر ہے اور یہ کہ آپ کا دشمن ابتر رہے اس مضمون کو آیۂ استخلاف سے کیا تعلق۔

گیارھوین آیت۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ اسکو بھی کوئی تعلق بحث سے نہین فتح مکہ کا بیان ہے مکہ کے فتح ہو جانے کو ملک عظیم نہین کہا سکتا نہ قوجون کے مسلمان ہو جانے سے کسریٰ و قیصر کا خوف زائل ہوا۔

یہ تھی ڈاکٹر صاحب کے تفسیر القرآن بالقرآن کی حقیقت۔ اسکے بعد ڈاکٹر صاحب نے چار روایتین نقل کی ہین **اول** یہ کہ مکہ مین شراب بیچنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا **دوم** یہ کہ مکہ فتح ہو گیا تو قریشی مغلوب ہو گئے **سوم** یہ کہ مکہ مین ایک عورت نے چوری کی تھی اس کا ہاتھ آپ نے کٹوا دیا **چہارم** یہ کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہ رہی کیونکہ امن قائم ہو گیا۔

سمجھ مین نہین آتا کہ ڈاکٹر صاحب اس قدر بے جوڑ باتین کیون کر رہے ہین فتح مکہ کا کون منکر ہے اور فتح کے بعد وہان احکام اسلام کا جاری ہونا امن کا قائم ہونا بدیہیات مین سے ہے اسکے لیۓ روایات کی کیا حاجت تھی۔ کلام تو اس مین ہے کہ مکہ تمام عرب کی حکومت ملک عظیم نہین کہی جا سکتی اور آیت استخلاف مین وعدہ ملک عظیم کا ہے۔

اس موقع پر بھی ڈاکٹر صاحب کے دو لطیفہ زیب رقم کیۓ جاتے ہین۔

لطیفہ اول ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین۔

ابتدائے اسلام مین اللہ کے حبیب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے نہایت تکلیف و مصائب کا زمانہ تھا اور یہی وقت صحابہ کرام مسلمین اور مومنین کے جوہر ایمان دکھانے کا تھا اور یہی زمانہ خدمت اسلام بجا لانے کا تھا اور یہی زمانہ شجاعت و

بہادری اور قربانیاں پیش کرنے کا تھا کیونکہ اسلام کا پودا ابھی اپنی جڑ پر قائم نہ ہوا تھا اس کے واسطے ضرورت تھی کہ وہ خالص مومنین صالحین و موحدین کے خون سے سیراب کیا جائے تاکہ وہ شجرۂ اسلام ہو کر سرسبز ہوا اور پھولے پھلے پس زمانہ نبوت میں ان غزوات و جہاد فی سبیل اللہ اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وآلہ نے اپنے تن من دھن سے خدمت اسلام کی جان قربان کی مارے گئے تو شہید کہلائے اگر کفار کو قتل کیا تو غازی بہادر مشہور ہوئے وہی صحابۂ مومنین صالحین و موحدین و مجاہدین تھے اور جو صحابہ کبار ہر ایک جنگ سے فرار ہوئے نہ خود زخمی ہوئے نہ کسی کو زخمی کیا اپنی جان بچاتے رہے وہ مجاہدین و موحدین صالحین کی فہرست میں نہیں داخل ہو سکتے۔ کتب تواریخ اسلام سے حضرات اصحاب ثلاثہ کے کارنامے پیش کرنے چاہیے تھے کیونکہ یہ حضرات ہر ایک جنگ میں فرار ہوئے اور بہادری و شجاعت جہاد فی سبیل اللہ میں نہیں دکھلائی۔

ڈاکٹر صاحب ذرا مہربانی کر کے ان اصحاب النبی کے نام تو دس بیس ہی کے ہمیں بتا دیجئے جنھوں نے قربانیاں کیں اور داد شجاعت دی۔ آپ کے مذہب میں تو تمام اصحاب منافق تھے اور نبی کے بعد سب مرتد ہو گئے سوا تین چار کے انھیں مرتدوں کی آپ تعریف کر رہے ہیں اور اسلام کو ان کی شجاعت کا مرہون احسان بتاتے ہیں حضرات خلفائے ثلاثہ کا ہر جنگ سے فرار کرنا ایک ایسا جھوٹ ہے جس کو آپ اپنی کتابوں سے بھی ثابت نہیں کر سکتے تواریخ اسلام اگر اٹھا کر دیکھیے گا تو سوا حضرات خلفائے ثلاثہ کے اور کسی کے کارنامے مل ہی نہیں سکتے اسلام کی جو کچھ خدمت کی انھیں نے کی۔

عجیب لطیفہ ہے جب ضرورت پیش آتی ہے تو شیعہ اصحاب النبی کے کارنامے بیان کرتے ہیں جیسا کہ حائری صاحب نے اپنے موعظہ تحریف قرآن میں قرآن مجید کے معجزات و تاثیرات کو دکھانے کے لیے صحابہ کرام کی خوب تعریف کی مگر ان کا مذہب کچھ اور کہتا ہے۔

لطیفۂ دوم استخلاف فی الارض کے معنی ڈاکٹر صاحب بیان فرماتے ہیں۔

اس کے معنی ہیں زمین میں آباد کرنا بنانا متصرف کرنا اور حاکم بنانا کفار کی جگہ مسلمانوں کو

لینا - ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کو قائم مقام کرنا - نبی کا خلیفہ مراد نہین ہے -

ڈاکٹر صاحب پہلے تو اپنے مجتہدین کرام کو جو فرماتے ہین کہ اہل بیت کا اجماع اس پر ہے کہ یہ آیت امام مہدی کے لیئے ہے نیز ائمۂ اہل بیت کو خوب کوسین یا امام مہدی کے بھی خلیفہ نبی ہونے سے انکار کرین اسکے بعد ہم کہتے ہین کہ آپ استخلاف کے معنی بیان سکونت زمین کے تو دے نہین سکتے حکومت کے معنی لیجیئے تو بھی مقصد حاصل ہے کیونکہ حضرات خلفائے ثلاثہ کو اسی آیت کی موعودہ حکومت ملی اور خلافت اسی کا نام ہے خلافت وہ حکومت ہے جو بہ نیابت نبی دین قائم کرنے کے لیئے ہو - قرآن مجید مین مہاجرین کی شان فرمایا الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ یعنی مہاجرین مین سے جس کو بھی حکومت ملے گی وہ دین کو قائم کرے گا لہذا بہر صورت ان کی خلافت ثابت ہے اور ذرا اس بات پر تو غور کیجیئے کہ استخلاف کا مادہ کیا ہے کوئی لفظ اپنے مادہ سے بے تعلق نہین ہوسکتی لہذا خلافت کے معنی استخلاف مین ضرور پائے جائین گے خواہ اسکی مراد آپ کچھ بھی بیان کرین - بہر حال آیت استخلاف کی موجودہ نعمتین کچھ بھی ہون - زمین آسمان کے قلابے ملا دیجیئے مگر اس آیت کا مصداق سوا حضرات خلفائے ثلاثہ کے اور کوئی ہو نہین سکتا -

ہم سچ کہتے ہین اگر کوئی شیعہ ثابت کردے کہ اس آیۂ استخلاف کی تصدیق حضرات خلافت کو نہ ماننے کی صورت مین بھی ممکن ہے تو ہم فوراً اعلان کردین گے کہ اب تک جس قدر علمائے اہل سنت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے سب خطا پر تھے -

باب چہارم صحابۂ کرام کے مطاعن اور ان کے جوابات

واقعی بقول حضرت مولٰنا شاہ سلامت اللہ صاحب کے شیعون کا حصن حصین مطاعن صحابہ ہے جہان دلائل و براہین کی فوجوں سے ہزیمت خوردہ ہوئے فوراً بھاگ کر اسی قلعہ مین پناہ لیتے ہین - مگر قرآن مجید کی مار سے اُس قلعہ مین بھی پناہ نہین ملتی اور ایک ہی ضرب مین سارا قلعہ خاک کی برابر نظر آتا ہے -

ڈاکٹر صاحب !! حضرات خلفائے ثلاثہ کے مصائب بیان کرکے چاہتے ہین کہ نسو

آیت استخلاف کے مصداق سے خارج کرین ہم کہتے ہین کہ اگر آپ کے بیان کردہ معائب صحیح ہون تو نتیجہ یہ ہے کہ آیۂ قرآنی غلط ہو جائیگی کیونکہ وقت نزول کے کلمہ گویان اسلام مین سے سوا تینون خلفا کے اور کسی کو آیت استخلاف کی موعودہ نعمتین حاصل ہی نہین ہوئین۔ مگر شیعون کا اسکی کیا پروا آیات قرآنیہ کو روایات سے رد کرنا انکا شیوہ ہے۔

شقیقے۔ اول تو جس قدر مطاعن آپ لوگ بیان کرتے ہین محض افترا ہین کوئی صحیح روایت کتب اہل سنت سے اُن کے ثبوت مین آپ پیش نہین کرسکتے اور بفرض محال کوئی ہوتی بھی تو بس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا کہ مطاعن کی بنیاد روایات پر ہے اور صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کی بنیاد قرآن پر ہے۔ قرآن مین مہاجرین وانصار کے فضائل بیان ہوئے ہین اور اُن آیات کو دیکھکر یہ وہم نہین ہوتا کہ مہاجرین وانصار مین کوئی ایسا بھی تھا جو ان اوصاف سے بے نصیب تھا۔

دوسرے یہ کہ جو مطاعن صحابۂ کرام کے آپ لوگ بیان کرتے ہین اگر وہ صحیح مان لیئے جائین تو سارا دین مشکوک ہو جاتا ہے کیونکہ دین کی ہر چیز کے ناقل و راوی وہی حضرات ہین۔

تیسرے یہ کہ حضرت علی پر بڑا الزام آتا ہے کہ انھون نے کیون خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی ان پر فرض تھا کہ جس طرح حضرت سے جنگ کی اسی طرح تینون خلفا سے بھی جہاد کرتے خصوصًا جبکہ بقول آپ کے حضرت معاویہ سے بدرجہا زائد دین کی بربادی تینون خلفا کے ہاتھ سے ہو رہی تھی اس کا کوئی جواب آپ کے اولین و آخرین ملکر نہین دے سکتے۔ رہی وہ وصیت والی روایت جو آپ کی کتابون مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو صبر کی وصیت کر گئے تھے تو اس روایت کے موافق حضرت معاویہ اور حضرت طلحہ و زبیر سے لڑنا بھی ناجائز ٹھہرتا ہے۔

کیونکہ اس روایت مین حضرت علی کا یہ عہد منقول ہے کہ ہمیشہ مدۃ العمر صبر کرونگا۔

یہ تو جواب کلی تھے آپ خاص اپنے پیش کردہ مطاعن کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) آپ فرماتے ہین کہ "یہ حضرات (یعنی خلفائے ثلاثہ) ہر ایک جنگ مین فرار

ہوئے،، یہ ایک ایسا جھوٹ ہے جس کے ثبوت مین کوئی روایت بھی آپنے پیش نہین کی نہ آپ پیش کرسکین گے۔

(۲) جنازہ رسول مقبول سے محروم رہے" بالکل جھوٹ۔ کوئی روایت نہ پیش کی نہ کرسکین گے۔ بلکہ خود آپ کی کتاب اصول کافی واحتجاج سے ثابت ہے کہ تمام مہاجرین وانصار شریک جنازہ تھے۔

(۳) فرماتے ہین" خم غدیر کی پروانہ کرکے جمہوری سلطنت قائم کی اور بنی ہاشم کو شوریٰ مین بھی شامل نہ کیا" بالکل جھوٹ اسکے ثبوت مین بھی کوئی روایت نہ پیش کی نہ کرسکتے ہین خم غدیر مین حضرت علی کے خلافت کا اعلان ہوا نہ بیعت ہوئی۔

(۴) فرماتے ہین ،، باغ فدک ورثہ وترکہ رسول کو جناب سیدہ سے چھین لیا سادات کا خمس بند کیا۔، یہ بھی جھوٹ رسول کے متروکات مین میراث کا جاری نہونا خود آپکے کتب معتبرہ سے بھی ثابت ہے دیکھو اصول کافی مطبوعہ نولکشور ص۱۷

(۵) فرماتے ہین،، جناب سیدہ معصومہ کے مکان جنت نشان پر حملہ کرکے جبریہ بیعت کے واسطے آگ لگانے کی دھمکی دے،، یہ بھی ایسا جھوٹ ہے کہ کوئی روایت نہ آپ نے پیش کی نہ کرسکتے ہین۔

(۶) فرماتے ہین ،، حضرت عمر نے وقت وفات نبی کلمہ ہذیان کہا اور صلح حدیبیہ مین گستاخانہ کلام کیئے نبوت پر شک کیا ،، بالکل افترا۔ حضرت عمر نے کیا کسی نے بھی ہذیان کا لفظ نہین کہا ھجر کے معنی ہذیان ہی کے نہین ہین پھر اسکے ساتھ ہمزہ استفہام انکاری کا لگا ہوا ہے پھر ہجر کا لفظ بھی حضرت عمر کا مقولہ کسی صحیح روایت مین نہین ہے۔ نبوت پر شک کرنا بھی کسی روایت مین نہین ہے۔ ایسی افترا پردازیون سے آفتاب پر خاک نہین پڑسکتی۔

(۷) فرماتے ہین ،، رسول نے حضرت ابوبکر سے کہا ،، مجھے معلوم نہین کہ میرے بعد کیا کروگے لا ادری ما تحدثون من بعدی ،، اس روایت کے لیئے کوئی حوالہ کتاب کا آپ نے نہین دیا۔ اگر اس روایت کا وجود ہے پوری روایت آپ نقل کردیتے تو مطلب کھل جاتا ترجمہ بھی آپ نے غلط کیا ہے ورنہ شبہہ نہ ہوتا۔

اس روایت مین گو مخاطب حضرت ابوبکر ہین مگر مقصود دوسرے لوگ ہین جن مین نومسلمین اور اعراب شامل ہین چنانچہ محدثون صیغہ جمع کا اس بات کو ظاہر کر رہا ہے۔ حضرت ابوبکر کے متعلق یہ کلمہ ہوتا تو محدث فرماتے یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا قرآن مجید مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر کہین کہین ایسے احکام دیئے ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق نہین بلکہ دوسرون کے لیئے ہین جیسا کہ یہ آیت ہے یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ حکم ہوتا تو بجائے طلقتم کے طلقت ہوتا۔

اس حدیث کے متعلق پوری بحث کتاب منتھی الکلام مین ہے جس کا جواب اب تک مجتہدین شیعہ سے باوجود انتہائی کوشش کے نہو سکا۔ شیعون کے قبلۃ القبلات مولوی حامد حسین نے نام تو کر دیا کہ انھون نے منتھی الکلام کے جواب مین استقصاء الافحام لکھی مگر حقیقت یہ ہے کہ درمیان کے صرف ۳۶ ورق کا جواب دیا ہے اول و آخر کے سیکڑون صفحات اور ان تمام مباحث کے جواب مین خاموشی اختیار کی ہے۔

(۸) فرماتے ہین ،، رسول نے ابوبکر سے فرمایا شرک تمھاری درمیان مین چیونٹی کے چال سے زیادہ باریک چلتا ہے ،، یہان بھی وہی بات ہے مقصود حضرت ابوبکر نہین ہین آپ اصل الفاظ روایت کے نقل کرتے تو حال کھل جاتا اصل روایت مین لفظ فیکم ہے فیک نہین ہے۔

(۹) فرماتے ہین ،، حضرت ابوبکر نے بعد بیعت خلافت فرمایا جب تک مین سنت پر چلون میری اطاعت کرو جہان میرا قدم ڈگمگاتا دیکھو مجھے ملامت کرو شیطان مجھپر غالب ہے۔

ڈاکٹر صاحب یہ روایت تو حضرت صدیق کے مناقب مین ذکر کرنے کی تھی مگر ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

اچھے لوگون اور مقدس ہستیون کی خاص صفت ہے کہ وہ باوجود جامع کمالات ہونے کے اپنے کو سب سے کمتر اور مجموعہ معائب سمجھا کرتے ہین ؎

ازین بر ملائک شرف داشتند — کہ خودرا بہ از سگ نہ پنداشتند

واقعی جس پر شیطان مسلط ہوتا ہے وہ کبھی اپنے کو نہ کہے گا کہ شیطان مجھپر غالب ہے یہ کلمہ سوا اللہ والون کے کسی کی زبان سے نکل نہین سکتا۔

اچھا آپ تو حضرت علی کو معصوم اور مثل پیغمبر کے جانتے ہین انھون نے بھی اس قسم کے کلمات اپنے متعلق ارشاد فرمائے ہین نہج البلاغہ قسم اول صہ۴۶۳ مین ہے کہ حضرت علی نے لوگون سے فرمایا۔

فلا تکفوا عن مقالۃ بحق او مشورۃ بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی ولا امن ذلک من فعلی۔	پس نہ باز رہو تم لوگ حق بات کہنے سے یا انصاف کا مشورہ دینے سے کیونکہ مین اپنے نفس مین خطا کرنے سے بالاتر نہین ہون اور نہ اپنے فعل مین خطا کرنے سے بے خوف ہون۔

حضرت صدیق نے جو فرمایا کہ جو کام میرا سنت کے موافق ہو اس کی اطاعت کرو یہ ان کی للہیت اور قدوسیت کی اعلی ترین دلیل ہے اور اس آیت قرآنی کی تبلیغ ہے یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ترجمہ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان صاحبان حکومت کی جو تم مین سے ہون پھر اگر تم مین اور صاحبان حکومت کی کسی بات کا نزاع ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور رسول سے کراؤ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولوالامر معصوم نہین ہوتے اور اولوالامر کی اطاعت خلاف شریعت کام مین جائز نہین اس آیت سے آپ کے عقیدۂ عصمت ائمہ کا ابطال ہوتا ہے جس کی کوئی تاویل آپ کے امام صاحب سے نہو سکی اور انھون نے جھٹ اس

آیت کو محرف کہکر ٹال دیا نعوذ باللہ منہ۔

یہ تھی ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ اُن مطاعن کی حقیقت جو اس موقع پر اُنھون نے بیان کیئے ہین اور جن سے وہ آیات قرآنیہ کو رد کرنا چاہتے تھے۔ اس موقع پر بھی ڈاکٹر صاحب کے دو لطیفہ ہدیہ ناظرین کیلئے جاتے ہین۔

لطیفہ اول ڈاکٹر صاحب بہادر نے اسی سلسلہ مین آیۂ مودۃ القربی بھی لکھ ڈالی اور اس کا ترجمہ بھی جیسا دل چاہا کرکے رکھدیا ہے فرماتے ہین۔

"شرط ایمان محبت اہل بیت رسالت ہے قولہ تعالی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی ترجمہ اے پیغمبر تم ان لوگون سے کہدو کہ مین تم سے اپنی رسالت پر کوئی مزدوری نہین مانگتا سوائے اسکے کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت اُتری صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ لوگ کون ہین جن کی محبت ہم پر فرض کی گئی ہے فرمایا جناب علی جناب فاطمہ جناب امام حسن اور امام حسین علیہم السلام ملاحظہ ہون کل تفاسیر اہل سنت"

ڈاکٹر صاحب اس آیت کی تفسیر پر ایک مستقل رسالہ دفتر انجم سے شائع ہو چکا ہے افسوس کہ آپ نے اسکو بھی نہین دیکھا اور فرماتے ہین کہ "یہ چند اوراق اسکا بھی جواب ہین" لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اچھا اب جواب ملاحظہ ہو۔

(۱) آپ نے ترجمہ بالکل غلط کیا "میرے اقربا سے محبت کرو" لفظ میرے کس لفظ کا ترجمہ

سلہ قبلہ شیعہ مولوی مقبول احمد اپنے ترجمہ قرآن مطبوعہ مقبول پریس دہلی ۱۳۳۰ھ مین لکھتے ہین "کافی اور تفسیر عیاشی مین جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ حضرت آیت کو یون تلاوت فرماتے تھے فان خفتم تنازعا فی امر فردوہ الی اللہ والی الرسول والی الا مر منکم اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اسی طرح یہ آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اولی الامر کی اطاعت کا حکم بھی دے اور پھر اُن سے جھگڑا کرنے کی اجازت بھی دے بلکہ یہ حکم تو اُن مامورین کے حق مین ہے جن سے اطیعوا اللہ کہا گیا ہے" پوری بحث اس آیت کی رسالہ تفسیر اولی الامر مین دیکھنا چاہیے ۱۲

ہے اور قربیٰ کا ترجمہ اقربا کس قاعدہ سے صحیح ہو سکتا ہے ہان گر عبارت یون ہوتی الا المودۃ لاہل قربای تو یہ ترجمہ آپ کا صحیح ہو سکتا تھا۔

(۲) صحیح ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے نبی کہدیجئے کہ مین تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی مزدوری نہین مانگتا مگر محبت قرابت مین۔یعنی مین کوئی اُجرت نہین چاہتا صرف یہ کہتا ہون کہ بوجہ قرابت کے جو تمکو میرے ساتھ ہے میرا خیال کرو اور ایذا مت پہونچاؤ۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس کا حوالہ بالکل غلط ہے جو مضمون آپ نے ان کی طرف منسوب کیا ہے اُنھون نے تو اس مضمون پر سعید بن جبیر کا تخطیہ کیا ہے اور آیت کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو مین لکھ چکا۔ دیکھو صحیح بخاری کتاب التفسیر۔

(۴) کل تفاسیر اہل سنت کا حوالہ دینا محض افترا ہے آپ کے قبلہ ایڈیٹر اصلاح نے بھی ایسا ہی لکھا تھا اور انھین کے لکھنے پر دفتر النجم سے تفسیر آیہ مودۃ القربیٰ شائع ہوئی جس مین تمام تفاسیر کی عبارتین نقل کر کے اس قدر ان کو شرمندہ و ذلیل کیا گیا ہے کہ اُن کا دل ہی جانتا ہوگا پھر آج تک بیس سال سے زائد گزر جانے پر اُن کو اس تفسیر کا جواب لکھنے کی ہمت نہین ہوئی۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین آپ لوگون نے کی ہے کہ ان کو اپنی تبلیغ رسالت پر مزدوری مانگنے والا قرار دے کر دین فروش بنا دیا۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

قرآن شریف مین ہر ہر نبی کی تقدس مزدوری طلب کرنے سے فرمائی گئی ہے اور متعدد آیتون مین خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ کہدیجئے مین مین ہرگز کسی قسم کی اُجرت اس کام پر نہین مانگتا۔ یہ سب آیتین بھی تفسیر آیہ مودۃ القربیٰ مین آپ کو یکجا مل جائین گی۔

لطیفہ دوم ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین ،، فتوحات ملکی اور ملک گیری معیار خلافت الٰہیہ نہین اگر معیار خلافت ہون تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین علیہم السلام سے صرف چار نبی و رسول خلیفۃ اللہ ثابت ہون گے اور اصحاب ثلثہ کے فتوحات ملکی

سے زیادہ ولید بن عبد الملک مروانی اموی اور خلفائے عباسیہ سلطان محمود غزنوی اور ہارون الرشید سلطنت عثمانیہ ترکی کے سلاطین تیموریہ بادشاہ اودھ اور نگ زیب واکبر بادشاہ کے فتوحات ہوئے کیا وہ سب کے سب خلیفۃ اللہ تھے آجکل ابن سعود سلطان الحجاز نجدی کو استخلاف فی الارض تمکین دین اور تبدیل امن بعد الخوف حاصل ہے اور وہ مسلمان بھی ہے کیا وہ خلیفۃ اللہ ہے ،،

ڈاکٹر صاحب ؟ آپ کی ان خبط بے ربط تحریرات پر بہت افسوس ہوتا ہے اسی علم و فہم پر آپ نے اپنے مناظر مولوی مرزا احمد علی پر سبقت لیجانے کا ارادہ کیا ہے اور مباحثہ منٹگمری کا جواب لکھا ہے جواب میں سوا اس کے کیا کہا جائے کہ تمام زلیخا خواندی و ہنوز ندانستی کہ زلیخا مرد بود یا زن با فتوحات ملکی و ملک گیری کو کس جاہل احمق نے خلافت الٰہیہ کا معیار قرار دیا ہے ذرا اس کا نام تو بتایئے خدا جانے کہ اس قدر صاف اور سیدھی بات کیوں آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور ایسی بہکی ہوئی باتیں کیا کرتے ہیں۔

سنیئے یہاں بحث یہ ہے کہ آیت استخلاف میں وقت نزول آیت کے مومنین صالحین کو خدا نے جو تین نعمتوں کے دینے کا وعدہ کیا ہے یہ وعدہ کس وقت اور کس کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ فتوحات اور ملک گیری فی حد ذاتہ کوئی چیز قابل مدح نہیں البتہ وعدۂ الٰہی کے مطابق جن کو ملی ان کے لیئے بوجہ وعدۂ کے موجب مدح اور دلیل حقانیت ہو گئی۔ مابعد کے لوگ جن سے آیت استخلاف کا وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا ان کو اگر تین کیا تین ہزار نعمتیں بھی مل جائیں تو کوئی چیز نہیں۔ علی ہذا انبیائے سابقین علیہم السلام کے لیئے بھی ان نعمتوں کا ملنا ضروری نہیں ہے۔ ولید وغیرہ کے فتوحات کا ذکر کرنا ڈاکٹر صاحب کی خوش فہمی ہے یہ لوگ آیت کے موعود لہم میں داخل نہیں ہیں لہذا فتوحات کا حاصل ہونا ان کے لیئے باعث فضیلت نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر صاحب؟ براہ مہربانی یہ تو فرمایئے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے صرف چار کو یہ نعمتیں ملیں۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایئے کہ

جن بادشاہون کے فتوحات آپ نے حضرات خلفائے ثلاثہ سے زائد بتائے ہین کیا واقعی آپ اس بیان مین سچے ہین اور کیا اسکو آپ ثابت کر سکتے ہین۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

باب پنجم۔ متفرق باتون کا جواب

ڈاکٹر صاحب کی متفرق باتون مین سے اس وقت چار باتون کا جواب دینا کافی معلوم ہوتا ہے **اول** وہ کہ ڈاکٹر صاحب النجم کے بہت شاکی ہین اور بہت رونا روئے ہین۔ **دوم** ڈاکٹر صاحب تقیہ کو بھی ثابت کرنا چاہتے ہین **سوم** شیعون کا ایمان بالقرآن ثابت کرنے کا سہرا بھی ڈاکٹر صاحب نے سر باندھنا چاہتے ہین **چہارم** حدیث ثقلین کی بحث بھی ڈاکٹر صاحب نے چھیڑی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ہین بہت بڑے عالم اور آپ کی ہمہ دانی کا کیا کہنا ہر مسئلہ مین آپ دخل دینے کے لیئے تیار ہین بہر کیف آپ چارون مسئلون کی محققانہ بحث ملاحظہ ہو

پہلا مسئلہ۔ ڈاکٹر صاحب کی گریہ وزاری ودشنام دہی

ڈاکٹر صاحب النجم کے بہت شاکی ہین اور شکایت بھی شریفانہ لہجہ مین نہین بلکہ اس لہجہ مین کر رہے ہین جو شرفا کے زبان وقلم سے سہواً بھی ادا نہین ہو سکتا النجم کے مضامین عالیہ کو جنھون نے خرمن تشیع کو خاکستر کر دیا ہے آپ ان الفاظ سے یاد کرتے ہین ،، جہال سے اپنا الو سیدھا کرنا، تفریق بین المسلمین کر کے فتنہ وفساد کرانا،، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے جواب مین ہم ڈاکٹر صاحب سے سوا اسکے کیا کہین کہ ناحق آپ لوگون کی آنکھون مین خاک جھونک رہے ہین۔ کیا آپ کو معلوم نہین کہ النجم سے سالہا سال اور کس پیشتر آپ کا رسالہ اصلاح وشیعہ کھجوہ سے امامیہ والحکم لکھنؤ سے نکل رہے تھے قدر کس حملے مذہب اہل سنت پر کر رہے تھے۔ النجم نے جواب دیا تو آپ چیخ اٹھے اور تفریق بین المسلمین اور فتنہ وفساد کہنے لگے۔ آپ لوگ یہ چاہتے ہین کہ آپ لوگ جو چاہین کرین کوئی جواب نہ دے۔ آخر یہ کیون۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ ست۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی لکھ مارا کہ مدیر النجم جو مضامین لکھتے ہین یہ اُن کے اختراع دماغ کا نتیجہ نہین ہوتے اہل سنت کے علماے سابقین یہ سب باتین لکھ چکے ہین ؎

ہم کہتے ہین کہ بہت اچھا یون ہی سہی پھر آپ کا اجارہ۔

ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ مین ایک نقرہ بہت عمدہ لکھا ہے فرماتے ہین ؎ ہمیشہ مذہب شیعہ کی ضعیف اور احاد اور متروک روایات پیش کر کے مسلمانون کو مذہب ماتمیہ سے بدظن کرتے ہین ؎

النجم مین اکثر و بیشتر آپ کی کتب اربعہ کی روایت پیش کیجاتی ہین یہ سب اگر ضعیف و متروک ہین تو اب کس منھ سے آپ اہل سنت کی روایات پیش کرین گے۔

ہان احاد جو آپ نے فرمایا وہ بیشک صحیح ہے مگر احاد نہ پیش کرین تو کیا کرین متواتر کہان سے لائین متواتر روایت آپ کے مذہب مین ہے کہان۔ آپ کے مذہب کے راویون کی تعداد ہی اتنی نہین ہے کہ ان کی روایت متواتر کہی جا سکے ؎ ہان آپ کے علما کی کسی روایت کو متواتر کہدینا تو یہ بات النجم کی پیش کردہ روایت مین موجود ہے مثال کے لئے تحریف قرآن کی روایت کو دیکھئے

اچھا ڈاکٹر صاحب! آپ اپنی روایات سے بہت گھبرا گئے ہین اور ان کو ضعیف اور متروک اور اخبار احاد کہکر الفط کرنا چاہتے ہین تو پھر یہ بتا دیجئے کہ آپ کے سامنے استدلال کس چیز سے کیا جائے قرآن کو آپ کے علما کبھی تو محرف کہدیتے ہین کبھی اسکو صحراو ریگستان قرار دیتے ہین ورنہ ہم بخوشی اس بات کے لئے تیار رہین کہ روایات کا نام بھی نہ لیا جائے صرف قرآن سے اور واقعات قطعیہ سے استدلال ہو۔

دوسرا مسالہ تقیہ

ڈاکٹر صاحب بہادر اپنے اس رسالہ مین ایک مقام پر فرماتے ہین ؎ بعد نبوت کے جب تک آنحضرت صلعم مکہ مین رہے وہ زمانہ ایسے خوف و ایذا کا تھا کہ دین کا کوئی کام مکمل نہین ہو سکتا تھا ؎

پھر اس پر حاشیہ چڑھاتے ہین اور فرماتے ہین ؎ ایڈیٹر النجم بتائیے کہ رسول صاحب نوت و معجزہ تقیہ کیون کرتا تھا ؎

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب اب تک اپنے ایسے ضروری مسائلہ یعنی تقیہ کی حقیقت سے بھی بالکل ناواقف ہیں ورنہ کھلم کھلا کام نہ کرسکنے کو زمانہ سے زیادہ کتمان فرماتے تقیہ نہ کہتے۔ اور یا دیدۂ ودانستہ مخاطبین کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور یہی قرین قیاس ہے کیونکہ تقیہ کی حقیقت سے کوئی معمولی شیعہ ناواقف نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ مذہب شیعہ کا مبلغ۔

اچھا ڈاکٹر صاحب سنیئے۔ آپ کے مذہب شریف میں کسی کام کے چھپانے کا نام تقیہ نہیں بلکہ کتمان ہے اصول کافی باب التقیہ کے بعد باب الکتمان ملاحظہ فرمایئے۔

تقیہ آپ کے مذہب میں جھوٹ بولنے اور خلاف اپنے عقیدہ کے کوئی بات کہنے یا کوئی کام کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس تقیہ کی اس قدر تاکید اور فضیلت ہے آپ کے مذہب مقدس میں ہے کہ دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ اس تقیہ میں ہیں اور تقیہ ائمہ کا دین ہے خدا کا دین ہے جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے بے ایمان ہے۔ اور تقیہ کے لئے جبر واکراہ کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ ہر ضرورت میں خواہ کسی درجہ کی ہو تقیہ کرنے کا حکم ہے اور ضرورت کی کسی قسم کی تعیین وتحدید نہیں کی گئی بلکہ ہر شخص کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

تقیہ کے متعلق یہ تینوں باتیں آپ کی معتبر اور صحیح احادیث میں ائمہ معصومین سے منقول ہیں لہذا کسی مجتہد صاحب کو کچھ بیان فرمانے کی ضرورت نہیں نہ ان کی بات قابل سماعت ہوسکتی ہے آپ کے اطمینان کیلئے تینوں مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اصول کافی صفحہ ۴۸۲ میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ یعنی دین کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں اور ایک حصہ باقی اعمال وعبادات میں اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔ اس حدیث سے تقیہ کی فضیلت وتاکید بخوبی ظاہر ہے۔

(۲) اصول کافی صفحہ ۴۸۳ میں ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا التقیۃ من دین اللہ قلت من دین اللہ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتہا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا [illegible]

شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما یعنی تقیہ اللہ کا دین ہے یوسف پیغمبر نے کہا کہ اے قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ انھوں نے کچھ چرایا نہ تھا اور ابراہیم نے کہا تھا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ وہ بیمار نہ تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں (۳) اصول کافی ص۴۸۴ میں روایت ہے کہ امام باقر نے فرمایا التقیۃ فی کل ضرورۃ وصاحبھا اعلم بھا حین تنزل بہ یعنی تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور صاحب ضرورت کو اس کا خوب علم ہے۔

ڈاکٹر صاحب اب آپ نے تقیہ کو اچھی طرح سمجھ لیا اب اپنے ان علماء کی دیانت پر ماتم کیجئے جو اہل سنت کی کتابوں سے حتی کہ قرآن مجید سے اپنے اس تقیہ کے ثابت کرنے کے مدعی ہیں۔ کیونکہ قیامت تک مسلمان تو مسلمان کسی کافر کے یہاں بھی یہ تقیہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

تیسرا مسئلہ شیعوں کا ایمان بالقرآن

اس مسئلہ پر اصلاح الشمس شیعہ ورنجف اور آخر میں سہیل سبزواری اپنی باری سے اپنی بولیاں بول چکے اب ڈاکٹر صاحب کی باری ہے۔ النجم پر تحفہ کے سرقہ کا الزام لگا کر ڈاکٹر صاحب نے وہ دو نفیس دلائل پیش فرمائے ہیں جو کہیں سے سرقہ نہیں کیے۔

ڈاکٹر صاحب کے دلائل کی حقیقت ظاہر کرنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب کی اس ہوشیاری کی ہم تعریف کرتے ہیں کہ انھوں نے النجم کے دلائل کا جواب دینا کیا ان کا نام تک نہیں لیا۔ گویا النجم نے بغیر کسی دلیل کے یہ دعوی کر کے چھوڑ دیا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

سنیئے۔ جناب ڈاکٹر صاحب النجم نے بدلائل قاہرہ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ شیعوں کا ایمان قرآن مجید پر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ جب تک ان دلائل کا شافی جواب نہ دیا جائے آپ کا ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ کر یاد رہے کہ آپ کے اولین و آخرین [illegible] ان دلائل کا جواب نہیں دے سکتے۔ [illegible] ثابت کیا جا سکتا ہو [illegible] ثابت کر سکتے ہیں تو بے شک ان دلائل کا بھی جواب ہو سکتا ہے آپ کی خاطر سے ان دلائل کا اقتباس

درج کیا جاتا ہے۔

انجمن نے حسب ذیل امور اس مبحث مین ثابت کئے ہین

(۱) مذہب شیعہ تمام صحابہ کرام کو کاذب قرار دیتا ہے اور ایک کو بھی مستثنیٰ نہین کرتا فرق صرف اس قدر کرتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور اُن کے ساتھیون کو جو ایک لاکھ سے زائد تھے منافق قرار دے کر کاذب قرار دیتا ہے اور حضرت علی اور ان کے ساتھیون کو جو کل چار شخص تھے تقیہ باز کہہ کر کاذب بناتا ہے۔ پس جب یہ کل جماعت کاذب ہو گئی تو قرآن جو انہین کی نقل و روایت سے مابعد والون کو ملا کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے شیعہ یہ بھی نہین کہہ سکتے کہ چونکہ یہ لوگ عدد تواتر کو پہونچے ہوئے تھے اور اہل تواتر کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے اس لیئے قرآن کے نقل پر جبکہ یہ سب لوگ متفق تھے لہذا کذب کا احتمال نہ رہا۔ اس لیئے کہ شیعہ اہل تواتر کا اتفاق کذب پر نص امامت وغیرہ کے چھپانے مین مان چکے ہین۔

(۲) ازروے مذہب شیعہ بلا اختلاف یہ قرآن تینون خلیفہ کے اہتمام سے بصورت کتاب مرتب ہوا جن کو مذہب شیعہ دشمن دین اور درپے تخریب دین مانتا ہے پس جس دین کا کوئی دشمن ہو اس کے ہاتھ سے اس دین کی وہ کتاب جو بنیاد دین ہوتی تو ہرگز اطمینان نہین ہو سکتا کہ اس دشمن نے کوئی تصرف اس مین نہین کیا خصوصاً جبکہ کسی دوسرے ذریعہ سے اس کی تصدیق بھی ہو جیسا کہ قرآن مجید کے متعلق کتب شیعہ مین ائمہ معصومین سے کوئی روایت اس مضمون کی نہین ہو کہ قرآن اگرچہ دشمنون کے ہاتھ سے ملا مگر اُنھون نے کوئی تصرف اس مین نہین کیا۔

(۳) کتب شیعہ مین زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہین جن مین بیان کیا گیا ہے کہ بہت سی آیتین اور سورتین قرآن مجید سے نکال ڈالی گئین اور بہت سی عبارتین جن سے کفر کے مضمون قائم ہوتے ہین اس مین بڑھائی گئین الفاظ و حروف تبدیل کئے گئے ترتیب الٹ پلٹ کیگئی نہ صرف سورتون کی بلکہ آیتون کی اور آیتون کے ند۔

جو کلمات ہین اُن کی بھی۔

(۴) روایات تحریف قرآن کی بابت علمائے شیعہ کا یہ اقرار بھی دکھایا گیا ہے کہ یہ روایتین کثیر ہین متواتر ہین مسألہ امامت کی روایات سے کم نہین ہین۔ اور تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہین۔

(۵) شیعون مین اول روز سے آجتک گنتی کے صرف چار شخص ہین جو تحریف قرآن کی تمام اقسام کا انکار کرتے ہین۔ شیخ صدوق۔ ابن بابویہ قمی شریف مرتضی ابو علی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان مگر تعجب یہ ہے چارون اشخاص باوجود منکر تحریف ہونے کے قائلین تحریف کو کافر نہین کہتے۔

(۶) یہ چارون اشخاص انکار تحریف کی سند مین کوئی قول امام معصوم کا پیش نہین کرتے اور نہ ان زائد از دو ہزار روایات تحریف کا جن کو محدثین شیعہ متواتر اور تحریف قرآن پر صریح الدلالہ کہتے ہین کچھ جواب دیتے ہین بلکہ اپنے انکار کی بنیاد ایسے دلائل پر رکھتے ہین جن سے صحابہ کرام کی دینداری اور تقدس کا ایسا ثبوت ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ خاک فنا مین مل جاتا ہے۔ لہذا قرین قیاس یہ ہے کہ ان چارون کا انکار از راہ تقیہ ہو۔

(۷) مذہب شیعہ مین سوا اس مسألہ تحریف قرآن کے اور کوئی دوسرا مسألہ ایسا نہین ہے جس پر شیعون کے تمام فرقون کا ان کے سارے اولین و آخرین کا اس طرح اتفاق کامل ہو۔ عقائد سے لیکر اعمال تک ایک مسألہ بھی نہین جس مین اختلاف نہو اور خود ائمہ معصومین سے مختلف اقوال منقول نہون حتی کہ مسألہ امامت اور عصمت ائمہ مین سب شیعہ متفق نہین ہین مگر مسألہ تحریف قرآن مین سب کا اتفاق ہے۔ نہ کوئی روایت کسی امام کی اسکے خلاف ہے نہ کسی عالم کا قول۔

(۸) اہل سنت مین ایک متنفس بھی تحریف قرآن کا قائل نہین ہوا اور سب کے سب باتفاق تحریف قرآن کے قائل کو کافر کہتے رہے جس کا شیعون کو بھی اقرار ہے۔

(۹) اہل سنت کی کتابون مین تحریف قرآن کی کوئی روایت بھی نہین ہے۔ جن روایات کو بانصاف شیعہ تحریف کی روایات کہکر پیش کرتے ہین وہ روایات نسخ تلاوت کی ہین نہ تحریف کی اور پھر وہ روایات بھی

اس درجہ کی ہیں کہ ایک جماعت بھی ان کی انکو غیر مستند قرار دے کر اس بنا پر نسخ تلاوت ہی کی منکر ہے۔

(۱۰) اہل سنت کے اصول مذہب کی بنا پر تحریف قرآن عقلاً و نقلاً دونوں طرح محال اور ناممکن ہے۔

یہ دس باتیں ہیں جو بہترین دلائل سے ثابت کیگئی ہیں دیکھو النجم کا مناظرہ حصہ اول و دوم اور تنبیہ الحائرین اور ازالۃ الاوہام من الماتمین کے چار دان نمبر۔

ڈاکٹر صاحب نے ان باتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیا گویا ان کو ان باتوں کی خبر ہی نہیں اور چند بے سرو پا باتوں میں پانچ چھ صفحہ سیاہ کر ڈالے۔

فرماتے ہیں "تمام مجتہدین و علمائے شیعہ کا اتفاق ہے کہ احکام میں تحریف نہیں ہوئی شیعہ و سنی روایات میں جو الفاظ و عبارات تحریف پائی جاتی ہیں وہ بطور تفسیر تھیں جو منسوخ ہوگئیں یا اختلاف قرأت ہے۔"

جواب یہ ہے کہ مجتہدین و علما کا اتفاق بالکل جھوٹ ہے اور یہ بات بالکل خلاف عقل بھی ہے کہ تحریف کرنے والے صرف آیات غیر احکام میں تحریف کریں اور آیات احکام کو ہاتھ نہ لگائیں آخر ان کو تحریف سے فائدہ کیا ہوا۔ سنی روایات میں عبارات تحریف کا پایا جانا محض افترا ہے۔ تفسیر کا منسوخ ہوجانا ڈاکٹر صاحب کا عالمانہ مقولہ ہے جو شاید دنیا میں کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا تفسیر کا منسوخ ہوجانا چہ معنی اختلاف قرأت کا مضمون کہنا تو رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے گھر کی خبر نہیں۔ اجی حضرت آپ کے ائمہ معصومین فرماتے ہیں کہ اختلاف[1] قرأت بالکل جھوٹ ہے۔

فرماتے ہیں "اسی قرآن کو شیعہ پڑھتے ہیں۔ ائمہ کے زمانے میں بھی یہی قرآن تھا اس قرآن سے جناب سیدہ نے فدک کا حق ثابت کیا علی مرتضی نے تینوں خلفا کے سامنے اپنا حق ثابت کیا ہے۔"

---

[1] دیکھو اصول کافی باب النوادر میں حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق دونوں سے بڑی سختی کے ساتھ قرأت کی تکذیب منقول ہے اور یہ کہ قرآن صرف ایک ہی قرأت پر نازل ہوا ہے۔

جواب یہ ہے کہ شیعوں کا اس قرآن کو پڑھنا ایمان کی دلیل نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کے امام صاحب نے فرمادیا ہے کہ جب تک امام مہدی نہ آئیں اسی محرف قرآن کو پڑھو (دیکھیے اصول کافی) باقی باتیں سب افترا ہیں۔

قرآن کی تعریف میں ڈاکٹر صاحب نے دو تین روایتیں اپنی نقل کر ڈالی ہیں مگر یہ نہ بتایا کہ ان روایات میں اس قرآن کی تعریف ہے جو ائمہ کے پاس تھا یا اس قرآن کی جو مسلمانوں کے پاس تھا اور نہ یہ ثابت کیا کہ ائمہ نے جو تعریف قرآن کی کی ہے یہ از راہ تقیہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے قبلہ مولوی سبط حسن بھی مناظرہ امروہہ میں ان دونوں باتوں کو ثابت نہ کرسکے۔

فرماتے ہیں کہ "احادیث ائمہ میں یہ حکم ہے کہ ہر بات کو قرآن سے ملاؤ جو بات موافق نہ ہو اسکو رد کرو"

جواب یہ ہے کہ یہ احادیث تو آپ لوگوں کے لئے مصیبت جان ہیں خود آپ کے علما لکھتے ہیں کہ اب قرآن تو محرف ہے احادیث کو کس چیز سے ملاکر دیکھیں۔

ڈاکٹر صاحب بہادر؟ براہ مہربانی یہ تو بتائے کبھی آپ کے مجتہدین کرام نے اپنی روایات کو قرآن سے ملاکر دیکھا! اور اس دیکھ بھال میں کتنی روایات قرآن کے خلاف ملیں اور ترک کی گئیں یا کوئی روایت خلاف قرآن نہ نکلی۔

سب سے زیادہ لطیف بات ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھی ہے کہ "ائمہ پر جھوٹ بہت باندھا گیا اور ایڈیٹر صاحب النجم نے جو روایات لکھی وہ کاذب اور غیر ثقہ رواۃ کی روایات پر منحصر ہیں"

اچھا جناب تو یہ کہئے کہ آپ کی کتب اربعہ اور نہج البلاغہ وغیرہ سب کاذب اور غیر ثقہ راویوں کی روایات سے لبریز ہیں کیونکہ النجم میں انہیں کتب کی روایات پیش کی گئی ہیں۔

تحریف قرآن کی روایات جو دو ہزار سے زائد ہیں اور بقول آپ کے محدثین کے متواتر ہیں اگر وہ سب جھوٹی ہیں تو صاف کہدیجئے اور پھر جب اس مسئلہ میں آپ کے مذہب کا جھوٹ

کھل گیا تو آپ کے مذہب کی کون سی بات قابل اعتبار رہ گئی۔

فرماتے ہیں کہ "حضرت طلحہ سے حضرت علی نے کہا کہ اے طلحہ جو قرآن ابوبکر و عمر و عثمان نے جمع کیا ہے کیا وہ سب قرآن ہے یا اس میں غیر قرآن بھی ہے طلحہ نے کہا کہ وہ سب قرآن ہے غیر قرآن اس میں نہیں تو حضرت علی نے فرمایا کہ اگر اس پر عمل کروگے تو نجات پاؤگے۔" معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب بہادر نے کیا سمجھ کر اس روایت کو نقل کیا اس سے تو بجائے ایمان بالقرآن کے بے ایمانی کا ثبوت اظہر من الشمس ہے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک اس قرآن میں غیر قرآن بھی مخلوط ہے ورنہ حضرت طلحہ سے پوچھ کر اور ان کے جواب پر بطور شرط و جزا بیان کرنے کی حاجت کیا تھی۔

ڈاکٹر صاحب کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون سی روایت ان کے موافق ہے کون مخالف ہے آنکھ بند کر کے نقل کرتے چلے جاتے ہیں اس رسالہ میں بہت جگہ اپنے خلاف روایات نقل کر کے خود اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماری ہے جیسا کہ ناظرین کرام نے ملاحظہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے ان چار منکروں تحریف کا نام لیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمام علما منکر تحریف ہیں حالانکہ ان چار کا منکر بے دلیل ہونا انہیں میں خود ہی بیان ہو چکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ انہیں خرافات کو سمجھ کر ڈاکٹر صاحب نے شیعوں کا ایمان بالقرآن ثابت فرما دیا ہے شیعوں کو لازم ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو شاباشی دیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ میں دو شعر بھی قرآن کی تعریف میں اپنے کسی کے گھر سے نہیں بلکہ سنیوں کے گھر سے چرا کر لکھ دیے ہیں اول تو اس زبانی لفاظی سے ہوتا کیا ہے دوسرے یہ کہ چوہا اگر عطار کی دوکان سے ہلدی کی گرہ چرا لیجائے تو وہ عطار نہیں بن سکتا۔

وہ دونوں شعر یہ ہیں ؎

کلام ذات باری پر ہمارا دین و ایمان ہے قسم ہے جان و ایمان کی ہمارا جان قرآن ہے
یہ ہو سچا ہے دین قرآن کا جو نہ مانے وہ بھائی ہے شیطان کا

ڈاکٹر صاحب ہم بھی آپ کے اس آخری شعر پر صاد کرتے ہیں یقیناً جو کوئی دین قرآن کے خلاف ہو وہ شیطان کا بھائی ہے جو تحریف قرآن کا قائل ہو وہ شیطان کی

اولاد سے ہے۔

چوتھا مسئلہ۔ حدیث ثقلین کی بحث

حدیث ثقلین کے متعلق ایک رسالہ دفتر النجم سے شائع ہوچکا ہے جس کا نام الرابع من المائتین ہے کئی سال ہوچکے لیکن اب تک کسی مجتہد صاحب کو جواب لکھنے کی ہمت نہوئی۔

یقیناً جو الفاظ حدیث ثقلین کے شیعون نے مشہور کیے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مین: دو بھاری چیزین چھوڑے جاتا ہون قرآن اور اہل بیت یہ قطعاً غلط ہین ان کے غلط ہونے مین کچھ شک نہیں شیعہ سنی دونون کے مذہب کے رو سے اس مضمون پر سخت اعتراضات ہوتے ہین از انجملہ یہ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ذکر اس حدیث مین نہین ہے حالانکہ فریقین کے نزدیک سنت بھی واجب الاتباع ہے اگر کہیے کہ اہل بیت سنت کے خلاف نہین ہوسکتے لہذا سنت کے ذکر کی ضرورت نہ تھی تو ہم کہتے ہین کہ اہل بیت قرآن کے خلاف بھی نہین ہوسکتے لہذا قرآن کے ذکر کی بھی ضرورت نہ تھی۔

صحیح الفاظ حدیث کے وہ ہین جو امام مالک نے مؤطا مین اور دوسرے محدثین نے دوسری کتابون مین روایت کیے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مین تم مین دو چیزین چھوڑے جاتا ہون ایک قرآن دوسری اپنی سنت۔ پوری تحقیق الرابع من المائتین مین دیکھو۔

حدیث ثقلین کی تحقیق نے مذہب شیعہ کا گھروندا اس طرح مٹا دیا کہ اب اس کا پتہ بھی نہین چلتا۔

ڈاکٹر صاحب کی تمام خرافات کا بقدر ضرورت جواب ہوچکا وھذا آخر الکلام والحمد للہ رب العالمین۔